ماہنامہ
حنا
ستمبر 2013

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690 , 042-37310797 ای میل ایڈریس، monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! ستمبر 2013ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

گزشتہ دنوں جناب وزیراعظم نے قوم سے اپنا پہلا کیا، جس میں انہوں نے اپنی حکومت کی جانب سے ملکی ترقی کے لئے اختیار کی جانے والی مجوزہ پالیسی کے خدوخال کی رونمائی کی۔ یہ خطاب ان کے اقتدار سنبھالنے کے تقریباً ڈھائی ماہ بعد ہوا ہے، خیال تھا کہ اتنی دیر سے خطاب کرنے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ قوم کو کوئی ٹھوس قدم اٹھا کر دکھائیں گے۔ مگر یہ خیال ہی رہا اور ان کی تقریر خوش آئند خوابوں کے علاوہ کچھ نہ تھی، اس میں قوم کو لاہور، کراچی موٹروے، پاک چین راہداری کے منصوبے اور کم آمدنی والے افراد کے لئے نئے گھروں کی تعمیر کے منصوبوں کے خواب دکھائے گئے ہیں۔ یہ سب بے پناہ اخراجات والے منصوبے ہیں، جبکہ اس تقریر میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ان منصوبوں کے لئے وسائل کہاں سے مہیا ہوں گے، اس وقت ملک میں مسئلہ نئے منصوبوں کے آغاز کا نہیں ہے بلکہ ان کے لئے وسائل کے بندوبست کا ہے۔ جس کے لئے حکومت اس وقت سنجیدگی سے کوشش کرتی نظر نہیں آرہی، ضرورت اس امر کی ہے کہ وزیراعظم جلد ہی ایک دوسری تقریر کریں جو مستقبل کی حکومتی پالیسی کے اس خاکے پر مبنی ہو، جس میں پاکستان کی سیکورٹی کی بدتر صورتحال سے لے کر انرجی کے بحران کے خاتمہ تک کے قابل عمل اقدامات کا ذکر کیا جائے، اسی طرح حکومت کی تیزی سے بگڑتی ہوئی ساکھ بہتر ہوسکے گی۔

اک برس اور بیت چلا:۔ 17 ستمبر 2013ء کو میری اہلیہ مرحومہ کی دوسری برسی ہے، ان گزرے دو سالوں میں کوئی لمحہ ایسا نہیں رہا جس میں ان کی یاد ہمارے دلوں سے محو ہوئی ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کی مغفرت فرما کر ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

قارئین سے التماس ہے کہ مرحومہ کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کے لئے دعا فرمائیں۔

اس شمارے میں:۔ اداکارہ نیلم منیر سے ملاقات، فرحت عمران اور کنول ریاض کے مکمل ناول، خالدہ نثار کا ناولٹ، ثمینہ بٹ، حمیرا خان، نسرین خالد، سباس گل، روبینہ سعید، سائرہ حصار اور عتیقہ ملک کے افسانے۔ اُم مریم اور فوزیہ غزل کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

اندھیرے چیر کر ان میں اجالا تو ہی کرتا ہے
ہر ایسا کام اے اللہ تعالیٰ تو ہی کرتا ہے

شکستِ فاش دیتا ہے ہمیشہ تو ہی باطل کو
ہر اک موقع پہ حق کا بول بالا تو ہی کرتا ہے

جہاں میں وقتِ پیدائش سے لے آخری دم تک
ہر انسان اور ہر حیوان کو پالا تو ہی کرتا ہے

بسا اوقات ہم مایوس ہو جاتے ہیں گھبرا کر
ہر ایسے وقت میں مشکل کو ٹالا تو ہی کرتا ہے

ہمارے دل اندھیروں میں بھٹک جاتے ہیں جب یارب
تو ان سے دور گمراہی کا جالا تو ہی کرتا ہے

مسلماں ہوں اگر کمزور اور کفار طاقت ور
تو اعدا کے دلوں میں رُعب ڈالا تو ہی کرتا ہے

زمیں پر گل شگفتہ، آسماں پر نجم رخشندہ
ہے یہ کام تیرے کرنے والا، تو ہی کرتا ہے

جو تو چاہے تو پتھر میں بھی کیڑے کو غذا بخشے
یہ ایسا کام انوکھا اور نرالا تو ہی کرتا ہے

یہ بزمیؔ اور اس جیسے کروڑوں ہی بشر ہونگے
بچا کر جن کو گرنے سے سنبھالا تو ہی کرتا ہے

جب نظر کے سامنے روضہ کا منظر آئے گا
خود بخود میری زباں پر ذکرِ سرورؐ آئے گا

دیکھنا ہے سایۂ احمدؐ تو دیکھو عرش پر
آسماں کا سایہ آخر کیوں زمیں پر آئے گا

مجھ کو نسبت ہے محمدؐ سے نہیں دُنیا کا خوف
مجھ سے ٹکرائی تو گردش کو بھی چکر آئے گا

تیرگی کو کاٹ دے گی جنبشِ نوکِ قلم
روشنی کے ہاتھ میں کرنوں کا خنجر آئے گا

آنکھ میں بھر لوں گا میں تو شربتِ دیدار کو
جام بھرنے جب میرا ساقیٔ کوثر آئے گا

میں ہوں مداحِ نبیؐ ممکن نہیں مجھ کو زوال
دیکھنا کس اوج پر میرا مقدر آئے گا

جس کے دل میں آئے گا کوکبؔ محمدؐ کا خیال
بخت کی تاریکیوں میں مثلِ خاور آئے گا

سید اختر ناز

حرمت نفس انسانی

حضرت عمر بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ قیدی آئے، قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کی متلاشی تھی، اچانک قیدیوں میں سے ایک بچہ مل گیا، اس ن فوراً اسے اپنے پیٹ سے چمٹا لیا اور اسے دودھ پلانے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا تو پوچھا۔

''کیا تمہارے خیال میں یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟''

صحابہ کرام نے عرض کیا۔

''نہیں اللہ کی قسم! جہاں تک اس کا بس چلے گا وہ اسے آگ میں نہیں پھینکے گی۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر فرمانے لگے۔

''جتنی یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے، اللہ اس سے کہیں زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔''

ایسا شفیق خالق کائنات کبھی انسانی جان پر ظلم وسلم، بے انصافی اور بے جا قتل ہوتا نہیں دیکھ سکتا اور نبی ختم المرتبت سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہیں خدا نے دونوں جہانوں کے لئے رحمت اور رؤف و رحیم کہا ہے، بھلا انسانی جان کو اپنے دائرہ رحمت سے کیسے نکال سکتے ہیں۔

لوگوں سے برائی نہ کرنا

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھو، یہ بھی ایک صدقہ ہے جو تم اپنی ذات پر کرتے ہو۔'' (بخاری شریف)

سب سے بہتر اسلام

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس شخص کا اسلام سب سے بہتر ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (بخاری شریف)

ہمسائے کے حقوق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس پر لازم ہے کہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے اور اسے چاہیے کہ مہمان کا احترام کرے اور اسے چاہیے کہ اگر بولے تو بھلائی کی بات کرے، ورنہ خاموش رہے۔'' (بخاری شریف)

مہمان کی عزت

حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا۔

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے ہمسائے کا احترام کرے اور اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے، ایک دن رات خاطر مدارات کرے اور تین دن رات اسے اپنے ساتھ کھانے میں شامل کرے اور جو اس سے بھی بڑھ جائے، وہ پھر اس کے لئے صدقہ ہے اور اسے چاہیے کہ اگر بولے تو بھلائی کی بات کرے یا پھر خاموش رہے۔'' (مسلم، کتاب الایمان)

سلام کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سب بے بہتر عمل یہ ہے کہ تم غرباء اور مساکین کو کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو خواہ شناسا ہو یا اجنبی سلام کرو۔'' (بخاری شریف)

آسانی پیدا کرو

''آسانی پیدا کرو اور سختی میں مبتلا نہ کرو، لوگوں کو خوشخبری دو اور ایسی باتیں نہ کرو جن سے نفرت پیدا ہو۔'' (بخاری شریف)

منہ پر مارنا

''اگر تم میں سے کوئی شخص کسی سے لڑائی کرے تو اسے چاہیے کہ منہ پر مارنے سے اجتناب کرے۔'' (بخاری شریف)

مسلمان کے حقوق

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور بھائی نہ تو اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو ظلم یا تکلیف میں مبتلا دیکھ سکتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں مصروف ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات کا کفیل ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی ایک تکلیف دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکالیف میں سے ایک تکلیف دور فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔'' (بخاری شریف)

خودکشی کرنا

''تم سے پہلی جو امتیں گزری ہیں، ان میں سے ایک شخص زخمی ہو گیا اور زخموں کی تکلیف سے اس قدر بے چینی ہو کہ اس نے چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا، جس کے نتیجے میں زیادہ خون بہہ جانے سے اس کی موت واقع ہو گئی، اس کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

''میرا بندہ خود کو ہلاک کرنے میں مجھ پر سبقت لے گیا، اس لئے میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔'' (بخاری شریف)

''جس شخص نے خود کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کی، وہ جہنم میں جائے گا اور وہاں بھی مسلسل اسی طرح پہاڑ سے گرائے جانے کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہے گا اور جس نے زہر کھا کر خود کو ہلاک کیا، وہ بھی جہنم میں زہر ہاتھ میں لئے خود کو اسی زہر سے ہلاک کرتا رہے گا اور ہمیشہ اسی تکلیف میں مبتلا رہے گا اور جس شخص نے خود کو لوہے کے کسی ہتھیار سے ہلاک کیا، وہ جہنم میں یہی ہتھیار ہاتھ میں لئے مسلسل اسے اپنے پیٹ میں مار کر خود کو ہلاک کرتا رہے گا اور ہمیشہ اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔'' (بخاری شریف)

مسلمانوں کا آپس میں لڑنا

"جب دو مسلمان آپس میں تلوار سے لڑتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جاتے ہیں، مقتول اس لئے جہنم میں جائے گا کہ وہ خود بھی تو اپنے مقابل کو قتل کرنے کا خواہشمند تھا۔" (بخاری شریف)

"تمہارا خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں اسی طرح حرام و محترم ہیں، جیسے حج کے مہینہ میں مکہ مکرمہ میں عرفہ کا دن ہے اور یاد رکھو، عنقریب تم کو اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے، سو وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا، تو خیال رہے کہ تم میرے بعد دوبارہ ایسے گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں لڑنے لگو اور ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو اور وہاں ہر حاضر موجود پر لازم ہے کہ وہ یہ احکام ان لوگوں تک پہنچائے جو موجود نہیں ہیں۔" (بخاری شریف)

قتل کا بدلہ

"جو شخص جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے گا تو اس کا بدلہ جہنم ہے۔" (بخاری شریف)

سات کام

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"سات تباہ و برباد کر دینے والے کاموں سے بچو، وہ یہ ہیں۔"

1۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا۔
2۔جادو کرنا۔
3۔اس جان کو ہلاک کرنا جس کا ہلاک کرنا اللہ نے حرام کیا ہے۔
4۔سود کھانا۔
5۔یتیم کا مال ہڑپ کرنا۔
6۔جنگ کے دن منہ موڑ کر بھاگ جانا۔
7۔پاک دامن بھولی بھالی مومن خواتین پر تہمت لگانا۔ (بخاری شریف)

مومن کی حرمت

"مومن پر لعنت بھیجنے کا گناہ مومن کو قتل کرنے کے برابر ہے، مومن پر کفر کی تہمت لگانے کافر کہنے کا گناہ بھی مومن کو قتل کرنے کے برابر ہے۔" (بخاری شریف)

جھگڑا کرنے والا

"اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔" (بخاری شریف)

نفس کو برا کہنا

"کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا ہے۔" (بخاری شریف)

بد کلامی کرنے والا

"بدترین انسان وہ ہے جس کی بد کلامی سے بچنے کے لئے لوگ اس سے ترک تعلقات کر لیں۔" (بخاری شریف)

رحم کرنے والا

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔" (بخاری شریف)

"تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔" (مستدرک)

مسلمان

"تم لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو مسلمان بن جاؤ گے۔" (ترمذی

شریف)

کامل مومن

"تم میں سے کوئی اس وقت تک پورا مومن نہیں ہو گا جب تک وہ اور لوگوں کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند ہو اور جب تک وہ آدمی کو صرف خدا کے لئے پیار نہ کرے۔" (مسند احمد)

حق کفالت انسانی

انسانی ضروریات کی کفالت کے حوالے سے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت کچھ فرمایا، چند ایک فرمودات کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "خرچ کرو تا کہ میں بھی تم پر خرچ کروں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اور دن رات بے تحاشا خرچ کرنا بھی اس میں کچھ کمی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پست کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بلند کرتا ہے۔" (بخاری شریف)

صدقہ کرنا

"جب کوئی شخص اپنی پاک کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تک پاک چیز ہی پہنچتی ہے تو اللہ اسے بڑھاتا ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی مثل ہو جاتا ہے۔" (بخاری شریف)

گھر والوں پر خرچ

"مسلمان جب اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے اور خرچ کرتے وقت ثواب کی امید رکھتا ہے تو وہ خرچ اس کا صدقہ بن جاتا ہے۔" (بخاری شریف)

صدقہ

"صدقہ دو اور اس لئے کہ ایک ایسا وقت بھی آنے والا ہے جب ایک شخص صدقہ دینے کے لئے نکلے گا اور اسے لینے والا کوئی نہ ہو گا۔" (بخاری شریف)

محنت کرنا

"انسان کا جنگل سے لکڑیوں کا گٹھا کمر پر اٹھا کر لانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی کے آگے دست سوال دراز کرے جو اسے کچھ دیر یا انکار کر دے۔" (بخاری شریف)

بھیک مانگنا

"جو شخص لوگوں سے ہمیشہ مانگتا رہتا ہے، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہو گی۔" (بخاری شریف)

عطا بخشش

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مجھے کچھ عطا فرماتے تو میں عرض کرتا کہ یہ اسے دیجئے جو مجھ سے زیادہ اس کا ضرورت مند اور محتاج ہو، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"تم تم کو کوئی مال بغیر لالچ کیے اور بلا مانگے ملے تو اسے لے لیا کرو اور جو اس طرح نہ آئے، اس کے پیچھے مت پڑا کرو۔" (بخاری شریف)

خرید و فروخت

"غلے اور اناج کو قبضہ میں لینے سے پہلے آگے فروخت نہ کیا جائے۔" (بخاری شریف)

"عمدہ کھجوروں کے بدلے میں گھٹیا کھجوریں زیادہ مقدار میں دینے کے بجائے پہلے گھٹیا کھجوریں بیچو، اس سے جو رقم حاصل ہو، اس کے اعلا قسم کی کھجوریں خرید لیا کرو۔" (بخاری شریف)

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کو چاندی کے بدلے ادھار بیچنے سے منع فرمایا۔" (بخاری شریف)

بیوی کے حقوق

"ایک موقع پر ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیوی کا حق شوہر پر کیا ہے؟"

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جب خود کھائے اسے کھلائے، جب خود پہنے تو اسے پہنائے نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے اور نہ اس کو برا بھلا کہے اور نہ گھر کے علاوہ اس کی سزا کے لئے اس کو علیحدہ کرے۔" (ابن ماجہ کتاب النکاح)

صلہ رحمی کرنا

"جو صلہ رحمی یعنی حق قرابت ادا نہیں کرتا، وہ کبھی جنت میں داخل نہ کیا جائے گا۔" (بخاری کتاب الادب باب صلہ الرحم)

صلہ رحمی کا اجر

"جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔" (بخاری)

غیر مسلم ہمسایہ

"حضرت عبداللہ بن عمرو نے ایک دفعہ ایک بکری ذبح کی ان کے پڑوس میں ایک یہودی بھی رہتا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے اہل خانہ کو کہا کہ "کیا تم نے میرے یہودی ہمسایہ کو بھی بھیجا؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرنے کی اتنی تاکید کرتے رہے کہ میں سمجھا وہ پڑوسی کو ترکہ میں حصہ دار نہ بنا دیں۔" (ابوداؤد کتاب، الادب باب حق الجار)

یتیموں پر رحم

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں ایک یتیم نے ایک شخص پر نخلستان کے متعلق دعویٰ پیش کیا مگر وہ دعویٰ ثابت نہ کر سکا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ نخلستان مدعا علیہ کو دلا دیا، وہ یتیم اس پر رو پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا رحم آیا اور مدعا علیہ سے فرمایا۔

"کہ تم یہ نخلستان اس کو دے دو، اللہ تم کو اس کے بدلے جنت دے گا۔" وہ اس ایثار پر راضی نہ ہوا۔

ابوالدحداح نامی صحابی حاضر تھے، انہوں نے اس شخص سے کہا کیا تم اپنا یہ نخلستان میرے فلاں باغ سے بدلتے ہو۔" اس نے آمادگی ظاہر کی، چنانچہ انہوں نے فوراً بدل لیا اور نخلستان اپنی طرف سے اس یتیم کو ہبہ کر دیا۔

☆☆☆

ایک کالم برساتی میں

ابن انشاء

ایک مسافر کا قصہ مشہور ہے کہ جنگل بیاباں میں چلا جا رہا تھا، چلتے چلتے تھک گیا۔ کہاں سے چلا تھا، کہاں جا رہا تھا اور کیوں جا رہا تھا۔ گھر میں نچلا بیٹھا حقہ کیوں نہیں پی رہا تھا۔ یہ بات قصے میں مذکور نہیں۔ مذکور ہے تو یہ کہ اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ کوئی سواری بھیج۔ اب آسمان والوں کو یہی ایک کام تھوڑی تھا۔ ان کے پاس درخواست اور فرمائشوں کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ بہرحال یہ کوئی نیک بندہ تھا۔ اس کی درخواست پر حکم ہوا کہ سواری فی الفور بھیجی جائے۔ مسافر کیا دیکھتا ہے کہ ایک گھڑ سوار چلا آ رہا ہے اور ساتھ اس کے ایک چھوٹا سا بچھیرا ہے۔

اس نے اپنے ہنٹر سے اس مسافر کو ٹھوکا دیا اور کہا "ذلیل کالا آدمی۔ ہمارا بچھیرا تھک گیا ہے اس کو کندھوں پر بٹھاؤ اور ہمارے ساتھ ساتھ بھاگو۔

"اس شخص نے تعمیل ارشاد کی لیکن آسمان والوں سے گلہ کیا کہ "بات سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔ خوامخواہ الٹے سیدھے حکم جاری کر دیتے ہو۔ میں نے سواری نیچے کے لیے مانگی تھی۔ اوپر کے لیے تھوڑا ہی مانگی تھی۔"

کچھ ایسا ہی اب کے کراچی والوں کے ساتھ ہوا۔ یہاں ایک پائپ لائن ٹوٹنے سے پانی کا توڑ ہو گیا تھا۔ لوگ پانی کے قطرے قطرے کو ترسنے لگے تھے۔ لوگوں نے تیمم کر کر کے نمازیں پڑھی اور دعائیں کیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کارکنان قضا و قدر پائپ لائن کو جوڑ دیتے۔ اپنے پاس سے پانی دینا ہی تھا تو ناپ کر دیتے۔ وہ بھی اعشاری پیمانوں لیٹر وغیرہ سے۔ انہوں نے آسمان کی ٹینکی ہی لوٹا دی۔ چنانچہ اہل کراچی کے ساتھ وہی ہوا جو کبھی حفیظ جالندھری کے ساتھ ہوا ہوگا۔ بلکہ ہوا تھا جب انہوں نے ایک پیر مرد کے نکاح ثانی پر ایسا ویسا سہرا لکھا تھا۔

جہاں قطرے کو ترسایا گیا ہوں
وہیں ڈبا ہوا پایا گیا ہوں

ہم اتفاق سے ان دنوں کراچی سے باہر تھے۔ ورنہ کراچی والوں سے کہتے کہ دعا کے ساتھ اعداد و شمار بھی دیا کرو۔ یہ کہو کہ معمولی پانی چاہیے۔ باران رحمت نہیں چاہیے۔ ہم نے کچھ برسات لاہور میں دیکھی۔ کچھ پنڈی میں پائی۔ وہاں تو پانی پڑتا ہے۔ سڑکیں ڈھل جاتی ہیں۔ لیکن پنجاب کے لوگ اس کے عادی ہیں کراچی والوں کو جب باران رحمت کا کئی سالوں کا کوٹہ ایک ہی بار ملتا ہے تو ان کے دامن میں نہیں سماتا۔ چھاجوں برستا ہے اور چھتوں کو چھلنی کر دیتا ہے۔ آدم کچھ مانگے تو اس کا اپنا ظرف بھی کچھ ہونا چاہیے۔ دینے والی سرکار تو ایسی ویسی ہے نہیں۔ جب دیتی ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتی ہے۔ بہرحال انتظامیہ کے ہر سال کے اس اعلان کے باوجود کہ بارش کی آفات سے نمٹنے کا معقول انتظام کر لیا ہے۔ جابجا ایمرجنسی سینٹر کھول دیئے ہیں۔ پانی کی مجال نہیں کہ غریبوں اور جھگیوں والوں کا بال بیکا کر سکے۔ ہر سال وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اب کے برس بھی یہی ہوا۔

☆☆☆

فی الحال یہ کیفیت ہے کہ ایک محلے کا آدمی دوسرے محلے کے آدمی سے خیریت پوچھتا ہے تو ان لفظوں میں کہ میاں آج کل کتنے پانی میں ہو؟ وہ کہتا ہے جناب ہم تو پانی پانی ہو رہے ہیں۔ یا یہ کہ پانی سر سے گزر گیا ہے یا یہ کہ ہماری کمائی پر پانی پھر گیا ہے۔

اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا کر رہے ہو فی الحال۔ جواب ملتا ہے کہ فی الحال تو آپ کے سامنے پانی بھرتا ہوں۔ مبادا پوچھنے والا سمجھے کہ محاورہ بازی ہو رہی ہے، وہ بالٹی بھی دکھاتا ہے۔ بے شک کراچی میں محاورے بولنے والوں کی خاصی آبادی ہے لیکن آج کل پانی کا جتنا کاروبار ہو رہا ہے۔ لغوی معنوں میں ہو رہا ہے۔

زبان اردو کو اس لحاظ سے بحر نا پیدا کنار کہنا چاہیے کہ اس میں پانی کے محاورے بہت ہیں۔ پانی چڑھتا ہے، اترتا ہے، بہتا ہے اور ملتان تک جاتا ہے۔ لوگ اسے پیتے ہیں اور پی پی کر حریفوں کو کوستے ہیں۔ اس کی لہریں گننے کا کاروبار ایک مستقل کاروبار ہے۔ لوگ پانی میں آگ تک لگاتے ہیں۔ پانی مانگتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو پانی تک نہیں مانگتے۔ پانی سب کچھ چکتا ہے تو مر بھی جاتا ہے۔ چنانچہ پانی مرنا بھی ایک محاورہ ہے۔ جان صاحب کا شعر ہے۔

تیرے دل میں مصری چاہ یوسف بیگ بھیا کی!
نہ کیوں آنکھیں چرائے مجھ سے، مرتا تجھ میں پانی ہے

بعض شاعر اور عاشق کہ اندر سے یہ دونوں ایک ہوتے ہیں۔ خود پانی پہ مرتے ہیں۔

لپٹ جاتے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے
الٰہی یہ گھٹا دو دن تو برسے

ایک اور شاعر ان مضمون کو یوں باندھتا ہے۔

جا سکا پھر نہ مرے گھر، جو یہ پانی آیا
رحمت اللہ کی آئی، جو یہ پانی آیا!

پانی کے جلنے ایک اور مضمون میں سنیے۔

غسل حمام کو کب آئے گا، وہ شوخ غفور
پانی جلتا ہے جدا، آگ جدا جلتی ہے

اساتذہ کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں پانی سستا بھی ہوا کرتا تھا۔ لوگ اسے پیسے کی طرح بہایا کرتے تھے۔ آج کل کی طرح پیسے اور صراحی کے حساب سے بکا نہ کرتا تھا۔ کسی کا شعر ہے۔

پیتے ہیں اب جناب مشیخت ماب بھی
پانی کے مول، بکنے لگی ہے شراب بھی

شعرا کے حوالے سے بھی، یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف کپڑا اور گردن ہی ناپنے کا دستور نہ تھا۔ پانی بھی ناپا جاتا تھا۔ مشہور شاعر قلق کا شعر ہے۔

کچھ پتا ملتا نہیں عشق ذقن کو چاہ کا
پانی ناپا آشناؤں نے بہت اس چاہ کا

ایک شعر راسخ کا بھی سنیے کہ مضمون نکالنے کی حد تک ناسخ کے بھائی تھے۔

ہو گیا ہے مرد جلاؤ کا خنجر پانی!
کم سے کم ناپ کے پیتا ہوں میں گز بھر پانی

قارئین کرام! ہم پانی کے مضمون کو مزید پانی کرتے لیکن بار پھر آیا ہے اور پانی پھر برسنے کے آثار ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ذرا سی تاخیر سے ہمارے اس کالم پر پانی پھر جائے۔ جس طرح کسی شاعر نے اپنے نامے بارے میں اندیشہ ظاہر کیا ہے۔

آسمان اپنی عداوت سے نہ پانی پھیر دے
لے چلا ہے خط ہمارا نامہ بر برسات میں

☆☆☆

نیلم منیر سے ملاقات

کاشف گوریجہ

خوبصورت ذہین اور ورسٹائل و باصلاحیت لوگوں سے ہماری انڈسٹری بھری پڑی ہے بس اصل کام ہے ان فن کاروں سے کام لینا انہی ورسٹائل اور خوبصورت چہروں میں ایک نیا اضافہ نیلم منیر ہے آیئے دیکھتے ہیں اس خوبصورت فنکارہ کے فنی سفر کی چند جھلکیاں اور کچھ باتیں۔

نیلم منیر 20 مارچ 1992 کو کراچی میں پیدا ہوئیں نیلم نے اپنے فنی سفر کا آغاز کراچی ہی سے کیا نیلم نے بہت چھوٹی عمر ہی سے کمرشلز میں کام شروع کیا آیئے جانتے ہیں اپنی پسندیدہ ایکٹرس کے بارے میں،

س: آپ کی ایکٹنگ بہت سنجیدہ ہوتی ہے اس کی کوئی خاص وجہ؟؟؟

ج: میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ میں اپنے کردار کے ساتھ مکمل انصاف کروں نہ کہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ میں کوئی بہت بڑی ہیروئن بنوں بس اپنے کردار کو سٹڈی کرتی ہوں پھر پوری توجہ سے اس کردار کو نبھاتی ہوں۔

س: خوابوں پہ یقین رکھتی ہیں؟؟؟

ج: خواب ماضی کا حصہ ہوتے ہیں میں اپنے ماضی کو بہت حد تک اپنے مستقبل کا حصہ نہیں بنانا چاہتی اس لیے میں جاگتی آنکھوں کے خواب نہیں دیکھتی اور نہ ہی زیادہ سوچتی ہوں۔

س: کتنے بہن بھائی ہیں آپ؟؟؟

ج: ہم ٹوٹل چار بہنیں ہیں مجھے ملا کہ دو مجھ سے بڑی اور ایک چھوٹی۔

س: آپ کی بہنوں کا شوبز میں آنے کا ارادہ ہے؟؟؟

ج: نہیں ان کو تو شوق بھی نہیں ہے شوبز کا۔

س: عزت دولت اور شہرت میں
ج: ایکٹنگ کرنا زیادہ اچھا لگتا ہے

س: مزے مزے کے کھانے بنانے کا شوق ہے یا کھانے کھانے کا؟؟؟

ج: کھانا بنانا نہیں آتا اس لیے کھانے کا شوق ہے۔

س: تیزی سے آگے بڑھنا اچھا ہوتا ہے یا پھونک پھونک کہ قدم رکھنا؟؟؟

ج: پھونک پھونک کہ قدم رکھنا چاہیے اسی میں ہماری بھلائی ہے۔

س: آپ کی فٹنیس کا کیا راز ہے ڈائٹنگ یا ایکسرسائز؟؟؟

ج: نہ ہی میں نے ڈائٹنگ کی ہے اور نہ ہی ایکسرسائز کرتی ہوں سب اللہ کی دین ہے

س: اپنی غلطیوں سے سیکھنا چاہیے یا ڈانٹ کھا کہ؟؟؟

ج: انسان کو ہمیشہ اپنی غلطیوں سے سیکھنا چاہیے۔

س: آپ ایک اچھی بیٹی ہیں، بہن ہیں یا ایکٹریس؟؟؟

ج: اچھی بیٹی بھی ہوں، اچھی بہن بھی ہوں اور ایکٹریس تو آپ کو پتا ہی ہے۔

س: پہناوا کیسا اچھا لگتا ہے ساڑھی گرارے یا سادہ لباس؟؟؟

ج: بھاری بھر کم لباس سے بہت الجھن ہوتی ہے سادہ اور مکمل لباس پسند ہے۔

س: پسندیدہ ٹی وی ڈرامہ کون سا ہے؟؟؟

ج: آئی تھنک بلبلے میرا پسندیدہ ڈرامہ ہے۔

س: کون سا اپنا ڈرامہ پسند ہے جس میں آپ سمجھتی ہیں کہ آپ نے اچھا رول پلے کیا ؟؟

ج: میرے اب تک کے اچھے

س: گھر کے کاموں کا تجربہ ہے؟؟؟

ج: ہاں جی آٹا گوگوندھ سکتی ہوں روٹی بنا سکتی ہوں، چائے بنا سکتی ہوں، کھانا کیسے بنتا ہے نہ کبھی سوچا ہے نہ ہی کبھی سیکھنے کی کوشش کی ہے۔

س: صفائی پسند ہیں یا آپ کا کمرہ بے ترتیبی کا شکار رہتا ہے؟؟؟

ج: میری کمرے کی 9 صفائی ستھرائی کا خیال میری والدہ ہی رکھتی ہیں کیوں کہ وہ ابھی تک مجھے چھوٹا بچہ ہی سمجھتی ہیں۔

ڈراموں میں جل پری بہت سنجیدہ اور اچھا رول تھا جس کو میں سمجھتی ہوں کہ میں نے اچھا پرفارم کیا۔

س: کبھی فلموں میں کام کی آفر آئی؟

ج: ہاں کئی بار آفر آئی مگر ابھی فلم انڈسٹری میں جانے کا سوچا ہی نہیں ہے۔

س: اپنے ملک کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہیں؟؟؟

ج: میں دیکھا جائے تو اچھا کام کر کہ اپنے ملک کے لیے ہی کچھ کر رہی ہوں۔

س: سیاست میں دلچسپی ہے؟ اگر آپ کو وزیر اعظم بنا دیا جائے تو۔۔۔

ج: جواب میں مسکرائی اور کہا، اللہ معاف کرے۔۔۔

فوزیہ شفیق

عید کا دن خوشبوؤں اور خوشیوں سے عبارت ہے عید سے جڑی وابستہ یہ رسم خوبصورت ہوتی ہے قارئین حنا کے لئے ہم نے مصنفین سے عید سروے ترتیب دیا ہے۔
آیئے دیکھتے ہیں مصنفین نے ان سوالات کے کیا جوابات دیئے ہیں۔
عید سروے کے سوالات یہ ہیں۔

۱۔ آپ عید الفطر کس طرح مناتی ہیں، عید کی مناسبت سے کوئی ایسی رسم وروایت جس کے بنا آپ کو عید نامکمل لگتی ہو؟
۲۔ عید کا کوئی خاص پکوان جس کی آپ کے گھر والے اور مہمان فرمائش کر کے بنواتے ہیں اس کی ترکیب لکھیں؟
۳۔ چاند دیکھ کر کوئی دعا یاد آتی ہے یا کوئی چاند سا چہرہ؟
۴۔ عید سے قبل یا عید کے دن رونما ہونے والا کوئی خوشگوار واقع یا فون یا میسج جس نے عید کی خوشیوں کو دوبالا کر دیا ہو؟
۵۔ اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ عید کا دن اپنی پسندیدہ مصنفہ یا شخصیت کے ساتھ گزارنا چاہیں تو آپ کس کے ساتھ گزاریں گی؟
۶۔ اپنے سپنوں کے چاند کے لئے کوئی شعر یا خوبصورت جملہ؟

صباء جاوید .... بہاول پور

پہلی بار قلم تھام کر لکھنا مشکل لگ رہا ہے اور یہ احساس بھی تقویت پکڑ رہا ہے کہ اپنے بارے میں کچھ بیان کرنا دنیا کا سب سے مشکل امر ہے، خیر خدا کا نام لے کر یاد داشت کے صفحات کے آرام میں خلل ڈالا اور جب ماضی کے اوراق الٹ پلٹ کر دیکھے تو بچپن کی ساری حماقتیں یاد کرنے کا موقع ملا بلکہ حسین یادوں کو بھی اپنا منتظر پایا۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ جیسا بھی الٹا سیدھا لکھوں اسے ہضم کریں۔

۱۔ پہلا سوال کہ عید الفطر کیسے مناتی ہوں تو دن کا آغاز حسب معمول سحر خیزی سے ہوتا ہے، البتہ دن کے چہل پہل اور رونق معمول سے ہٹ کر ہوتی ہے، سب سے پہلے نماز ادا کرتی ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے ایک اور خوشیاں بھرا دن نصیب میں لکھا، اس کے بعد ڈھیروں موصول ہونے والے میسج پڑھتی ہوں اور جواب میں سب کو عید وش کرتی ہوں، اس کام سے فراغت کے بعد بھائیوں اور پاپا کو عید نماز پڑھنے

کے لئے بھیجنے کے لئے ان کی مدد کرتی ہوں، ان کی رخصت کرنے کے بعد کچن کو رونق بخشنے پہنچتی ہوں جہاں امی پہلے سے موجود ہوتی ہیں اور ککنگ میں میری مما جی کا کوئی ثانی نہیں، انہیں دس طرح کے میٹھے پکوان بنانے ہوتے ہیں اور میں کھڑی ہو کر دیکھتی ہوں کہ یہ کیسے بنتے ہیں (معذرت کے ساتھ مجھے کچھ بھی بنانا نہیں آتا)

پھر جب پاپا اور بھائی واپس آتے ہیں تو اپنے پسندیدہ مشغلے میں مصروف ہو جاتی ہوں جی ہاں ٹھیک سمجھے آپ مجھے عیدی وصول کرنے میں ان سے خاصی تگڑی رقم عید کے نام پر ہتھیانے کے بعد میں اپنی تیاری میں مصروف ہو جاتی ہوں۔

اور اس کے بعد جو ہمارے گھر مہمانوں کا تانتا بندھتا ہے تو رات گئے ہی یہ سلسلہ رکتا ہے، ہمارے گھر میں باقی تمام افراد آؤٹنگ کے بہت دلدادہ ہیں ویسے تو میں بھی ہوں لیکن خاص موقعوں پر مجھے باہر نکلتے ہوئے اچھی خاصی بے زاری ہوتی ہے کیونکہ عید کے دن پر معمول سے ہٹ کر رش ہوتا ہے اور ہجوم سے میں بہت الرجک ہوں، لہٰذا عید کا دن گھر پر منانے کو ہی ترجیح دیتی ہوں، بقیہ لوگوں کو موقع ملے تو فوراً شہر کی سڑکوں کو رونق بخشنے پہنچ جاتے ہیں بس اسی طرح کچھ مصروفیت، کچھ فراغت، خوش گپیوں اور مسکراہٹوں میں یہ دن نکل جاتا ہے۔

اب آتے ہیں روایت کی طرف تو میرے نزدیک عید کے دن پورے حق سے اپنے بڑوں سے عید وصول کرنے کی روایت ایک ایسی روایت ہے جس کے بغیر عید نامکمل لگتی ہے، (آنٹر آل مابدولت ابھی تک عیدی لینے والوں میں شمار ہوتی ہیں)

۲۔ عید کا کوئی خاص پکوان تو میں نہیں بناتی کہ فی الحال اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے تک کچن میں امی جان کی طرف سے میرا داخلہ ممنوع ہے اور دوسری بات میری دو بڑی بہنوں نے یہ ذمہ داری بخوبی اٹھا رکھی ہے، پھر بھی فراغت کے لمحے نصیب ہوتے ہیں میں چائنیز کھانے ضرور ٹرائی کرتی ہوں، میں رشین سلیڈ، اٹالین سیلڈ، مایونیز میکرونی سیلڈ، پاستہ، چکن شوربا، اسپگیٹی باربی کیو، براؤنز، جیسی چیزیں بنالیتی ہوں اور اسی قسم کی چیزوں کی فرمائش میرے بہن گھر والے ہی کرتے ہیں، تو یہاں میں اسپگیٹی باربی کیو کی ترکیب پیش کر رہی ہوں۔

اسپگیٹی باربی کیو

اشیاء

اسپگیٹی (نارمل کلڈ)	آدھا پیکٹ
چکن (بون لیس)	ایک پاؤ
سفید زیرہ	ایک چمچ
ثابت دھنیا	ایک چمچ
آئل	تین چمچ
گاجر (سلائس شیپ)	دو عدد
شملہ مرچ (چوپڈ)	ایک عدد بڑی
ہری پیاز کٹی ہوئی	ایک کپ
کیچپ	آدھ پاؤ
بلیک ساس	دو چمچ
چلی گارگ ساس	دو چمچ
سویا ساس	تین چمچ
چینی	حسب ضرورت

ترکیب

چکن میں دو کھانے کے چمچ گارک پیسٹ، ایک چمچ ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک حسب

ذائقہ، ایک لیمن جوس چمچ، ایک چمچ کالی مرچ، ایک چمچ باربی کیو ساس اور ایک چمچ وائٹ پیپر ڈال کر دو گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔
فرائنگ پین میں سفید زیرہ اور ثابت دھنیا ڈال کر بھون کر اسے کرش کر لیں، اس کے بعد کڑاہی آگ پر رکھیں، آئل ڈال کر تھوڑا سا گرم ہونے پر میری نیٹڈ چکن اس میں شامل کریں اور بھونیں، تھوڑا سا پکنے پر گاجر، شملہ مرچ، ہری پیاز، کیچپ، بلیک ساس، چلی گارلک ساس، سویا ساس اور چینی شامل کریں، چند منٹوں کے لئے ان چیزوں کو پکنے دیں پھر اس میں اسپگیٹھی شامل کر دیں (جو پہلے ہی ککڈ ہو گی) دو سے تین منٹ پکانے کے بعد آپ کی اسپگیٹھی باربی کیو تیار ہو گی، اسے ڈش میں نکالیں، ٹماٹر اور سلاد پتوں سے پریزنٹ کریں۔

۳۔ چاند دیکھ کر ہمیشہ بخیر و عافیت سال گزر جانے کی دعا مانگتی ہوں، ابھی تک کوئی ایسی نامکمل خواہش نہیں جس کے پورے ہونے کی دعا مانگوں، الحمدللہ خدا کا شکر ہے پھر بھی وطن عزیز کی ترقی اور امن و امان کے قیام کے لئے دعا گو ہوں۔

۴۔ خوبصورت اور خوشگوار واقعات کی بات کریں تو ایک واقعہ میں شیئر کروں گی کہ یہ ہے کہ پاپا لوگ ایک سال (تقریباً تین سال پہلے) عید نماز پڑھ کر آئے، ان کی عادت ہے وہ فرداً فرداً سب کو عید ملتے ہیں اور پھر ہم سب بچوں کے لئے اپنی جیب کا وزن ہلکا کرتے جاتے ہیں، ہوا یوں کہ میں نے پاپا کو دو بار عید مبارک کہہ دیا اور پاپا نے مجھے دونوں بار عیدی دے دی، مگر مجال ہے جو میں نے زبان کھولی ہو، میری تو ڈبل عید ہو گئی، البتہ اگلی شام میں نے سب کو اپنی استادی بتائی تو سبھی خاصے محظوظ ہوئے اور بقول بھائی تمہاری عیدی اگلے سال کی پیشگی چلی گئی اب آئندہ سال کے لئے منہ دھو رکھو، (وہ مجھ سے بھی بڑے استاد ہیں) اور اس کے بعد ایک لمبی بحث اور جیت، جی ہاں میری ہوئی۔

۵۔ ویسے تو تمام مصنفین ہی اچھا لکھتی ہیں تو میں سب کے ساتھ ہی عید گزارنا چاہوں گی رہی شخصیت کی بات تو میری پسندیدہ شخصیت محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ (مرحوم) ہیں، بحیثیت سیاستدان میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گی مگر بحیثیت عورت پاکستان کی تاریخ میں ان کا کردار مثالی ہے، بلاشبہ وہ دنیا بھر کی ذہین و فطین عورتوں میں سے ایک تھیں، وہ پاکستان کی واحد خاتون تھیں جنہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کے پینل میں ممبر شپ حاصل کی اور پاکستان میں وزارت بھی میرے خیال میں ہر عورت کو ایسا ہی روشن ضمیر، محنتی اور اپنے آپ میں قابل ہونا چاہیے جو تاریخ رقم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔
محترمہ کی اس کے علاوہ ہزاروں ایسی خوبیاں اور ریکارڈ ہیں جن پر میں ایک کتاب لکھ سکتی ہوں، بہر حال دریا کے کوزے میں بند کرتے ہوئے میں کہوں گی وہ پاکستان و قوم کے لئے ایک اعزاز ہیں اور ان کا نام ہمیشہ تاریخ میں صفحہ روشن کی طرح جگمگاتا رہے گا انشاءاللہ۔

۶۔ چھٹا سوال خاصا الجھا ہوا ہے، آدھا گھنٹہ تو مجھے سمجھ نہیں آیا کہ فوزیہ آپی نے پوچھا کیا ہے دماغ کے ذہین ترین گھوڑے فوراً دوڑائے مگر وہ خالی ہاتھ واپس آ کر براجمان ہو گئے، ان کی ناکامی کے بعد مجھے خود دوڑ لگانی پڑی، آپی سے پوچھا تو دو تین صلواتیں سننے کے بعد انہوں نے مطلب بتایا اور میں تو سن کر (لال، نیلی، پیلی سب کچھ ہو گئی)
ہاں جی سنجیدگی سے جواب دوں تو گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے میں ابھی تک اپنے بچپنے سے ہی نہیں نکل پائی، دوسرا میرے گھر والے مجھے ابھی تک بچوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتے ہیں (اب آپ مجھے بوڑھی عورت دادی مت سمجھ لیجئے گا) تو کبھی اس پہلو پر سوچا ہی نہیں، فوزیہ آپی کی تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے میری توجہ اس جانب مبذول کروائی اور میں بھی اس مطلق کچھ سوچ پائی۔
دراصل میں بہت اسٹڈی کانشس ہوں ایگزامز کے بعد بھی مجھے خواب میں پیپر ورق کے مارکس نظر آ رہے ہوتے ہیں، تو اس طرف کبھی غور کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی، شاعری کا مجھے کوئی خاص شغف نہیں تو شعر کے لئے معذرت البتہ جملہ میں کہنا چاہوں گی کہ۔
''میں بہت حساس ہوں اور چاہتی ہوں کہ جو کوئی بھی نصیب میں ہے میری حساسیت کو سب سے پہلے اور اسی شدت سے محسوس کریں جیسے میں کرتی ہوں۔''
بس جملہ ختم ہو گیا ہے قارئین اب آگے بڑھیں آخر میں تمام قارئین، مصنفین، حنا اسٹاف اور اسپیشلی فوزیہ آپی کو میری طرف سے پیشگی رمضان المبارک اور عید مبارک خدا ہم سب کو نیکی اور بھلائی کی توفیق عطا فرمائے کہ بے شک یہی دلی سکون اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہیں آمین، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

ثمینہ بٹ............لاہور

۱۔ عید تو نام ہی خوشیوں کا ہے، مسرتوں کا، روٹھوں کو منانے کا، بچھڑے ہوؤں سے ملنے ملانے کا، ویسے تو عید کا صحیح لطف بچپن میں ہی آتا ہے، بے فکری کا حسین دور، کوئی ذمہ داری نہ کوئی پرواہ مگر اب آج کے دور میں تو یہ کہنا بھی محال ہو گیا ہے، کیونکہ ''بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے'' سو آج کا بچپن وہ پرانا بچپن نہیں رہا اور اب تو ویسے بھی عید کا دن انتظار میں ہی گزر جاتا ہے، کبھی مہمانوں کا، تو کبھی ناراض حسینہ کی طرح روٹھی لائٹ کا، عید کا تہوار، مہندی، چوڑی، پھول، خوشبو کے بغیر نامکمل لگتا ہے، پہلے خود اہتمام سے پہنتی تھی، اب بیٹیوں کے لئے اہتمام کرتی ہوں، کیونکہ عید پر بیٹیاں سجی سنوری بہت پیاری لگتی ہیں۔

۲۔ عید پر ویسے تو ہر گھر میں خصوصی پکوان بنتے ہی ہیں، ہر خاندان میں کچھ خاص پکوان اور خاص ذائقے تو ہوتے ہی ہیں، میری امی شیر خورمہ بہت اچھا بناتی ہیں، سب ان سے فرمائش کر کے ابھی بھی بنواتے ہیں اور میں لب شیریں مزے کا بناتی ہوں، جیسے سب بے حد پسند کرتے ہیں اور خاص موقعوں پر فرمائش کر کے بنواتے ہیں ترکیب حاضر خدمت ہے۔

لب شیریں

اشیاء	
دودھ	ایک لیٹر
چینی	تین سے چار کپ
اسٹرابیری جیلی	آدھا پیک

پائن اسپیشلی جیلی	آدھا پیک
بنانا جیلی	آدھا پیک
روح افزاء	میرنیٹ کے لئے
سیب	دوعدد
کیلے	دوعدد
کارن فلور	تین چمچ
فریش کریم	ایک پیک
بادام کشمش	حسب ضرورت

ترکیب

دودھ میں چینی ڈال کر بوائل کرلیں، ابلنے لگے تو کارن فلور کی پیسٹ ڈال کر گاڑھا کسٹرڈ بنالیں، پھر اسے روم ٹمپریچر پر ٹھنڈا کرلیں، پھر آدھ گھنٹے کے لئے فریج میں رکھیں، پھر اس میں سیب کدوکش کرکے ملائیں، کیلے باریک تکلے اور جیلی کے کیوبز کاٹ کر ڈالیں اور اچھی طرح ملالیں، آخر میں کریم پھینٹ کر ڈالی، کشمش بادام، پستہ ڈال کر ملائیں، پھر ڈش میں ڈالیں، روح افزاء سے گارنش کر کے خوب ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

اوراس کے علاوہ انارکلی بریانی، کی بھی خاصی فرمائش ہوتی ہے مگر میٹھی عید کے لئے ٹھنڈی میٹھی ڈش ہی کافی ہے۔

۳۔ اب تو عرصہ ہوا ان بلند و بنگ عمارتوں اور تیز رفتار، زندگی نے چاند دیکھنے کی روایت کا حسن ہی فنا کر ڈالا اور پھر ویسے بھی جو ہر سال رویت ہلال اور پشاور کے علماء کے درمیان جو پھڈا کھڑا ہوا جاتا ہے اس کے بعد صرف ٹی وی پر ہی اعلان سن لیا جاتا ہے، مگر پھر بھی اعلان سن کر بے ساختہ لبوں پر دعا مچل جاتی ہے

خدا کرے میرے ارض پاک پر اترے

وہ فصل گل جسے اندیشہ زاول نہ ہو اور یہ کہ

اب میری لغزش تو بچوں کے سر نہ جائے

جو کچھ بھی گزرنی ہے مجھ پر ہی گزر جائے

کچھ پیاسی زمینوں کو تو سیراب کر جائے

پھر ابر کی مرضی ہے ٹھہرے کہ گزر جائے

۴۔ نہیں کوئی خاص نہیں، جو اپنے ہوتے ہیں دل کے قریب ہوتے ہیں، ان کے پیغام ان کے فون تو خوشیوں میں رنگ بھر ہی دیتے ہیں تو جیسے جیسے سب کو ٹائم ملتا جاتا ہے کالز آتی جاتی ہیں اور ہم خوش ہوتے رہتے ہیں۔

۵۔ پسندیدہ مصنف اور مصنفات تو بہت زیادہ ہیں، بڑی لمبی فہرست ہے جناب، اب ایک شخصیت کو کیسے چنوں بھلا، بڑا مشکل ہے، لہٰذا میں اپنی عید اپنی فیملی کے ساتھ ہی گزارنا پسند کرونگی، ہاں جب تک اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ابو جی حیات تھے تو ان کے ساتھ عید گزارنے کا الگ ہی مزہ آتا تھا۔

۶۔

دیکھ کر ہلال عید کو جو مسکراتے تھے

اب وہ چاند چہرے ڈھونڈے سے نہیں ملتے

اور

عید کے چاند کا پیغام یہی ہے یارو

کہ ہر اک دل میں محبت کی کرن جاگ اٹھے

اُم مریم..........جڑانوالہ

۱۔ عید منانے کا ایک ہی طریقہ ہے، مسکراہٹ، بچپن میں تو خوب جوش و خروش تھا، اشتیاق بھی تھا، اب اتنی ہی سادگی، انکساری کی کوشش، بس کوشش ہی رسم عید ملنے کی ہے، جو بابا سے امی سے بھائی بہنوں سے ملتی ہے (اللہ ان سب کو سلامت رکھے صحت مند رکھے آمین)

۲۔ اب اس پہ میں کیا جواب دوں؟ کچھ پکایا ہو کبھی تو کوئی فرمائش بھی کرے ہاں چائے، سب پسند کرتے ہیں میرے ہاتھ کی اور مشہور بھی ہے خاندان بھر میں، البتہ عید کے دن تو کوئی فرمائش نہیں کرتا خاص طور پر بابا کے لئے بناتی ہوں، امی کہہ کر بنواتی ہیں، (اللہ پاک ان ک سائے رحمت ہماروں سروں پہ سلامت رکھے آمین، چائے کی ترکیب لکھوں؟ دودھ کو چولہے پر چڑھا کر پتی اور چینی ڈال دیں، خوب جوش آنے پہ رنگت اور ذائقہ لاجواب محسوس کرکے اتار کر مگوں میں ڈال کر پیش کریں۔

۳۔ دونوں دعائیں لاتعداد، بے شمار، جو مانگتی بھی ہوں اللہ سے۔

۴۔ اگر ہوا بھی ہے تو یاد نہیں، ہاں عید کے دن مجھ سدرہ سحر عمران نے کال کی تھی، تو مجھے بہت اچھا لگا تھا اک اور واقعہ بھی منسوب ہے اس خاص ن سے جو پہلے آپ سے شیئر کر چکی ہوں۔

۵۔ یہ اصل اور پیارا سوال ہے، جس نے مجھے جوابات لکھنے پر اکسایا، جی جناب میں عمیرہ احمد، رفعت ناسعید سجاد کے ساتھ عید کا دن گزارنا چاہوں گی یا پھر اگر شازیہ چوہدری زندہ ہوتیں تو ان کے ساتھ، مجھے یہ تینوں مصنفات بہت بہت پسند ہیں، خاص طور پر عمیرہ آپی اپنی نیچر کی وجہ سے، رفعت آپی اپنی بے حد کیئرنگ اسٹائل کی وجہ سے، شازیہ آپی اپنے بے حد رومینٹک ناولز کی وجہ سے اور اب تو مجھے سمیرا احمید بھی بہت اچھی لگنے لگی ہیں، اگر موقع ملے تو میں سمیرا سے بھی ملنا چاہوں گی، سمیرا جی آپ کو حنا میں خوش آمدید آپ کا ناول "طلسم مردار" پڑھا اور لاجواب بے مثال میں گنگ تھی، مبہوت تھی کیا کہوں، سوائے اس کے کہ، آپ قلم کا حق ادا کرنا جانتی ہیں معیار کے جس درجے پر آپ کا آغاز ہوا ہے اللہ نے چاہا تو بہت آگے جائیں گی، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، اتنے گمبھیر موضوعات اور ایسی مضبوط گرفت، ایسا گہرا مشاہدہ اور اس قدر خوبصورت انداز بیان، میری اک بہت خراب عادت ہے، میں ڈائجسٹ میں ہر کسی کو نہیں پڑھتی، آپ کا نام نظر سے گزرتا تھا، مگر میں نے بہت لاپرواہی برتی اور جب پڑھا، جتنا پڑھا، بہت خوب، بہت ہی شاندار، لیکن پلیز صرف تلخ نہ لکھیں، بہت تلخ لکھتی ہیں اس کے باوجود بے مثال ہے تو اگر آپ ہلکا پھلکا لکھیں گی تو دھوم مچا دیں گی۔

۶۔ خوبصورت جملہ تو کوئی نہیں، ہاں کچھ اشعار ہیں، جو میری دوست مجھے اکثر سنایا کرتی تھی، حالانکہ تب میں بہت چھوٹی تھی اور سر سے گزر جاتے تھے مگر آج سمجھ پائی ہوں تو پیارے لگتے ہیں۔

وہ میرا ہو جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو

عمر بھر ساتھ رہنے کا عزم وفا رکھتا ہو

اس کے ساتھ اجازت اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک ہمیں ماہ صیام کے روزے رکھنے اس کی برکتیں سمیٹنے اور اس کا احترام کرنے اور اسے خوش کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے، آمین، میرے امی، بابا، بھائی، بہنیں اور ان کے بچے اور ہمارا ملک ہمیشہ قائم رہیں، سلامت رہیں، امن و سکون کے ساتھ آمین، خوش

رہیے، خوشیوں کو بانٹیے اور مریم کو دعاؤں
میں شامل رکھیے گا۔

ثوبیہ نورالعین رائے ....اوکاڑہ

۱۔ عید الفطر ایک خاص تہوار ہے اس لئے یقیناً
یہ خاص انداز ہی سے منایا جاتا ہے اس دن
نئے کپڑے پہنتے ہیں ہاتھوں میں چوڑیاں
مہندی لگائی جاتی ہے دوستوں کو عید کی
مبارکباد پہنچائی جاتی ہے رسم گاؤں کی بھلا
عید کے حوالے سے کیا رسم ہوگی پھر بھی بات
یہیں پر آگئی کہ رسمیں عید کے حوالے سے
بچے ہی بناتے ہیں ہم بچوں کی رسم کو دیکھ
رسمیں یاد رکھ لیتے ہیں کہ کبھی ہم بھی بچے تھے
اور بہت سے امنگوں کے جگنو ہمارے ہاتھ
میں بھی ہوتے تھے مگر اب......؟ اب ہمارا
شمار بڑوں میں ہوتا ہے، بھئی بس میں اپنی
عزیز از جان دوست کو عید مبارک کہہ دوں
یہی میرے لئے خاص ہے ورنہ عید نامکمل ہو
گی میرے لئے۔

۲۔ دوسرے سوال پر میرے قلم کو جلدی ہے مجھے
کچھ خاص پکانا نہیں آتا اور مہمانوں کی
فرمائش کو کیسے پورا کروں لیکن آپ کا سوال
ہے جواب بھی تو ضرور ہونا چاہیے، اس لئے
ایک خاص پکوان لکھ رہی ہوں ٹرائی بھی کر
چکی ہوں آپ یقین کرو، پہلی دفعہ بنائی تھی
بات، انگلیاں چاٹنے تک جا پہنچی، (اپنے
منہ میاں مٹھو والی بات)
جی تو خاص پکوان حاضر ہے ضرور ٹرائی کریں
اور نور العین رائے کو دعا دیں ہے بھی سستا
پکوان۔

میٹھی بریانی

اشیاء

چاول	ایک کلو
گاجریں	ایک کلو
چینی	آدھا کلو
بادام وخشک میوہ جات	حسب منشاء
گھی	ایک پاؤ

ترکیب

سب سے پہلے چاول ابالیں اس کے بعد
گاجریں کش کر کے ابالیں اب ابلے ہوئے چاول
اور ابلی ہوئی گاجریں دونوں کو اچھی طرح مکس کر
لیں۔

تھوڑے سے پانی میں اب چینی ڈال دیں
اور ہلکی آنچ پر مٹھاس بنالیں اور پھر گھی ڈال دیں
جب مٹھاس نرم نرم ہو جائے تو خشک میوہ جاتا
ڈال لیں، ایک منٹ کے بعد ابلے ہوئے چاول
اور گاجریں اس میں ڈال دیں اور اچھی طرح مکس
کر کے دم دے دیں آنچ اور ہلکی رکھیں دس یا
پندرہ منٹ بعد مطلوبہ ڈش تیار ہو جائے گی کسی
ڈش میں نکالیں اور اپنے مہمانوں کو پیش کریں۔
پلیز ٹرائی کر کے ضرور بتایئے گا اس ترکیب کا
نام میں نے ہی رکھا ہے میٹھی بریانی۔

۳۔ چاند کو دیکھ کر مجھے دعا بھی یاد آتی ہے اور
چاند چہرہ بھی اس چاند چہرے کے لئے چاند
کو دیکھ ضرور دعا کرتی ہوں (چاند دیکھ کر
اکثر دعا کرتی ہوں کہ یا اللہ ہم سب
مسلمانوں پر رحم فرما اور یہ چاند خوشیوں کا
پیامبر بن کر آیا ہو اور کہیں سے کوئی دل دہلا
دینے والی خبر سننے کو نہ ملے اور پاکستان کے
لئے میں زیادہ دعا کرتی ہوں اور چاند چہرہ
یاد آتا ہے مگر وہ دنیا کی بھول بھلیوں میں کھو
چکا ہے چاند چہرہ نہ جانے کب لوٹ کے
آئے۔

۴۔ کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جو خوشی کو
اچانک دوبالا کر دیتے میری زندگی میں بھی

ایک ایسا لمحہ ہے کہ ابھی تک یاد آئے تو لبوں
پر خوبصورت سی مسکان ٹھہر جاتی ہے کہ مجھے
عیدی ملی تھی کسی خاص ہستی سے ایک خاص
انداز سے، ایک دوست نے عید سے ایک
دن پہلے کہا کہ میں تجھے مہندی لگاؤں مگر میں
نے نہیں لگوائی وہ کھڑی ہوئی غصے سے چیئر کو
ٹھوکر ماری واپسی کے لئے مڑی پیچھے سے
آتی عینی نے جس کے ہاتھوں پر مہندی تھی
اس کا ہاتھ اس کے منہ پر لگا مہندی خود ہی
لگ گئی خوب صورت ڈیزائن بن گیا، پھر
پورے روم میں باجی ثوبیہ، باجی، عائشہ،
عینی، منیبہ، مبینہ، فائزہ نبیلہ اور میرے قہقہے
تھے انس بھائی اور آپی عائشہ کا برا حال تھا
ہنس ہنس کر یہ عید دو تین سال پرانی ہے
میں ان بچھڑے دوستوں کو بہت مس کرتی
ہوں خاص کر عینی آپی عائشہ آپی ثوبیہ، نبیلہ،
انس بھائی، بھائی شیخ کاشف علی، ان دن شیخ
کاشف علی، یہ لمحہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔
تمام دوستوں کو مسز رفعت و دیگر فیملی عید مبارک
حنا کی پوری ٹیم کو اور رائیٹرز اینڈ ریڈرز کو عید
مبارک پوری دنیا کے مسلمانوں کو عید
مبارک۔

۵۔ مجھے علامہ اقبال اور قائد اعظم کے ساتھ عید
منانے دی جائے اور پھر میری دعا ہو گی کہ
یہ عید کا دن ختم ہی نہ ہو صدیوں پر محیط ہو
جائے علامہ اقبال سے میں بہت سا علم شاعری
جیسا اعلیٰ فن لے لوں گی اور قائد اعظم محمد علی
جناح سے میں ڈھیر ساری ذہانت لے لوں
گی ان دونوں شخصیات سے مل کر مجھے بہت
اچھا لگے گا اب میری خواہش ہے کہ میں
(چچا قمر زمان کائرہ سے ملوں)
ابویں دا چاچا ہے) اپنی ٹیچر مسز رفعت شفیق
اور ثمین کے ساتھ عید گزارنا چاہوں گی۔

۶۔ مسکراہٹ آگئی لبوں پر اس سوال کا جواب
کیا لکھوں مشکل ہوگئی ہے۔
سپنوں کا چاند......؟
وہ بہت مضبوط کردار کا ہو ہر رشتے کے حق کو
جانتا ہو ہر رشتے کے لئے اس کے دل میں
احترام ہو ہر برائی سے دور ہو پرفیکٹ
پرسنیلٹی کا مالک ہو مضبوط اعصاب کا مالک
ہو ہاں ذرا غصے کا تیز ہو سخت مزاج ہو اونچا
لمبا قد ہو، ویل ایجوکیٹڈ ہو ویل ڈریسڈ،
ویل مینرڈ، ویل فیئر اور ویل ویل ویل......
شعر بھی کہے دیتے ہیں۔

اپنے کردار کو موسم سے بچائے رکھنا
لوٹ کر واپس نہیں آتی پھول میں خوشبو

جو لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں ان کی قدر
کرنا سیکھیں ان کو دکھ نہ دیں کہیں ایسا نہ ہو
وہ محبت آپ کے دکھوں تلے بے بسی کے
روپ میں بدل جائے اور غم کی تہہ سخت ہو
جائے محبت سے اپنا آپ منوانا سیکھیں محبت
تو پاکیزگی سے مشروط ہے محبت آسمانی تحفہ
ہے اسے ہر رشتے میں اہمیت دیں کہ محبت
اپنی توہین نہیں بھولتی۔
اینڈ پر اپنی پیاری سی سویٹ سی مما کے لئے
میرے لاڈ، پیار کی داستاں بس اک ہستی
کے گرد گھومتی ہے پیار جنت سے مجھے ہے
اس لئے کہ یہ میری ماں کے قدم چومتی
ہے۔

فرزانہ سرور افراح.............میاں چنوں

۱۔ واؤ کتنا انٹرسٹنگ کوئچن ہے میں عید کیسے
مناتی ہوں، تو بھئی بالکل ایسے ہی جیسے سب
لوگ مناتے ہیں، عید کا دن بہت سی
خوشیوں، امنگوں، مسرتوں اور خواہشوں

سے بھرپور گزرتا ہے، کبھی کسی ماموں، آنٹی، تو کبھی چاچو، پھپھو کے گھر تو کبھی دوستوں کے گھر جانے کو من کرتا ہے، کبھی کھانا پینا تو کبھی گپیں لڑاتے ہوئے، جیولری، کپڑے، جوتے یہ سب عید کے رنگوں میں بھرپور رنگ بھرتے ہیں جہاں تک رسم کی بات ہے تو وہ عیدی ہے عیدی نہ ملے تو عید نامکمل لگتی ہے، ہم سے تو صبر نہیں ہوتا میں تو کہہ دیتی ہوں مجھے عیدی چاہیے ورنہ عید کینسل تو بڑوں کو دینی ہی پڑتی ہے یہ رسم نہ ہوتی تو عید نامکمل لگتی، روایت جو صدیوں سے چلی آرہی ہے جیسا کہ میں بتا چکی ہوں فرینڈ اور رشتہ داروں کے گھر نہ جائیں یا وہ ہمارے گھر نہ آئیں تو عید نامکمل لگتی ہے، لیکن ایسا کبھی ہوا نہیں۔

۲۔ عید کا کوئی خاص پکوان ایک ہو تو بتائیں مجھے تو اس موقع پر ہر پکوان خاص لگتا ہے، گھر والے تو بہت سی فرمائشیں کرتے ہیں، امی کو پوری بھی کرنا پڑتی ہیں، ہماری موم سپر موم ہیں، مہمان نے آج تک تو کوئی خاص فرمائش نہیں کی جو ڈشیں بنی ہوتی ہیں، وہی خوش، شوق سے کھا لیتے ہیں اب کس کس کی ترکیب لکھوں سمجھ میں نہیں آرہا، سویاں تو گھر والے فرمائش سے ہی بنواتے ہیں وہ بھی امی کے ہاتھ کی۔

خوشبوئی سویاں

اشیاء

سویاں	ایک پیکٹ
چینی	ایک کپ
گھی	دو چمچ
الائچی	چار عدد
کشمش	چودہ عدد
بادام پستہ پسے ہوئے	دو چمچ
کھویا پکا ہوا	ایک کپ
دودھ ابلا ہوا	ایک کلو

ترکیب

سویوں کو پہلے اچھی طرح گھی میں بھونیں جب ہلکی براؤن ہونے لگے تو اس میں دودھ، چینی اور باقی کے تمام اجزاء ڈال دیں، دھیرے دھیرے کفگیر ہلاتی جائیں جب سویوں میں تمام اجزاء مکس ہو جائیں اور کھوئے کی خوشبو آنے لگے تو ڈش نکال کر ایک گھنٹہ فرج میں رکھیں، پھر نوش فرمائیں۔

۳۔ چاند کو دیکھ کر مجھے ایک ہی دعا یاد آتی ہے جو ہمارے ابو ہمیں دیا کرتے تھے، اللہ ہماری بیٹی کو ہر قدم پر آسانیاں عطا فرمائے، اب وہ تو نہیں ہیں مگر جب بھی چاند دیکھوں تو یہی دعا یاد آتی ہے، رہی چاند سا چہرہ کی بات تو وہ ہم چاند کے اندر اکثر دیکھتے ہیں نہ بھولتے ہیں نہ یاد کرنا پڑتا ہے، اس کے لئے شعر عرض ہے۔

آسماں پر تو چاند چمکتا ہے مگر
میری آنکھوں میں تو اک چاند سا چہرہ بستا ہے

۴۔ عید سے قبل ہماری کزن عطیہ سحر ہمیں اچانک چھت پر چڑھ کر کہتی تھی عید مبارک فری عید کا چاند نظر آگیا تو میں منہ پھلا کر کہتی آپی میں ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ پہلے میں آپ کو کہوں گی، تو وہ مسکرا کر کہتی تم نا بس سوچتی رہا کرو اچھی بات ہے کہنا بھی نہ، اب ہم آپی سے دور دوسرے شہر میں آگئے ہیں تو آپی فون کر کہ سرپرائز کر دیتی ہے، مہوش اس نے تو ہمیں رمضان کہ شروع میں ہی میسج کر کہ عید مبارک کہہ دیا ہے ہماری کلاس فیلوز، اقراء ظفر اقبال، شفق جاوید اور بشریٰ

جمیل ان تینوں نے بھی کئی بار سرپرائز دیا ہے اچانک ہمارے گھر آ کر وہ بھی تلمبہ میں رہتی ہیں مجھ سے دور۔

۵۔ میری پسندیدہ مصنف تو سمیرا شریف طور ہے ان کے ساتھ ہی عید کا دن گزارنا چاہوں گی، جہاں تک شخصیت کی بات ہے تو وہ فل حال ممکن نہیں اس کے لئے اتنا کہوں گی۔

چاہ ہی رہ گئی کہ گزاریں تیرے ساتھ کچھ پل
ہے راز کی بات پر آج کہہ دیتی ہوں کہ وہ توں ہی تو ہے

۶۔ اپنے سپنوں کے چاند کے لئے جو میں کہنا چاہتی ہوں شاید ہی کہہ پاؤں گی تو؟

تم چلے آؤ کہ ہماری نظر تمہیں ڈھونڈتی ہے
تم کب آؤ گے یہ عید ادھوری ہم سے پوچھتی ہے
تم ٹھہرے دیس پرائے نہ مجھے یاد کرو نہ میری فریاد کرو
مگر میرے اندر جو لڑکی رہتی ہے وہ تمہیں سوچتی ہے۔

مصباح نوشین..........ٹوبہ ٹیک سنگھ

۱۔ آپ کے اس سوال نے مجھے بچپن کی عید، پھر لڑکپن کی مستی اور جوانی کی سرخوشی و سرمستی والی کیف آگیں عید یاد دلا دی، میری زندگی کی ہر عید بہت پر مسرت اور جوش و خروش کے ساتھ گزری ہے لیکن شادی سے پہلے کی اب...... اف ذمہ داریاں اور اس روز مہمانوں کی آمد و رفت اور ان کی خاطر مدارت گو کہ خوشی کا گہرا اور بے پایاں احساس ملتا ہے مگر تھکاوٹ حد سے سوا ہو جاتی ہے، شادی سے پہلے خود بن ٹھن کے سب کے گھروں میں عیدی بٹورنے اور عید ملنے جایا کرتے تھے اب سب لوگ خود ملنے کے لئے آتے ہیں شادی کو چار سال گزر چکے ہیں اب بھتیجوں بھتیجیوں کو عیدی دے کر مزہ آتا ہے کہ دینے کا مزہ بھی انوکھا ہی ہے ہاں لینے کے نشے سے تھوڑا کم، خیر عید کے روز اسوہ اور حذیفہ کو میں سب سے الگ اور خوبصورت دیکھنا چاہتی ہوتی ہوں سو ان کے دل لگا کر کی گئی شاپنگ عید کے روز انہیں سجا سنورا دیکھ کے بہت خوشی اور سکون کا احساس ملتا ہے، خصوصاً میں اسوہ کی تیاری میں کوئی کمی نہیں چھوڑتی اس کی ہیئر پن سے لے کر پرس اور سینڈل تک میچنگ ہوتے ہیں سوٹ کے ساتھ، حالانکہ وہ صرف تین سال کی ہے مگر میری بھابھیاں اور نندیں اسوہ کی ڈریسنگ کی بہت تعریف کرتی ہیں میرا حذیفہ خان بھی کسی سے کم نہیں سوٹ کے ساتھ ہمرنگ شوز اور بلیک گلاسز لگا کر خود کو ہیرو سمجھ رہے ہوتے ہیں موصوف کی عمر فقط دو سال ہے، ناشتے میں عموماً ہمارے ہاں میٹھا چلتا ہے جو کہ امی بنا کر بھیجتی ہیں اس کے بعد میاں جانی کی تیاری کروا کر خود غسل کر کے کپڑے بدل کر نماز عید کے لئے جاتی ہوں پھر ڈھیروں ڈھیر سب کی سلامتی و خیریت کی رو رو کر دعائیں بھی مانگتی ہوں، ہاں ایسی کوئی رسم نہیں جس کے بنا پر عید نامکمل لگتی ہو، باقی مہندی، چوڑیاں، میک اپ اچھے لباس وغیرہ تو لازمی جزو ہے عید کے دن کا۔

۲۔ ویسے تو میں جو بھی بنا دوں سب ہی پسند کیا جاتا ہے مگر میرے ہاتھ کی بریانی، چکن پلاؤ، چکن پکوڑے، چلی چکن اور چکن فرائیڈ رائس بہت زیادہ پسند کیے جاتے ہیں اور ان کی ترکیب تو عموماً سب کو ہی اچھی طرح سے آتی ہے ہاں میرا بنایا روسٹ بھی کمال کا ہوتا ہے۔

۳۔ چاند دیکھ کر کوئی ایک دعا تھوڑی یاد آتی ہے

سینکڑوں آتی ہیں اور میں مانگتی بھی ہوں ان لوگوں کے لئے بھی جو کبھی بر سبیل تذکرہ بھی مجھے اپنے لئے دعا کا کہہ دیں، ہاں چاند چہرہ ایک ہی یاد آیا کرتا تھا وہ بھی شادی سے پہلے اب وہ چاند الحمدللہ ہر وقت میرے ساتھ موجود ہے اور دعا ہے کہ ساری زندگی میرے ساتھ ہی رہے کہ اس کے بغیر میرا وجود میرا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔

۴۔ ہماری شادی سے قبل عید سے چند روز پہلے غیر متوقع طور پر آناً فاناً میری کسی ہیروئن کی طرح منگنی کر دی گئی تھی بلکہ میری تو شادی بھی یونہی بیٹھے بٹھائے اچانک کر دی گئی تھی، منگنی کے بعد میرے میاں ہمارے گھر پہلی دفعہ عید ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے اور اس روز میں نے انہیں چھپ چھپ کر دیکھنے کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے تھے مگر انہوں نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا اپنے اردگرد ...... ہک ہا...... انعم منعم (میری ملتان میں مقیم کزنز جن کے بغیر ہماری عیدیں ادھوری تھیں) نے میرے ہزبینڈ کا شاندار انٹرویو کیا تھا اور مجھے بتانے کے لئے ڈھیر ساری معلومات اپنے مطلب پورے کروانے کے بعد ان کمینوں نے مطلب کی بات بتائی تھی، (بھئی اس انٹرویو میں انہوں نے اقرار کیا تھا کہ کیسے وہ ہماری ایک نظر سے گھائل ہوئے تھے آہم آہم) ہماری شادی کے بعد پہلی عید اور دوسری بے حد شاندار گزری ہم امی کے گھر دعوت کے لئے جاتے تھے مگر اب ایسا نہیں کیونکہ امی بیمار رہتی ہیں اور مہرین باجی کی شادی ہو چکی ہے ہاں فون، میسج تو لاتعداد آتے ہیں اس روز۔

۵۔ پسندیدہ مصنفات کی بھی ایک لسٹ ہی ہے بہرحال اپنی دوست رائٹرز کے گھر ہی جانا چاہوں گی کہ جن سے اچھی سلام دعا ہے اور میں شاید نمرہ احمد کے ساتھ نارمل طور پر عید مناؤں ہاں فوزیہ شفیق اور مہرین رحیم سے بھی ضرور ملوں گی اس دن...... انہیں اپنے ہاتھ سے مہندی لگاؤں اور چوڑیاں پہناؤں۔

۶۔ سپنوں کا چاند اب زندگی کا چاند ہے اور مکمل روشن اور آسودگی بخش رہا ہے الحمدللہ، میری زندگی میں کسی بھی لحاظ سے کوئی کمی نہیں شادی کے چار سال کے عرصے میں انہوں نے مجھے بے تحاشا اعتماد، محبت اور عزت دی، میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں اور میں اکثر یہ دعا مانگتی ہوں کہ مجھے ان سے پہلے موت آئے کہ میرے جنازے کو کندھا دیں مجھے میری آخری آرام گاہ میں وہ خود اتاریں اور اللہ تعالیٰ انہیں بے تحاشا خوشیاں صحت اور تندرستی کے ساتھ دکھائے آمین ثم آمین۔
خوبصورت جملہ یہی ہے کہ اس دنیا میں شاید سب سے زیادہ میں ان سے محبت کرتی ہوں میری محبتیں، خدمتیں وفائیں سب کی سب ان کے نام اور اللہ کرے ہمارے درمیان یونہی محبت و یگانگت کا رشتہ قائم رہے اور کسی کی بھی نظر بد کا سایہ ہمارے ساتھ پر نہ پڑے، آپ بھی میرے لئے دعا کیا کریں پلیز، آمین ثم آمین۔

☆☆☆

فوزیہ غزل

انتیسویں قسط کا خلاصہ

بے تحاشا صدمہ حیرت اور دکھ کی زیادتی سے سن اریبہ کو طیبہ دمساز و ناصح کی مانند ہمدردی سے زندگی سے ہارنے کا نہیں جیتنے کا درس دیتی ہے، مفلسی کا احساس اور بے تحاشا دولت نہ ہونے کا غم اریبہ کو وہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے جو بھلے حالات میں وہ کبھی نہ کرتی۔

ماریا، فاطمہ سے عقیدہ توحید پہ بات کرتی ہے تو ماریا کا احساس تلاش خام محسوس کر کے فاطمہ اسے توحید، عمل، یقین اور مقام رضا پہ دلائل، مثالوں اور اعتماد و رسان سے تفصیلی وضاحت دیتی ہے۔

نارسائی، افسردگی، رقابت کی ان دیکھی آگ میں سلگتا شہریار سعیہ سے تلخ کلامی کر جاتا ہے، خفت اور غم و غصہ میں سعیہ کچھ بولے بنا روئے جاتی ہے، فاطمہ نے ماریا کو مفکرین اسلام کی لکھی کتابیں دیں، تاکہ انہیں پڑھ کر وہ اسلام کے متعلق حقیقی معلومات پا سکے، کیونکہ مغربی اسلام دشمن مصنفین کی تحریروں کے مطابق وہ اسلام کو تعصب و تنگ نظر مذہب سمجھتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

تیسویں قسط

کبھی کبھی وہ سب اپنا خیال لگتا ہے
وہ میرا ہے یا نہیں الجھا سوال لگتا ہے
میں وفا کرکے بھی گمنامیوں میں ہوں
وہ بیوفا ہے مگر بے مثال لگتا ہے

کیا تھا وہ شخص، کیسا رویہ رکھتا تھا اس کے ساتھ......؟ کس ماہرانہ طریقے سے داؤ پیچ کھیلتا تھا کہ وقت، حالات، موسم یا گفتگو کچھ بھی اس کے حق میں نہیں رہتا تھا، وہ صرف سمجھوتہ کرکے آئی تھی، فکروں، پریشانیوں کا اس نے بہت سے رشتے بچانے کو خود کو مصلحتوں کا پابند کیا تھا، مگر شہریار صرف اپنے قاعدے اصول لاگو کرنے والا صرف اپنی منوانے والا اور فیصلہ صادر کرنے والا بندہ تھا، ایسے شخص جسے کسی دوسرے کی فکر تھی نہ پروا اور اس تعلق کو لے کر اس نے کتنے جھوٹ بولے تھے سب سے، کیسے رواداریوں میں گوندھے ہوئے جواب دیتی تھی، جبکہ وہ خوشی کا مفہوم تک بھول چکی تھی، پھر بھی اس شخص کے تیور ساتویں آسمان پر رہتے تھے، سعیہ کو لگتا تھا زندگی جینے اور اس شخص کو اپنا بنانے کی ساری کوشش، محنت فضول تھی، ساری ہمتیں بے کار تھیں، پتا نہیں وہ شخص اس رشتے کو نباہنا بھی چاہتا تھا کہ نہیں یا محض اس کے اعصاب چٹخا رہا تھا، برداشت آزما رہا تھا۔

جتنا وہ یہ احساس دلانے کی کوشش کرتی کہ زندگی، رشتوں یا انسان کی کیا خوبصورتی اور قدر ہے وہ اسے اسی قدر منفی لیتا تھا، شہریار کو اپنے ہم سفر کے طور پر لیتے ہوئے وہ غصہ برداشت کرتی ہر حال میں خوش رہنے کا ناٹک رچاتی، ناانصافیوں پہ دکھ چھپاتی جیتی تھی تو یہ سوچ کر کہ بعض اوقات سمجھوتے بھی زندگی کو آسان بنا دیتے ہیں اور ایک دن تو شہریار کو اپنی دہٹ دھرمی اور مغروریت کا احساس ہونا تھا مگر نہیں وہ غلط تھی۔

سعیہ کے اک احتجاجی انکار نے شہریار کے ذہن میں جو بگاڑ پیدا کیا تھا اسے سدھارنا اتنا آسان نہ تھا، وہ اسے اپنی جھونک، غصہ اور ضد میں جانے کیا کیا کہتی آئی تھی اور شہریار نے اس کے بیوقوفی میں کہے گئے الفاظ سے کیا معانی و مطلب اخذ کیے تھے یہ سوچتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دھواں سا بھر رہا تھا، وہ بہت موڈی لڑکی تھی اور اسی موڈ کے کارنامے تھے کہ ہمیشہ وہ ہی ہوتا تھا جس سے وہ بچنے کی کوشش کرتی، شہریار اور اپنے سلسلے کو لیتے ہوئے صورتحال شروع سے اس کے اختیار میں نہیں رہی تھی، وہ ہر موڑ پر خود کو حالات کے سامنے بے بس پاتی تھی اور آج جو ہوا تھا وہ درد، دکھ ہر بار سے زیادہ تھا اور ملال بھی دوچند تھا، کتنا غرور، تمکنت اور نسوانی وقار تھا سعیہ کے اندر مگر شہریار کے اک فقرے نے سارا کچھ مٹی کر دیا، بھرم، اعتبار، کردار سب گدلے ہو رہے تھے۔

"کیا اس لمحے کی بے اعتباری کے ساتھ میں زندگی کو فیس کر سکوں گی، شہریار کے سامنے سر اٹھا کر کھڑی ہو سکوں گی اور پتا نہیں صورتحال بہتر ہوتا تھی کہ مزید مخدوش اور میری قسمت میں اس بے مہر شخص سے محبت کرنا لکھا تھا؟" اس نے بے اختیار ہو کر گھٹنوں میں سر دے لیا اس نے لحظہ بہ لحظہ پگھلتے ہوئے خود کو سنبھالنا چاہا مگر دل بار بار انہی لمحات کا اسیر ہوا جاتا تھا جب اس کی آنکھوں میں جھانکتے شانوں کو تھامتے ہوئے شہریار نے اسے دیکھا تھا وہ نگاہوں سے چھلکتی نامانوس سی کیفیت کہ جس سے وجود موم بن کر پگھلنے کو تھا اور کلائی پر سرسراتا اک بلاارادہ لمس، جیسے ساری دنیا اسی لمحے میں سمٹ آئی تھی اور اس لمحے کی انجان ساعتوں میں خود کو ٹٹولتے ہوئے اپنی کیفیت جانچی تو ششدر تھی وہ محبت وہ بھی اس بندے سے جو شوہر ہو کر ایک کمرے میں رہتے ہوئے التفات کی اک نگاہ ڈالنا گوارہ نہ کرتا تھا اور وہ تصور میں بھی اس سے وابستہ اک لمحے کو سوچتی شہریار کی نگاہیں اور ہاتھوں کے لمس سے پگھل رہی تھی، کیسا جادو اثر لمحہ تھا جو اس رشتے کا قانون فطرت سمجھا رہا تھا، شہریار اس کا شوہر تھا اور اس رشتے کے حوالہ سے اپنے ساتھ روا رکھی جانے والی بے لاتعلقی، سرد مہری اسے چبھتی تھی، اس کی بے رخی اور بے اعتنائی پل پل ستاتی تھی، اس کے اندر اٹھتی بے چینی ختم ہونے کے بجائے ان احساسات کو بڑھاوا دیتی تھی۔

اسے صبا یاد آ رہی تھی جس نے ایک بار اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ میاں بیوی کا رشتہ ایسا ہے جو ہر پل جوابی توجہ کا متقاضی رہتا ہے اور اس میں مقابل کی اک نگاہ التفات کے لئے سو سو جتن کیے جاتے ہیں۔

اس کے دل میں بھی اونچی نیچی لہریں موجزن تھیں اور دھیان کے سلسلے بار بار بے ربط ہوتے تھے، وہ فطری طور پر مائل ہو رہی تھی اور یہ کیفیت یہ بے بسی کا احساس کیسا شکستہ کر دینے والا تھا، کہ اس شکستگی کے بار تلے دبی وہ شہریار کو اس کے رویہ کو مارجن دینے پر مجبور تھی، اس کے بے اعتبار لہجہ و انداز کو وہ اپنے کسی فعل گزشتہ کا شاخسانہ سمجھ کر خود کو بہلا رہی تھی، باوجود اس کے کہ اس کی عزت نفس لہولہان تھی اور انا، غصہ اشتعال شدید تھا پھر بھی وہ چپ تھی مصلحتاً نہیں بلکہ شہریار کا رویہ و الفاظ اتنے غیر متوقع اور اچانک تھے کہ اس کے پاس کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں اور اس کی خاموشی نے شہریار کے شک جیسے پختہ کر دیا تھا، لمحوں میں بازی اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور اس پہ وہ جتنا بھی ماتم کرتی کم تھا، اب بھی رات کے پچھلے پہر وہ رو رہی تھی، الجھ رہی تھی، سوچ رہی تھی کہ آخر شہریار نے یہ سب کیوں کہا، وہ اتنا بدگمان کیسے ہوا کہ کیا وہ محض اس کی بے چارگی و بے بسی کا تماشہ لگانا چاہتا ہے، اسے کسی اور میں انوالوڈ سمجھ کر، بتا کر اس کے ساتھ کچھ اور برا کرنا چاہتا ہے یا یہ بھی اسے مزید کمزور کرنے کی کوئی چال ہے۔

اس نکتے پہ آکے اس کا ذہن جواب دے جاتا سوچتا دماغ تھک جاتا اور دل مارے بے بسی کے رو دیتا۔

"کیا وہ مجھے یہ جتانا چاہتا تھا کہ شہریار اتنا آسان محاذ نہیں ہے؟ کیا وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ حسن، عشق، قربتیں کسی بھی ذریعہ سے اسے جیتنے کے ارادے عبث ہیں؟ اور میں اس کج ادا، بیوفا کے لئے آنسو بہا رہی ہوں۔" رشتے کے ساتھ جس کے تیور بدل گئے، لہجہ بدل گیا، وہ پہلے سی دوستی اپنائیت خواب تھی تو مروت نام کی بھی کوئی شے نہ تھی اور سعیہ کے لئے اپنے دل، اپنی زندگی کو اتنا بے تاثر بن کر گزارنا آسان نہ تھا، بھلے یہ سمجھوتہ، مصلحت، مجبوری کچھ تھا مگر ان سب سے بڑھ کر وہ رشتہ حقیقت تھا جو اسے اب شہریار کے لئے پوزیسو کرنے لگا تھا اور اس رشتے کو وہ کسی قیمت پر داؤ لگانا نہیں چاہتی تھی مگر موجود صورتحال سے نکلنے کا کوئی راستہ بھی تو نہ تھا، وہ کتنی کمزور اور تنہا تھی مدد لے تو کس سے اپنی بے بسی پر ٹوٹ کر رونا آ رہا تھا اور چہرہ متواتر بھیگتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

زندگی کی محرومیاں بلاشبہ تنگ کرتی ہیں اور وہ ان محرومیوں کے ساتھ ہر میدان میں کامیاب ہونا چاہتی تھی، وہ جانتی تھی کہ رشتے اس کے لئے بدگمان، کٹھور اور بے حس ہو چکے ہیں، زندگی نے بے حسی

اور اجنبیت کا حصار بہت تنگ اور مضبوط کر دیا ہے، اس نے رشتوں کے ساتھ بے لوث محبت کر کے دل پر گہری چوٹ کھائی تھی، وہ اپنوں کے پاس گئی تھی اور امیدیں، خواب، توقعات بہت کچھ زندہ تھا جسے مار آئی پچھتاتی خالی ہاتھ واپس آتی محرومی احساس زیاں کتنا زیادہ تھا اس کے اندر، وہ معتوب نہیں قابل نفرت ٹھہرائی گئی تھی، وہ شخص جسے اس کی محبتوں نے سہارا دیا تھا، اس کی بے ریا، پر خلوص عنایتوں نے زندگی جینے کا حوصلہ بخشا تھا، اس نے اس کی معصومیت اور سادگی کو بے بسی، شکستگی اور لاچاری کی آخری حد پہ لا کھڑا کیا تھا، اس کے الفاظ سماعتوں پہ ہتھوڑے کی مانند برسے تھے، کوئی قیامت تھی جس نے ساری قوت وجود سے کھینچ لی تھی، ساری ہمتیں ختم کر دی تھیں، اعتبار، وفا سب گھائل تھے اس نے اپنے ساتھ گزرنے والے حادثے پر آنسو بہائے تھے اور بے تحاشا بہائے تھے، محبت کے آپشنز بدل چکے تھے، وہ خدشہ جس کا کبھی اس نے ڈرتے ڈرتے اظہار کیا تھا سچ ہو چکا تھا اور وہاج جو کہتا تھا۔

''تم ایسا سوچو بھی مت، اس دنیا سے اس دنیا تک سب بدل سکتا ہے، مگر میرا دل اور جذبات نہیں، محبت کو خدشات سے دور رکھو، محبت ہمیشہ آزاد اچھی لگتی ہے۔''

''ایسا بھی تو ہو سکتا ہے، دولت آسائشات اور سہولتیں آتے دیکھ کر تم اپنی ترجیحات بدل لو۔''

''کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں، کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں بدل جاؤں گا، تم کیوں ایسا سوچتی ہو کہ میں تمہیں تمہارے حصے کی خوشیاں نہیں دے سکوں گا۔'' اس کی شربتی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہاج حسن نے کتنی دیدہ دلیری سے جھوٹ بولا تھا اور وہ کتنی بیوقوف تھی جو جھوٹ اور سچ میں فرق ہی نہ کر پائی۔

''میں نے تمہیں اپنی خوشیوں کا مرکز سمجھا تھا میرے لئے ساری دنیا میں جینے کی وجہ تم تھے وہاج حسن صرف تم ہی تم اور پتا نہیں کیوں خوشی کی بجائے ہر بری خبر مجھے تمہاری وساطت سے ملی، میں نے اپنا مان اعتبار، محبت، وفا تمہیں سونپتے ہوئے انتہا کر دی تھی اور تم نے بھی یہ سارے ارمان، خواب، خواہشات یوں برباد کیے کہ میں اسے سمیٹ نہیں پا رہی، خود کو جوڑ نہیں پا رہی، میرے روپہلے کنوارے خوابوں کے سوختہ و برباد محل پر تم اپنی خوشیوں کے مینار کھڑے کرو گے اور میں تا عمر اپنے راستوں میں کھینچی بے اعتباری، بے یقینی، شک کی لکیریں پیٹتی اپنی بے قدری بے توقیری کو روؤں گی۔'' اس کے چہرے پر آنسو بہہ رہے تھے اور ہونٹ لرز رہے تھے۔

''مگر زندگی کے تقاضے اس سے بڑھ کر ہیں اور مجھے اپنی سوچ کو اسی جگہ پہ نہیں ٹھہرانا، صرف رونا میری زندگی کا مسئلہ نہیں ہے، مجھے اپنی ماں کی صحت بہنوں کا اچھا محفوظ مستقبل بنانا ہے اور ان لوگوں کے لئے ایک مثال بننا ہے جو کمیوں، محرومیوں کو زندگی کا روگ بنا کر زندگی کی جنگ ہار جاتے ہیں مجھے شکوے نہیں کرنے، مسائل ذات میں نہیں الجھنا، اپنی ہار کو شکست میں، اپنے دکھ کو سکھ میں بدلنا، ہے خواہ اس کے لئے کچھ کرنا پڑے اور وہ کچھ درست تھا یا غلط یہ حساب کتاب لگانے کا وقت اس کے پاس نہیں تھا اسے معلوم تھا تو بس اتنا کہ ''میری ماں موت کی دہلیز پر کھڑی ہے، فرشتہ اجل سے صرف چند قدم کے فاصلے پر، وہ صرف اس کی زندگی بچانا چاہتی تھی اور اس کے لئے اس نے خود کو داؤ پر لگا دیا بے حد سنبھل کر زندگی گزارنے والی، حجاب استعمال کرنے والی محتاط فطرت اریبہ اشفاق جو اچھائی برائی، حلال و حرام، گناہ و ثواب کا بہت خیال رکھتی تھی، ٹی وی پر بھی کوئی غیر اخلاقی سین دیکھ کر چینل بدل ڈالتی تھی، اس نے آنسو بھری آنکھوں سے آخری بار اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا کہ ہو سکتا ہے اب اسی لمحے وہاج حسن کوئی آواز

دے لے، کوئی چیز پاؤں پہ زنجیر باندھ دے اس نے روح و دل کی تمام تر شدتوں سے چاہا تھا کوئی دلدل میں دھنسنے سے روک لے، اس کے خاموش لبوں کے پیچھے آہیں تھیں پکار تھی کہ کوئی جہنم میں گرنے سے پہلے اسے تھام سکے، اک خاموش التجا بند لبوں پہ کراہ رہی تھی اور وقت کی مجبوری بے بسی میں قید اریبہ کو دیکھنے، سننے والا کوئی نہ تھا۔''

''وہاج اگر تم یونہی بے کار پھرتے رہے تو مجھے کھو دو گے، یہ مت سمجھو کہ مجھے شادی کا بہت شوق ہے مگر اتنا ضرور جو کہ تمہاری خاطر مجھے چھ سات سال میرے ماں باپ کیسے بٹھائے رکھیں گے۔''

''اریبہ میں تمہیں پابند نہیں کرتا تم اپنے لئے بہتر آپشن چن سکتی ہو۔''

''اور یہ میری غلطی تھی کہ میں جان نہ سکی بہتر آپشن میں نہیں تم چن رہے تھے تمہارے بدلتے حالات نے میرے تک آنے والے سب راستے بند کر دیے اور تم نے اپنے خواب خواہشات، خیالات تک کو بدل ڈالا اور مجھے اس مقام پہ لا کھڑا کیا یہاں چوائس کی پوزیشن ہے نہ بہتر آپشن کا راستہ، مجبوری کی انتہا ہے وہ انتہا جب مردار بھی حلال ہوتا ہے۔'' اس نے شکستگی پریشانی اور دلگرفتگی سے سوچا تھا۔

''جو گزر گیا سو گزر گیا پلٹ کر دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں تمہیں خود کو اس سیاہ دائرے سے باہر لانا ہے یہاں سب منظر گرد آلود اور دھواں ہیں۔'' اس کے مقابل سعود غوری تھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

''کہیں ایسا نہ ہو کہ میں محبت خواب کے عالم میں رہوں اور آنکھ کھولوں تو کچھ باقی نہ بچے۔''

وہاج حسن نے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک ہاتھ کو تھاما تھا اور اس کی ست رنگی آنکھوں میں محویت سے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''میرا دل چاہتا ہے میں کوئی ایسی دعا پڑھوں تمہارے سب خدشے، وہم، ڈر خوف دور ہو جائیں اور یہ ست رنگی آنکھیں محبت پانے، لینے دینے اور محبت میں جینے کے احساس سے چمکتی رہیں۔''

اس کے اندر اک جنگ برپا تھی یادوں کی وہ اک تلخ فیصلہ کر کے سعود غوری تک آ گئی تھی، مگر اس کا دل کمزور کم ہمت تھا، ابھی تک اس میں ہمت نہ تھی کہ اپنے مد مقابل غٹا غٹ شراب چڑھائے، شخص کو دیکھ پاتی وہ ساکت کھڑی تھی بنا پلکیں جھپکائے کسی نا معلوم نکتے کو گھورتی، جب سعود غوری نے سرخ خمار زدہ آنکھیں اس پہ گاڑتے ہوئے دو قدم کا فاصلہ بھی عبور کر لیا اور اریبہ اشفاق کا وجود جیسے کسی طوفان کی زد پہ آ گیا اس کے شانوں سے ہوتے ہاتھ کمر تک پہنچے تھے اور وہ آنکھیں بند کیے کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی، اس کے انداز میں مزاحمت تھی نہ رضامندی۔

اس نے محبت کے نام پر دھوکہ کھاتے کھاتے ایک مرد کو خدا بنا لیا تھا اور اسی خدا نے اسے خالی کرتے کرتے آج دنیا کے بازار میں کھڑا کر دیا تھا جہاں اپنا سب سے قیمتی اثاثہ برائے فروخت کے لیبل کے ساتھ رکھ کے وہ کروڑوں روپیہ لے جا رہی تھی، محبت کو وہ سب سے قیمتی سمجھا کرتی تھی اور محبت نے اسے سستا کر دیا تھا اور اس ذات سے آشنا ہوتے ہوئے اسے اپنا شریف باپ یاد آ گیا جوان کی پرورش بہتر بہت اور کردار و افعال کے سلسلہ میں بہت محتاط، قدرے سخت رہتا تھا، وہ ماں جو ننگے سر دروازے تک نہ جانے دیتی، وہ بے ضمیر شخص جو اسے ہوا کو بھی چھوتے دیکھ لیتا تو بدگمان ہو جاتا اور آج اس پل تذلیل، توہین رسوائی، بدنامی کے سب طوق پہنتی وہ بے پیرہن کھڑی تھی، اس کی آنکھوں میں

ویرانی چہرے پر زردی کچھ بڑھی تھی، مگر وہ کسی تاثر احساس کو محسوس کیے بغیر بے حس و حرکت کھلونے کی مانند کسی کی ہوس کے ہاتھوں برباد ہو رہی تھی۔

☆☆☆

"حجاب" کا تصور مشاہدہ اور خود اسے پہننا دیکھنا اس کے لئے مختلف تجربہ تھا، وہ اپنے ملک کے شہروں اور سکولوں میں اکثر دیکھا کرتی تھی کہ اگر مسلم کمیونٹی کی کوئی لڑکی حجاب پہن کا کالج یا سکول آتی تو ساتھی طلباء کے اندر زبردست منفی رجحانات پیدا ہوتے تھے اور اپنے خلفشار میں الجھی وہ اس وقت سمجھ نہ سکی کہ اگر کوئی طالبہ اپنے سر پر صرف کپڑا پہن دیتی ہے تو سکول اس کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں، وہ یہ بھی نہ سمجھ سکتی کہ مسلمانوں کے نزدیک حجاب استعمال کرنے کی اہمیت کیا ہے؟ لیکن اس کا ذاتی خیال تھا کہ طالبات کو ان کے عقائد اور مذہبی معاملات میں اس وقت تک منع نہیں کرنا چاہیے جب تک اس سے سکول کا ڈسپلن خراب نہ ہو، اس کے لئے اپنے سکول میں کئی فرانسیسی طالبات کا اخراج ہو گیا تھا حجاب کی وجہ سے۔

اسے وہ دن بھی یاد تھا جب یکم جولائی 2009ء کو جرمنی کے شہر ڈالیٹرن میں ایک 32 سالہ مسلم خاتون مروہ الشربینی کو بھری عدالت میں اس وقت قتل کیا گیا تھا جب اس نے اپنے پڑوسی ایگزل کے اپنے حجاب پر حملہ کو عدالت میں چیلنج کیا اور الشربینی اس کے خلاف مقدمہ جیت گئی اور اس نے جرم ثابت ہونے پر بھری عدالت میں مروہ الشربینی پر حملہ کیا اس زمین پر پٹخ دیا۔

جبکہ سیکولر ریاستوں میں ہر شہری کو دین و اعتقاد کی ضمانت دی جاتی ہے، پھر کیا مغربی اقوام کا مسلمانوں اور حجاب کے متعلق رویہ تعصب تنگ نظری اور ظالمانہ ذہنیت پر مبنی نہیں۔

وہ تفکر سے سوچتی قدرے الجھی اور ڈپریسڈ نظر آ رہی تھی۔

"ماریا حجاب کا فلسفہ کیا ہے؟ کوئی غیر مسلم باہر سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا اور جن مصنفین یا سکالرز نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے ان کے حاشیہ خیال میں بھی وہ حقیقت نہیں آ سکتی جو ایک مسلم عورت کی نگاہ حجاب کے اندر سے بھانپتی ہے اور حجاب عورت کو معاشرے سے الگ کر دینے والی چیز نہیں ہے، اگر پردے کے سلسلہ میں کسی کو یہ تصور ہے تو بالکل غلط ہے، حجاب معاشرے میں مرد اور عورت کی بے ضابطہ اختلاط کو روکنے کا ذریعہ ہے کیونکہ یہ اختلاط مرد و عورت دونوں کے لئے خصوصاً عورت کے لئے نقصان دہ ہے کہ عورت کے مزاج، خصوصیات اور نزاکت کو قدرت کی خوبصورتی و ظرافت کا مظہر قرار دیا گیا ہے، لہٰذا معاشرہ کو کشیدگی، آلودگی اور انحراف سے محفوظ رکھنے اور اس میں گمراہی کو روکنے کے لئے اس صنف (نازک) کو حجاب میں رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور حجاب ایک بڑی چادر نہیں بلکہ عورت اور مرد کے درمیان ایک حد بندی ہوتا ہے، کہ آپسی گفتگو، لین دین، بحث تکرار میں سرحد قائم رہے۔" فاطمہ نے اس کے کندھے پر دایاں ہاتھ رکھتے ہوئے رسان سے ایک مسلم عقیدے کا اصل نقطہ نظر واضح کیا۔

"مگر کیا یہ پردہ یا حجاب مسلم خواتین کو پیچھے دھکیل کر ان کی ترقی کی راہ میں حائل نہیں ہو رہا۔" اس نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"اسلامی تاریخ کو اگر تم اٹھا کر دیکھو تو عورتوں میں ہمیں بے شمار ایسے نام ملتے ہیں، جنہوں نے

اپنے کاموں سے تاریخ میں نئے باب رقم کیے اور انہیں پردے یا حجاب کی قربانی نہیں دینا پڑی اور آج بھی نقاب اور حجاب کے ساتھ عورتیں کون سا تخلیقی کام ہے جو نہیں کر رہیں، بلکہ غیر اسلامی ممالک میں بھی پردے اور اسکارف کی جنگ لڑتے ہوئے انہوں نے ترقی کے اس عمل کو رکنے نہیں دیا ہے اور اس کی سب سے بڑی مثال موجودہ دور میں محترمہ بینظیر بھٹو تھیں جو دو دفعہ منتخب ہوئیں اور اسلامی دنیا میں پہلی خاتون وزیر اعظم بنیں ہماری خواتین حجاب کے ساتھ آرمی، ائیر لائن سروس، سول سروس، کرکٹ جیسے شعبوں میں مردوں کے مد مقابل اپنے آپ کو منوا رہی ہیں، مسلمانوں کی ترقی میں پردہ نہیں پہلے کبھی حائل ہوا تھا، آج ہو سکتا ہے، مشرق میں پردے کو تنگ نظری یا جاہلیت کا نظام کہتے ہوئے اس اہم پہلو کو نظر انداز نہ کریں کہ مغرب نے اخلاقی اور خاندانی نظام کو عورت سے چھین کر مردوں کی جھولی میں ڈال دیا ہے، اس طرح اس نے اپنے دفاتر اور کارخانے چلانے کے لئے دو گنے ہاتھ تو حاصل کر لئے اور بظاہر بڑی ترقی کر لی ہے، مگر گھروں اور خاندانوں کو کھو دیا ہے تربیت کا وہ نظام فنا ہو چکا ہے جس کی ابتدا گھر کے اچھے ماحول سے ہوتی ہے۔"

"تربیت گھر کا اچھا ماحول تو واقعی ناپید ہے مغربی مائیں بچوں کو گورنس، یا ڈے کیئر سنٹر کے حوالے کر کے خود ہر ذمہ داری سے لاپرواہ آزاد زندگی گزارتی ہیں اور اِدھر اُدھر پلنے والے بچے ذہنی ڈپریشن کا شکار مستقل فرسٹیڈ رہتے ہیں، میری طرح ابنارمل، خود سے ناراض، معاشرے سے کٹے، احساس کمتری کا شکار لوگ معاشرے میں بکھرے پڑے ہیں۔" ماریا نے تاسف سے کہا تھا، فاطمہ نے گہری سانس لے کر اسے ازراہ ہمدردی سے دیکھا پھر نرمی سے بولی۔

"برابری کے شوق میں طلاقوں پر منتج ہونے والی عورتیں نہ خود سکون سے رہتی ہیں نہ گھر کیونکہ نام نہاد ترقی کے لئے بہترین انسانوں کی تیاری کا فرض انہوں نے بھلا دیا ہے، جس ترقی کے تعاقب میں آج کی عورتیں نکل پڑی ہیں اس پر کوئی فخر کر سکتا ہے تو ضرور کرے مگر تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی، آج مغرب میں کھلے عام جنسی جرائم ہو رہے ہیں جن کی رپورٹیں میڈیا سے آتی رہتی ہیں، کیا یہ حالات اطمینان بخش ہیں؟"

"تم نے کبھی سوچا ہے کہ کیوں؟ دیکھو ماریا یہ محض اخلاق کا نہیں پوری تہذیب کا سوال ہے مخلوط معاشرہ جس تیزی سے وسعت پا رہا ہے خواتین کے بناؤ سنگھار اور ناجائز مطالبات کے نتیجہ میں مرد رشوت ستانی، غبن، چوری اور ڈکیتی جیسے کاموں میں پھنستے ہیں اور یہی حرام خوریاں معاشرے کو گھن لگاتی ہیں اور سوچو کہ جو شخص اپنی گھریلو زندگی سے ایمانداری کے ساتھ نبرد آزما نہ رہا ہو اور حرام یا حلال کے حوالے سے وفاداری نہ نبھا رہا ہو وہ قوم اور ملک کا وفادار کیسے ہو سکتا ہے، گھروں کی نام نہاد ترقی اور خوشحالی کے جوش میں کہ گھر ہی اصل میں وہ کارخانے ہیں جہاں سے دنیا کو اچھے انسانوں کی فراہمی ممکن ہے اور انہیں احسن طریقے سے چلانے کے لئے جن خدمات، محنت اور مشقت کی ضرورت ہے وہ عورت کر سکتی ہے بشرطیکہ اس کی توجہ مختلف سمتوں میں بٹ نہ جائے۔" فاطمہ نے ذرا سا رک کر ماریا کو دیکھا پھر مضبوط لہجہ میں اعتماد سے بولی۔

"اسلام نے پردے کے جو احکامات دیے ہیں اس کے تین بڑے مقاصد ہیں، اول اخلاق انسانی کی حفاظت سے ان خرابیوں کا دروازہ بند کرنا جو مرد و عورت کے آزادانہ اور مخلوط میل جول سے پیدا ہوتی

ہیں، دوئم دونوں اصناف کے عمل کے دائرے الگ کرنا تاکہ اپنے اپنے فرائض و خدمات اطمینان سے بجا لاسکیں، سوئم گھر اور خاندان کے نظام کو مضبوط بنانا اور ساتھ گھر، خاندان کے نظام کو محفوظ رکھنے کے ساتھ معاشرہ میں اخلاقی حدود و قیود دیتا ہے۔''

ماریا اب اپنے معاشرے کے غلط، درست معاملات کو مختلف تناظر میں دیکھ رہی تھی اور جان رہی تھی کہ لوگ کس طرح خصوصاً مرد صنف نازک کی جسمانی خوبصورتی پرکھتے ہیں ان کی نگاہیں آس پاس موجود خواتین کے خدوخال کو کس بری طرح ناپ رہی ہوتی ہیں، انہیں کسی کی موجودگی کے ساتھ ہی ان تمام اعضاء کی تشریح اعداد و شمار میں درکار ہوتی ہے، کیا یہ چیز ہی مغرب میں فرسٹریشن، ڈپریشن، بے سکونی، بے حیائی کا باعث ہے؟

''اور جو غیر مسلم حجاب کو ظلم کی علامت سمجھتے ہیں جن کا اعتقاد ہے کہ مسلم عورتوں کو رسم و رواج کا پابند بنا دیا گیا ہے وہ اپنی قابل افسوس حالت سے ناواقف ہیں۔'' وہ بہت سنجیدگی سے سوچ رہی تھی، باوجود اس کے کہ انسانی فہم و ادراک تقلید کا قائل بلاشرط تعمیل بمشکل ہوتا ہے، مگر وہ اپنی قوت استدلال پر یقین رکھتی تھی اور کسی حاکم اعلیٰ کے وجود یا ضابطہ اخلاق کو تسلیم کرنے سے پہلے مسلسل سوالات کرتی تھی، تحقیق، ریسرچ، مطالعہ مشاہدہ اور اب وہ اسلام، مسلمان اور قرآن سے متعلق معلومات کو مستند، درست طور پر سمجھنے کے لئے نہ صرف انٹرنیٹ دیکھنا شروع کر چکی تھی بلکہ جو کتابیں مذکورہ حوالے سے اس کے پاس تھیں وہ انہیں بھی پڑھنے لگی، یہ کتابیں اسے کتنا یکسو اور مطمئن کرتیں آنے والے وقت پر منحصر تھا، فی الحال اسے مسلمانوں کے طرز معاشرت، حسن سلوک، اسلامی نماز و ایقان کا سحر انگیز منظر اور اللہ کی وحدانیت پر مداومت اور استقامت متاثر کر چکی تھی۔

☆☆☆

شیو کی تازہ ترین نیلاہٹیں لئے سلیقے سے سنوارے گئے بال، آسمانی شرٹ بلیو پینٹ کے ساتھ میچنگ ٹائی لگائے مہنگے کولون کی خوشبوئیں بکھیرتے ہوئے وہ موبائل والٹ اٹھاتا رسٹ واچ دیکھنے لگا، صبح کے نو بجے تھے اسے دس بجے تک آفس جانا تھا، لیکن وہ اس سے پہلے کہیں اور جانا چاہتا تھا اسی لئے وہ گھر سے جلدی نکل رہا تھا، کمپنی کی جانب سے چند دن پہلے ملنے والی نئی خوبصورت گاڑی کو سٹارٹ کرتے ہوئے وہ پورچ سے ڈرائیو وے کی طرف آیا تو راشدہ بے حد خوشی سے مسکرائی، کامیابیوں اور بلندیوں کے خواب دیکھے تھے، قدرت نے وہ عطا کر دی تھیں اور وہ بے حد خوشحالی، بے تحاشا امارت کے راستے پر چل رہا تھا، ثمن اور ہما کی شادی کے موقع پر بے شمار لوگوں نے کھلے اور کچھ نے ڈھکے چھپے الفاظ میں انہیں اپنی بیٹی دینے کی خواہش ظاہر کی تھی اور کہنے والے بھی امیر، متمول گھرانوں کے لوگ تھے، ایسے لوگ جو بیٹیوں کو بے حد قیمتی شاندار گھر، جہیز، گاڑیاں، بڑا بینک بیلنس، بھاری زیورات کے ساتھ باہر سیٹل کرواتے تھے، راشدہ بیگم کے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے، وہ شان و شوکت اور عیش و آرام جس کے صرف خواب دیکھے جا سکتے ہیں، ان کا مقدر تھی انہیں یقین تھا کہ وہاج جیسے وجیہہ، محنتی، کوالیفائیڈ اور برائٹ فیوچر رکھنے والے لڑکے کے لئے وہ جس طرف اشارہ کریں گی رشتوں کا بازار لگ جائے گا، ذاتی طور پر انہیں کمپنی کے مالک حیدر کی بیٹی صبا بے حد پسند تھی اور پسند تو سعدیہ بھی تھی مگر شومئی قسمت کہ دونوں لڑکیاں بک تھیں، اب ذاتی طور پر ان کی نگاہیں ایک بڑے مل اونر کی بیٹی پر تھیں جو انگلینڈ میں پلی

بڑھی تھی اور بے حد حسین و طرحدار ہونے کے ساتھ بہت بڑے بزنس کی اکلوتی وارث تھی، پاکستان میں بھی اس لڑکی کے نام پر کافی پراپرٹی تھی اور زیادہ حاصل کرنے کی حرص و ہوس میں وہ پرانے رشتوں، ناطوں سے جان چھڑا چکی تھیں اور وہ اریبہ جس کے حسن، ذہانت سلیقے کی چند ماہ پہلے تعریفیں کرتے نہیں تھکتی تھیں اس کی مہربانیاں، ہمدردیاں بھلائے وہ سینکڑوں برائیاں کر دیتی تھیں۔

ثمن، ہما اور فاطمہ بھی امیر بھابھی کے شوق میں مبتلا تھیں البتہ انزلہ نے دبے دبے الفاظ میں کہا تھا کہ ''مرحوم خالو نے یہ رشتہ طے کیا تھا، اب وہ نہیں رہے اور خالہ بھی بیمار ہیں ایسے میں منگنی توڑنا اچھا نہیں، ویسے بھی سگی خالہ زاد ہے اریبہ کون سی غیر ہے ہمارے لئے۔''

''اس وقت حالات اور تھے اور اب ایسا ہونا مشکل نہیں ناممکن ہے اور پھر اریبہ کے سو قصے مشہور ہیں آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلتا ہے، پھر ہم اپنی بیٹیوں کو اتنا جہیز دے رہے ہیں بہو کیا خالی اٹھا لائیں۔'' راشدہ چڑ کر بولیں۔

''امی ایک ہی تو بیٹا ہے آپ کا سب اسی کا ہے جہیز آپ نے کیا کرنا ہے پھر بھائی کیا مان جائیں گے؟''

''ارے ایک بیٹا ہے تو کیا فقیرنی اور بدچلن لڑکی اٹھا کر لے آؤں، پھر وہاج بڑا فرمانبردار ہے وہ تو اسی دن دماغ ٹھکانے لگا چکا تھا اس کا جب سو کرتوتوں کے بعد وہ بے شرم بن کے پیسے مانگنے چلی آئی تھی، میرا کہا کبھی نہیں ٹالے گا۔'' انزلہ چپ سی ہو کر ماں کو دیکھتی رہ گئی۔

اور دوسری طرف وہاج حسن تیزی سے ڈرائیو کرتا اریبہ کے پاس جا رہا تھا، شادی والے دن وہ مسلسل کام سے تھک کر چور اور کچھ دفتری ایشوز کی وجہ اندر سے ٹینس تھا اوپر سے اچانک اریبہ کا اس کے ملنے والوں کے سامنے آنا وہ اسے یوں سب کے بیچ بنا حجاب و پردہ کے دیکھ کر خود پر قابو نہ پا سکا جو کچھ منہ میں آیا کہتا چلا گیا اور بنا سوچے سمجھے انگوٹھی تک اتار لی اس کے ہاتھ سے اور شادی کے ہنگامے سرد ہوتے ہی اسے سب سے پہلا خیال اور وہ سر پھری لڑکی جو پہلے سے تنہائیوں، محرومیوں کا شکار تھی جانے کیا سمجھی تھی اور کس رنگ میں لیا تھا اور کچھ بھی کر سکتی تھی اپنی بے بسی و محرومی سے تھک ہار کر، جانے وہ لمحہ کیسا تھا کہ وہاج حسن کو لگا کچھ دیر کے لئے دنیا اندھیری ہو گئی ہے کچھ بھی تھا اریبہ سے دوستی، ہمدردی سے زیادہ گہرا پیار تھا اس کے اندر جس کی پچھلے کچھ عرصہ سے وہ نفی کر رہا تھا جسے غلطی سمجھ رہا تھا، وہ لمحہ اس کے شعور، ادراک کے نئے در کھول رہا تھا، وہ اس بے حد جذباتی اور غصیلی لڑکی کے لئے فکر مند تھا، اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا اور اسی فکر میں گاڑی اتنی تیز رفتاری سے چلا رہا تھا جو کسی حادثے کا باعث بن سکتی تھی اور پھر ایک بدترین حادثہ ہو گیا، یہ سب اتنی سرعت سے ہوا تھا کہ وہ سمجھ نہ سکا اس نے تو سڑک پہ آتے، ایک بکری کے بچے کو بچانے کی کوشش کی تھی کہ کوئی اور وقت کی لپیٹ میں آ گیا۔

وہاج حسن کے سارے حواس اس لمحے منجمد تھے وجود جیسے پتھر ہو چکا تھا، سڑک پہ چت لیٹے انسان کی موت کو محسوس کر کے اس نے خود کو بھی ایک بے جان لاش تصور کیا تھا، پھر ہجوم کو چیرتے ہوئے وہ اس جگہ آیا جہاں حادثہ رونما ہو چکا تھا، اپنے ہی سرخ خون میں نہائی وہ لڑکی بے سدھ پڑی پہلی نظر میں مردہ ہی نظر آ رہی تھی، ایک لمحے کے لئے اس کا سانس رک گیا تھا اور وہ کس قدر تاسف افسوس سے دیکھ رہا تھا اسے، چونکہ حادثہ کے وقت سڑک خالی تھی سو کسی کو معلوم نہ ہو سکا لڑکی کی گاڑی کو اتنے زبردست طریقہ

سے کیسے ٹکر لگی درخت سے کہ وہ اچھل کر باہر سڑک پہ آگری اور خون میں لت پت ہوگئی، وہاج کی گاڑی کے ساتھ کئی اور گاڑیاں بھی رک چکی تھیں، لوگ ازراہ ہمدردی کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے کچھ لوگ پیچھے سے ہارن پہ ہارن دیتے ماحول کی دردناکی سے بے نیاز ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے، سڑک بلاک ہونے اور اپنا وقت خراب ہونے پر اور وہ بڑے مضبوط اعصاب کا مالک تھا جو حواس باختہ بس دیکھے جا رہا تھا، کہ ہجوم میں سے کسی نے اسے ذرا سا ہلتے محسوس کیا اور چیخ ماری۔

''ارے دیکھو وہ کسمسا رہی ہے، زندہ ہے ابھی، اس کی سانسیں چل رہی ہیں، اسے بچایا جا سکتا ہے۔''

مگر کوئی آگے بڑھا تھا نہ کسی نے پولیس کو فون کرنے کی زحمت کی تھی، سب بے حس سے دیکھتے کھڑے رہے اور اپنے اندر کے سناٹے سے نکلتے ہوئے وہاج حسن نے بڑھ کر اس کے منہ کے آگے ہاتھ کر کے ناک اور لبوں سے سانسوں کی آمد و رفت کا اندازہ کرنا چاہا پھر اس کے سینے سے کان لگا کے دل کی معدوم سی دھڑکن کو محسوس کیا اور اگلے پل اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھایا، لا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا اور ساتھ ہی اس کی گاڑی کے فرنٹ سائیڈ سے پرس موبائل اٹھا کر گھر کا نمبر دیکھا جہاں ماما لکھا تھا، وہاں yes کو پش کرتے ہوئے اس نے کچھ بھی سنے پوچھے بغیر صرف اتنا کہا۔

''آپ کی بیٹی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے وہ سڑک پر بے ہوش پڑی ہے میں ہاسپٹل پہنچ کر آپ کو کال کرتا ہوں۔''

وقت کی نزاکت یا خدا خوفی کا احساس کہ وہاج حسن کو ہمت کرتے پا کر ایک دو لوگ مزید آگے بڑھے اور اس کے ساتھ ہاسپٹل چلنے کو تیار ہو گئے، نزہت حیدر کا برا حال تھا بیٹی کی شادی سے عین دو دن قبل یہ حادثہ جبکہ بیشتر لوگ شادی میں شرکت کے لئے پہنچنا شروع ہو گئے تھے، اوپر سے ایسی بدشگونی وہ بے طرح رو رہی تھیں جب حیدر عثمان گھر پہنچے ان کے چہرے سے بھی پریشانی ہویدا تھی، مرد تھے حالات کو قابو میں رکھنے کو کڑا ضبط ضروری تھا سو اپنی تمام تر اضطرابی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے بیگم کو حوصلہ دیا۔

''نزہت حوصلہ کرو، سنبھالو خود کو اور وہ نمبر کون سا تھا جس سے فون آیا تھا۔''

''نمبر تو صبا کا ہی تھا اسی کے موبائل سے کسی نے بتایا تھا۔'' وہ رندھی آواز میں بولیں۔

''اوہ شٹ۔'' وہ بے ساختہ چلائے۔

''وہ کہہ رہا تھا کہ ہاسپٹل پہنچ کر کال کرونگا۔'' وہ یاد آنے پر بولیں۔

''جانے کتنی سیریس طبیعت ہو گی، کیسی چھوٹیں آئی ہونگی میری بیٹی کو، یا اللہ تو میری بیٹی کو زندگی تندرستی دینا۔'' نزہت بلک رہی تھیں۔

''نزہت تم خود ایک ڈاکٹر ہو، روز ایسے واقعات دیکھتی ہو گی خود کو اتنا کمزور مت ظاہر کرو، Be brave۔'' حیدر صاحب نے کہا۔

''حیدر میری ایک ہی بیٹی ہے جوان، پلی پلائی، میں مر جاؤں گی اگر اسے کچھ ہو گیا۔'' وہ ان کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے بے اختیار روئیں تو کڑے ضبط کے باوجود دو آنسو ان کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر گر پڑے، صبا کس ہسپتال میں اور کیسی حالت میں تھی یہ سوچ ان کو بھی نڈھال نیم جاں کر رہی

تھی۔

☆☆☆

کیا داستاں لکھوں
شکستگی پہ ہواؤں کی
کہ ہاتھ ہیں لہو لہو
کہ انگلیاں ہیں کٹی ہوئی
تذکرہ کروں کیا
ان جاں توڑتی ساعتوں کا
جو آئی تھیں موسم ہجر میں
کہ رگیں دماغ کی ہیں پھٹی ہوئی
خواہشوں پہ تبصرہ کوئی
ہو بھی تو بھلا کیا ہو اب
کہ اندرونی خلفشار کے ہاتھوں
سانس سانس ہے تھکا ہوا
ہر تار ہے دل کا کھنچا ہوا
وہ موسم کی دلکشی جو
قسمت میں اپنی تھی ہی نہیں
کہ قدم تھا غبار راہ میں اٹا ہوا
وہ لحجہ زبان جو بیان کا
گرفت میں نہ آ سکا
کہ سوچ بھی کئی زاویوں میں بٹی ہوئی
کہانی سنائیں کیا
کہ ورق ورق ہے پھٹا ہوا
وہ جو مرکز نگاہ تھا
تھا راستوں سے ہٹا ہوا

وہ ساکت جسم اور ویران نگاہوں کے ساتھ بالکل تہی دامن ہنوز زیاں کے سارے حسابوں سے بے نیاز خالی الذہن کتنی دیر اپنے آگے پڑے بڑے نیلے نوٹوں کے ڈھیر کو دیکھتی رہی، یہ پیسے جو وقت و زندگی کی اہم ترین ضرورت تھے اور زندگی اپنے کردار کو شفاف اجلا بنانے کی جتنی جنونی تھی وہ ان پیسوں کی وجہ سے داغدار ہو گئی تھی، پیسے جن کے لئے اس نے خود کو ارزاں اور بے مول کر لیا اپنے آپ کو برباد کر دیا، محبت کے زور پر قائم ہونے والا رشتہ بھی اسی دولت کی وجہ سے کم زور اور بودا پڑا تھا دل و روح سب جذبے محبت کے نام پر گنوا دیے تھے ایک عزت تھی جسے وہ بچا سکتی تھی مگر دولت کی ضرورت نے اسے بھی تباہ کر دیا۔

"آہ، یہ کیسا پاگل پن سرزد ہوا مجھ سے، دولت کے لئے میں نے اپنا آخری اثاثہ بھی گنوا دیا، یہ کیا ہو گیا میرے خدا۔" اس کا دل چاہا وہ دھاڑیں مار مار کر روئے اتنا کہ آنکھیں لہولہان ہو جائیں خوب واویلا کرے، اونچا اونچا چلائے، وہاج حسن کو برا بھلا کہے خوب کوسے جس نے اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے پلان بنائے، محبت بھرے فقرے اس کی سماعتوں میں انڈیلے، چاہتوں سے بھرپور پیمان باندھے اور پھر اسے مہرے کی طرح استعمال کر کے پل میں سب رشتے ناطے، وعدے، محبتیں بھلا دیں، اس کا دل درد سے پھٹا جا رہا تھا جیسے زندگی کی ہر شے نست و نابود ہو کر رہ گئی۔

جانے کتنی دیر وہ یونہی پتھر کے مجسمے کی مانند ساکت جامد بیٹھی رہی پھر اس کے سامنے بیمار ماں کا چہرہ آ گیا، معصوم کم عمر بہنیں جن کے سکھ کی خاطر اس نے خود کو داؤ پر لگا دیا تھا اور رشتوں کے لئے وہ اپنا سب تیاگ آئی ہے یہ حقیقت مر کر بھی کسی کو نہیں بتائے گی، اس کی گریہ زاری سننے والا کوئی نہ بنتا سب تماشہ دیکھتے جو ہوا جو فیصلہ کر کے زندگی کی جیسی راہ اس نے اپنے لئے چنی تھی، اس کی صعوبتیں سہہ کر بھی مطمئن نظر آنا اس کی سب سے بڑی مجبوری تھی، اپنے دل و ذہن کو سمجھاتی خالی وجود لئے وہ اٹھی، گھر جا کر اپنے دکھتے سر، تھکن زدہ وجود کو کتنی دیر شاور کے نیچے ٹھنڈا کرتی رہی، اس کے جسم میں شدید درد تھا، مگر پھر بھی تمام تر توانائیاں صرف کر کے ہمت کرتی وہ اپنے رب سے صبر و حوصلہ سکون و قرار مانگتی رقم اپنے بیگ میں رکھ کر ہسپتال روانہ ہوئی اور اپنی بہنوں پر نگاہ جاتے ہی وہ ایک بار پھر ساکت و جامد سی ہوتی دل بری طرح سسکنے اور تڑپنے لگا، ایک ایک انگ پھوڑے کی مانند دکھنے لگا وہ ویران آنکھوں سے یک ٹک انہیں دیکھے جا رہی تھی اور ربیعہ، جویریہ کا رنگ متغیر ہوا تھا وہ بے طرح پریشان ہو کر آگے بڑھیں، اس کی کھوئی کھوئی اور روئی روئی آنکھیں جن میں افسردگی کی دھند بے حد تیز تھی۔

"آپی...... آپی! کیا ہوا، آپ کو ٹھیک تو ہیں۔" جویریہ نے اس کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے بے قراری سے پکارا تو وہ لرزتے ہونٹوں کے ساتھ یک ٹک اس کی جانب دیکھتی چلی گئی۔

"مجھے لگتا ہے آفس والوں نے ایڈوانس دینے سے انکار کر دیا ہے اسی لئے آپی اتنی ڈپریس ہیں، مجھے انہیں حوصلہ دینا چاہیے۔" جویریہ نے سوچتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"کوئی بات نہیں اگر پیسے نہیں مل سکے آپ خود کو سنبھالیں، اپنا حوصلہ قائم رکھیں، ہم امی کو کسی ٹرسٹ ہسپتال لے جائیں گے۔" وہ اب بھی کچھ نہیں بولی وہ جو خود کو نارمل رکھنے ضبط کرنے کا سبق سارے راہ پڑھاتی آئی تھی اس کے ضبط کی طنابیں ٹوٹ رہی تھیں وہ اپنی ماں جائی کے گلے لگ کر رونا چاہتی تھی ٹوٹ کر، افسردگی اور شکستگی کے گہرے احساس نے اس کے پورے وجود کو نڈھال سا کر دیا تھا۔

"آپی بولیں ناں کچھ، ایسے کیوں ہو رہی ہیں۔" وہ جو اپنے خیالوں میں گم تھی جویریہ نے اسے جھنجھوڑ ڈالا اور وہ بری طرح چونک کر خالی خالی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیا کہا ہے تم نے؟" خود کو حتی الوسع سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے اریبہ نے کہا تو بھرائی، شکستہ آواز پہ چونکتے ہوئے جویریہ پھر اسے بہ غور دیکھنے لگی پھر کسی احساس کے تحت اچانک بولی۔

"امی کو کسی ٹرسٹ ہسپتال لے چلتے ہیں۔" کسی گہری سوچ پر پیچ خیال میں گم اریبہ نے اپنا پرس کھولتے ہوئے ہزار ہزار کے نوٹوں کی کئی گڈیاں اس کے سامنے رکھ دیں اور وہ اتنے سارے روپے ایک ساتھ دیکھ کر حیرت سے گنگ سی ہو گئی۔

(رقم مل گئی تھی تو آپی اتنی بکھری بکھری سی کیوں ہیں شاید ایڈوانس لے کر پریشان ہوں کہ پھر کھائیں گے کہاں سے خیر امی ٹھیک ہو جائیں تو سب کچھ ہو جائے گا) جویریہ نے سر جھٹکتے ہوئے خوشی سے کہا۔

"میں نے کہا تھا ناں آپ سے کہ بیگم شائستہ کچھ کر دیں گی، آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی تھیں۔" اریبہ کی آنکھوں میں جیسے صحرا کی ساری ریت بھر گئی وہ عجب لہجہ میں بولی۔

"بیگم شائستہ اور شہریار خان نہیں ملے کسی کام کے سلسلے میں دوبئی گئے ہیں۔"

"تو یہ پیسے کس نے دیئے کیا وہاج بھائی نے۔" جویریہ الجھی۔

"مسعود غوری نے، میں نے اس کی ماڈلنگ کی آفر قبول کر لی ہے۔"

"تو انہوں نے اتنے پیسے پہلے دے دیئے۔" اور بے حد ضبط کے باوجود اس کی آنکھوں سے کتنے ہی آنسو نکل پڑے۔

"یہ میرے اس وقت کی قیمت ہے جو میں......" وہ بے اختیار لب کچلتی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتی چلی گئی اور جویریہ اس کے ادھورے فقرے کا پورا مفہوم اخذ کرتی جیسے رنج و ملال کی گہری دلدل میں دھنس گئی، روح کا بوجھل پن بڑھ چکا تھا، وہ اپنی بہن کو دیکھ رہی تھی جس نے اپنے وجود، دل، نگاہوں، خیالوں، خوابوں کو صرف وہاج حسن کی امانت سمجھا تھا وہ وہاج حسن جس کی بے رخی، اجنبیت اور بیوفائی نے اسے بکاؤ مال بنا دیا۔

سر جھکاؤ گے تو پتھر دیوتا ہو جائے گا
اتنا مت چاہو اسے وہ بے وفا ہو جائے گا
روٹھ جانا تو محبت کی علامت ہے مگر
کیا خبر تھی وہ مجھ سے اتنا خفا ہو جائے گا

☆☆☆

مجھے سمجھ نہ آتا تھا
کہ، اس کے دلربا سے لہجے میں
بیگانگی کیسے در آئی تھی
پرخلوص رویے میں کیوں
سلوٹیں پڑی تھیں
دلکش مسکراہٹ میں
بیزاری سمٹ آئی تھی
وہ اس کے لمس کا جادو
ہوا میں تحلیل ہو چکا تھا
وہ ہر طرح اسے خوش کن لگنے والی
شخصیت کا رنگ تھا نیا سا
کسی بھی پہلو سے وہ لگا نہ تھا شناسا

عجب طرح کا چہرہ تھا اس کا
عجیب بے چینی تھی
سوچتے سوچتے اچانک جو
نظر میری چہرے پہ اس کے پڑی
تو عجیب سی اک تحریر تھی
پھر تمام اجنبی اداؤں کا مفہوم
سمجھ میں آ گیا
کیونکہ آنکھ میں اس کی
اک نئی تصویر تھی

اپنے آپ کو بہت سمجھا چکنے کے باوجود حسد و رقابت کی آگ اسے اندر سے بری طرح دہکا رہی تھی، وہاج حسن اور سعیہ کے درمیان ایسا تعلق ایسا ناطہ موجود تھا جو شہریار کو کھولا رہا تھا، وہ جذبے وہ محبتیں جو سعیہ کا شوہر ہونے کے ناطے صرف اس کا حق تھیں وہ اِدھر اُدھر لٹاتی پھرتی تھی۔

''کیوں کرتے ہیں لوگ ایسا پیمان کسی سے باندھ کے تعلق کہیں اور بنا لیتے ہیں دل پہ نقش کسی کا ابھار کر وجود کسی اور کو سونپ دیتے ہیں اور میری محبتوں چاہتوں خلوص کو تم نے اتنا ارزاں کیوں سمجھ لیا کہ مجھے مہرہ بنا کر رشتوں کا تقدس پامال کرتی رہیں، تمہیں تو بہت شدتوں سے چاہا تھا میں نے تم تو کم از کم میرے ساتھ ایسا نہ کرتیں۔''

بے حد بوجھل سرد کھتی آنکھیں لئے شہریار نے لان کی طرف دیکھا یہاں آم کے درخت کے نیچے کین کی سفید چیئر پر وہ بیٹھی تھی اس کے تراشیدہ بال اڑ اڑ کر رخساروں کو چوم رہے تھے، روئی روئی سی بوجھل آنکھیں کسی سوچ میں گم تھیں، کھوئی کھوئی اور افسردہ افسردہ ہر روز سے بے حد مختلف لگ رہی تھی۔

اپنے ایک ایڈ کی شوٹنگ کے لئے وہ دو دن قبل دوبئی پہنچا تھا، بیگم شائستہ اور سعیہ اس کے ہمراہ تھیں کام تو ان کا تھوڑا تھا مگر شائستہ بیگم کا خیال تھا کہ سعیہ اور شہریار کام سے ہٹ کر کچھ وقت ایک دوسرے کو بھی دے لیں تو ان کے آپسی معاملات سیٹ ہو سکتے ہیں، اگرچہ سعیہ آنے کو بالکل تیار نہ تھی کیونکہ اس کی واحد دوست صبا کی اسی ویک اینڈ پر شادی تھی اور سعیہ یہ ہفتہ صرف صبا کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی مگر ایک تو مما کا حکم پھر شہریار کی تائیدی خاموشی و سنجیدگی وہ ماحول کو مزید کدورت سے بچانے کو تیار ہو گئی مگر یہاں اتنے خوبصورت ماحول، دلکش موسم اور سحر انگیز فضاؤں میں بے حد حسین ساتھی کی قربت کا احساس تنہائی کچھ بھی تو انہیں یکجا کرنے میں معاون نہ ہو رہا تھا۔

شائستہ بیگم صرف انہیں تنہائی دینے کے خیال سے اپنی کسی دوست کے ہاں تھیں اور وہ دونوں اپنے یونٹ کے لوگوں کے ساتھ مہنگے ترین ہوٹل میں ٹھہرے تھے، سعیہ ابتر ذہنی کیفیت کے باوجود اس مختصر سے ٹرپ پہ آئی تھی تو دل میں اک خوش فہمی سی تھی کہ پل میں تولہ پل میں ماشہ ہو جانے والے اس بے مہر شخص کا رویہ کچھ بدل جائے اور ایسا سوچتے ہوئے اس نے شہریار کے لئے اک انجانا سا گداز محسوس کیا تھا جانے کیوں وہ جتنا گریز برت رہا تھا جتنا دور ہو رہا تھا، سعیہ کو خود سے اتنا قریب اور اتنا ہی زیادہ اپنا لگ رہا تھا، وہ دل کا مکین تھا اور دل تو کسی کی نہیں مانتا وہ بھی دل کے آگے بے بس تھی، ایک بار پہلے خود کو

داؤ پر لگا دیا تھا، رشتوں کو بچانے کے لئے اور ایک بار پھر خود کو داؤ پر لگا رہی تھی محبت بچانے کو، وہ محبت جو اس نے سوچی تھی نہ کرنی چاہی تھی مگر دل کی بارگاہ میں سر جھکائے اسی محبت کے لئے روتی تھی، یہ محبت جس نے اسے اکھڑ مزاجی سے نکال کے ایک متانت زدہ رویے میں قید کر دیا تھا، یہ محبت جس سے پسپائی اختیار کرتی وہ شہریار کے قریب آنے کے جتن کرتی اور وہ سرد مہری، بے اعتنائی کے خول میں مقید نو لفٹ کا بورڈ بنا رہتا، زندگی اس کے لئے بے حد کامیاب تھی وہ چاند کی ہم سفر تھی مگر اس چاند کی چاندنی اس کا نصیب نہ تھی اور یہی حقیقت دل کے ٹکڑے کر رہی تھی۔

وہ بہت نرمی، محبت سے اپنی ماڈل کو ایکشن میں آ کے بولنا سکھا رہا تھا اپنی تمام تر مردانہ وجاہت و خوبصورتی کے ہتھیاروں سے لیس فریش اور ہنستا مسکراتا، کیا کوئی اندازہ کر سکتا تھا اپنے گھر میں اپنی من چاہی بیوی کے ساتھ اس کا رویہ کتنا سنگدلانہ، خشک اور روڈ تھا، وہ کیسے قدم، قدم پہ اس کی تضحیک کرتا تھا، اپنے رشتے کو بھی کسی ان چاہے بوجھ کی مانند بوجہ مجبوری خود پہ لادے پھرتا تھا اور یہاں اس جگہ، اس گھڑی، اس پل اپنے سامنے ذرا سے فاصلے پہ بیٹھی اس نازک اور حسین لڑکی کو مکمل طور پر نظر انداز کیے اپنی کوڑھ مغز ماڈل کے ساتھ مصروف تھا۔

اپنے اردگرد بکھرے قدرت کے حسین مناظر اور خوبصورت ماحول یک ٹک اپنی طرف دیکھتی سعیہ سے اسے کوئی سروکار نہ تھا، جبکہ یونٹ کے بقیہ تمام لوگ اسے خصوصی پروٹوکول اور توجہ دے رہے تھے، سوائے اس کے جس کی طرف سعیہ کا روم روم متوجہ تھا۔

ایڈ کی شوٹنگ شروع ہو چکی تھی ماڈل جدید طرز لباس میں بے حد ماڈ لک دیتی ہنستی مسکراتی آدھ منٹ کا کمرشل اوکے کروا رہی تھی، جس کا مکمل شوٹ چار شوٹس میں تھا اور ہر شوٹ میں اس کا لباس، جیولری، میک اپ اور انداز الگ ہوتا، شہریار کیمرے کے پیچھے کھڑا محویت سے شوٹ اینگل دیکھ رہا تھا، اسے دیکھتے دیکھتے سعیہ کی شربتی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے، اسے اپنا وجود بے کار اور غیر اہم لگنے لگا تھا۔

''موسم ٹھیک نہیں ہے مسٹر شہریار میرا خیال ہے ہم باقی کا کام کل کر لیں۔'' اسٹل فوٹو گرافر معید نے کہا تو سب نے سر اٹھا کر موڈ بدلتے بادلوں کو دیکھا تھا، جو بڑھ کر سورج کو ڈھانپ چکے تھے ٹھنڈی ہوائیں کالی گھٹائیں بڑا خوشگوار سا تاثر پیدا کر رہی تھیں۔

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو، مجھے تو بھوک بھی لگ رہی ہے۔'' شہریار بولا۔

''تو وائنڈ اپ کر کے کھانا کھائیں۔'' معید نے کہا۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ، مگر ایسے موسم میں لاہور کے کھابے یاد آتے ہیں۔'' ان کی ماڈل نے کہا تو شہریار ہنسا۔

''آپ کی صحت سے لگتا تو نہیں کہ وہ کھابے آپ نے کھائے ہوں گے۔''

''میں بہت خوش خوراک ہوں بس اللہ نے ہڈی ایسی بنائی ہے کہ فالتو چربی چڑھتی نہیں۔'' وہ ادا سے ہنسی۔

اسی پل بادل زور سے گرجے تھے بجلی چمکی تھی موسم کی شدت سے خوف کھاتی سعیہ دہل سی اٹھی بارش اچھی لگنے کے باوجود اسے گرجتے بادلوں اور چمکتی بجلی سے ہمیشہ خوف آتا تھا وہ لرز رہی تھی شہریار اپنے یونٹ کے لوگوں کو ہدایات دیتے ہوئے تمام ضروری سامان پیک اپ کروا رہا تھا، وہ اب بھی اس کی

طرف متوجہ نہ تھا جیسے وہ بے کار اور فالتو شے تھی جسے ایک غیر اہم جگہ رکھ کر وہ بھول بیٹھا تھا، سعیہ کی آنکھوں کے آگے نمی کا غلاف پھر پھیلنے لگا، یکدم وہ پلٹا اور قدرے سخت لہجہ میں بولا۔

"تم اگر مراقبہ پورا کر چکی ہو تو اپنے کمرے میں چلو۔" اپنے ماتحت یونٹ وعملہ کے اتنے لوگوں کے سامنے اس کا روڈ اور خشک انداز جیسے سعیہ کے دل کو چیر گیا۔

"میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں، اپنے عام سے ورکر سے بھی کمتر سمجھتا ہے یہ مجھے، اسے بولتے ہوئے ذرا بھی میرے جذبات واحساسات اور عزت نفس کا پاس نہیں رہتا، یہ شخص ہر جگہ مجھے بری طرح ہرٹ کرتا ہے۔" سعیہ کا ڈپریشن بڑھا وہ اپنے آپ کو شہریار کی زندگی سے یکسر الگ جدا اور منفی ہوتے محسوس کر رہی تھی، اس کا دل پھر بھر آنے لگا۔

"تم، اسٹوپڈ لڑکی، میں تمہیں اٹھنے کا کہہ رہا ہوں اور تم کیا بہوش بیٹھی ہو۔" بے حد سنگدلانہ طریقہ سے بازو گھسیٹ کر وہ اسے کھڑا کر گیا، بادلوں کی تیز گڑگڑاہٹ کے ساتھ زوردار طریقہ سے بجلی کڑکی تو سعیہ بھی ماؤف ذہن کو بیدار کرتی آنکھیں پونچھتی آگے بڑھنے لگی، بارش کی پھواروں کے ساتھ بادلوں کا اندھیرا بھی بڑھا تھا، شہریار اپنے مغرور سا سیدھا چلا جا رہا تھا ناک کی سیدھ میں بنا مڑ کے دیکھے کہ وہ پتھریلی سڑک اور اونچے نیچے راستوں پر لڑکھڑاتے ہوئے طوفانی موسم سے خوفزدہ ہوتی گرتی پڑتی کیسے آ رہی تھی۔

دن اتنا نہیں ڈھلا تھا مگر سیاہ بادلوں نے اس کی روشنی تاریکی میں بدل دی تھی سعیہ بہت دھیان سے چھوٹے بڑے پتھروں پر پاؤں رکھتی خود کو گرنے سے بچاتی چل رہی تھی مگر نیم اجالے میں پاؤں غلط پڑا وہ لڑکھڑائی اور دائیں طرف کو لڑھکتی گہری کھائی میں جانے لگی۔

☆☆☆

"سیاحت کے حوالہ سے کسی چیز کا نام لیجئے وہ آپ کی اس علاقہ میں ملے گی، دنیا کے مصروف پہاڑی سلسلے کوہ قراقرم، کوہ ہمالیہ دنیا کے بلند ترین پہاڑ کا سلسلہ ادھر ہے یہ دوسری بلند ترین چوٹی کے ٹو بلتستان میں واقع ہے، پھر نانگا پربت، راکاپوشی، براڈ پیک ہیں ہمالیہ کوہ ہندوکش کے اکثر و بیشتر حصے آج تک پہلے انسانی قدم کا انتظار کر رہے ہیں، دریاؤں کی بات کریں تو دریائے سندھ، شیوک، دریائے شگر اور کئی بڑے بڑے دریا یہاں موجود ہیں، دنیا کی بہترین جھیلیں سدپارہ، کچورا، کت پناہ، شنگریلا، جباریہ اور متعدد دوسری جھیلیں، صحرا ہیں تو ٹھنڈے چشمے بھی گرم بھی جنگلات جن میں چیڑ، بوہنیر، سفیدہ، بیر، چنار، بید مجنوں، سلوفر اور بھوج پتر کے درخت ہیں، جنگلی حیات میں مارخور، اڑیال، آہو، بھیڑیے، چیتے، ریچھ تو چکور، رام چکور، مرغابی، جیسے پرندے، ٹراؤٹ سمیت دنیا کی بہترین مچھلی وسیع وعریض وادیاں بہترین مقامات، پیراشوٹ گائیڈز کے لئے لئے بہترین مواقع۔" ان کا گائیڈ بلتستان میں داخل ہوتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"یہاں سیاحت کی ہر شے موجود ہے پھر سیاحت میں رکاوٹ کیا ہے۔" ماریا نے اچنبھے سے پوچھا۔

"سیاحت کی بہترین باتوں کو بھلا کر اپنے اقتدار وعنانیت میں گمشدہ رہنا۔" گائیڈ بولا۔

ہلکی ہلکی پھوار میں وہ لوگ سدپارہ جھیل پہنچے، جھیل کے کنارے ایک خوبصورت ہوٹل تھا ہوٹل

انتظامیہ نے ٹراؤٹ فش اور گرما گرم چائے سے ان کی تواضع کی۔

"اس جھیل کے سات کونوں کی وجہ سے اسے ست پارہ کہا جاتا ہے۔" مقامی گائیڈ نے بتایا۔

"اس جھیل پر ایک بند بھی تعمیر کیا گیا تھا، جس کی تعمیر میں مٹی بجری اور انڈوں کی زردی بھی استعمال ہوئی تھی۔"

"انڈوں کے آملیٹ بنا کر مزدوروں کو کھلائے گئے ہونگے۔" راحیل ہنسا۔

"مزدور بیچارے تو روکھی سوکھی کھاتے تھے، انڈوں کی زردی کو چونے میں ملا کر پتھر جوڑنے کے لئے گارے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔" گائیڈ نے وضاحت کی۔

"امیزنگ، اتنے انڈے آئے کہاں سے، اسوقت تو پولٹری فارم بھی نہ ہونگے۔"

"یہاں کے حاکم علی شیر نے رعایا سے ہر آدمی سے ایک ایک درجن انڈے منگوائے تھے۔"

وہ اتر وڈ کے چودہ کلومیٹر دور پیدل چل کر کنٹرول جھیل بھی پہنچے تو چاندنی رات میں جھیل کے ساکن پانی پر چاندی کی چادر بچھنے کا نظارہ بھی کیا، ماریا کو ناروے، سویڈن، جرمنی کی جھیلیں یاد آ گئیں، ورڈزورتھ کے لیک ڈسٹرکٹ کی جھیلوں کے سحر آگیں مناظر بھی نگاہوں میں پھر گئے، لیکن ست پارہ جھیل واقعی ست پارہ ہے، دیوسائی کے مدیان میں پھولوں بھری وادیوں سے گنگناتی ندیاں آ کر اس جھیل میں ملتی ہیں تو زندگی مسکرا اٹھتی ہے۔

تین اطراف سے پہاڑوں میں گھری یہ جھیل ماریا کو قدرت کی صناعی کا شاہکار لگی، تا حد نظر اتنا شفاف پانی کہ تہہ میں پڑے سنگریزے بھی دکھائی دیتے ماریا نے اپنے ہمراہ موجود لوگوں کے ساتھ تصاویر بنوائیں، جبکہ ہلکی ہلکی پھوار اب موسلا دھار بارش میں بدل چکی تھی، ٹھنڈی ہوائیں یخ بستہ جھکڑ بن گئے دن کا قدرے گرم درجہ حرارت یک لخت نقطہ انجماد کی طرف بڑھنے لگا، اس شدید سردی سے بچاؤ کے لئے سب جلد ہوٹل پہنچے گرم کپڑوں کے ساتھ سویٹر پہنے، کھانے میں ان کے لئے سوپ، مرغ چاول، دیگر لوازمات تھے، کھانے کے دوران روایتی کھانوں پہ گفتگو چل نکلی۔

گائیڈ نے کئی نام گنوا دیے مثلاً ہرسب کھور، پلاپو، خور، خور بلے، تراسفہ، مارزانیلانو۔

"مارزانیلانو تو شاید پلاؤ ہو گا، خور فور کوئی خوری بننے والا کھانا جسے کھانے والے بلے بلے پکارتے ہونگے اور تراسفہ شاید تر پھلا ہو ہرسب کھور سب کے کھانے والا ہو گا یہ مارزان کیا ہے؟" راحیل نے نیم مزاحیہ انداز میں کہا تو سب ہنسنے لگے۔

"یہ سب مقامی کھانے ہیں اور زیادہ تر ان میں آٹا، دودھ گھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں کی سب سے اہم چیز یہ نمکین چائے ہے جس میں سبز چائے، سوڈا، دودھ، نمک اور مکھن استعمال ہوتا ہے۔"

چائے واقعی لذیز تھی اگلے دن ناشتے کے بعد وہ شنگریلا جھیل دیکھنے گئے اور اسکردو کے بغیر ایئر پورٹ کے بڑے خوبصورت رن وے کے سامنے کیڈٹ کالج کی خوبصورت عمارت بھی دیکھی ذرا آگے ہوئے تو بیروں کے درخت تھے لاتعداد اور بے شمار جن کی دھیمی دھیمی خوشبوئیں آنے لگیں، ان کی گاڑی دریائے شگر کے کنارے رواں دواں تھی جبکہ گائیڈ اس دریا کے مڑنے اور گزرنے کا خدوخال بھی بیان کر رہا تھا، یہاں کی گائیں بھی دیکھیں جو بکریوں سے کچھ ہی بڑے سائز کی تھیں۔

مقامی لوگ خاصے منکر المزاج، صلح جو اور ہمدرد سیاحوں کے لئے سراپا تعاون نظر آئے، ایک شخص نے انہیں اپنے بھائی کی شادی میں بھی آنے کو کہا، پتا چلا کہ مقامی شادی میں پہلا دن کھوررلق کہلاتا ہے جس کی شام کو اہل محلہ جمع ہوتے ہیں اور کولچہ پکتا ہے جو پیزا قسم کی شے ہے ایک کولچے کا وزن نصف کلو سے زیادہ ہوتا ہے۔

''دوسری رات مہندی کی ہوتی ہے مقامی زبان میں اسے ''سیر موسنگ'' کہتے ہیں، دلہن کے گھر پکا ہوا کھانا کولچے اور کھبے بھیجا جاتا ہے جنہیں دلہن کا ماموں سب کے سامنے کھولتا ہے۔''

''کیا ماموں ہی سب چٹ جاتا ہے۔'' وصی کا انداز شرارتی تھا۔

''نہیں وہ ایک، ایک ٹکڑا بانٹتا ہے جو ایک طرح سے دلہن کے ساتھ بارات میں جانے کا دعوت نامہ بھی ہے جسے وہ ٹکڑا ملے گا وہ دلہن کے ساتھ ہوگا جبکہ مہندی کی رسم کو ماربچوس بھی کہتے ہیں اس دن کے لئے خاص طور پر مکھن تیار کیا جاتا ہے۔''

''یہاں کی بارات کیسے جاتی ہے گھوڑے، گاڑی یا پیدل؟'' وشمہ نے پوچھا۔

''گھوڑوں پر بھی، گاڑیوں پر بھی اور بارات دلہن کے گھر نہیں جاتی بلکہ اردگرد کی بستیوں میں سیر کر کے شام کو گھر آجاتی ہے۔''

''ہائیں تو پھر دلہن کیسے پہنچتی ہے۔'' سب حیرت زدہ ہو کر چلائے۔

''دلہن کے پچاس ساٹھ عزیز و اقارب گھر والے اسے گھوڑے پر بٹھا کے لاتے ہیں یا دلہن کا ماموں اسے اپنی پیٹھ پر سوار کر کے لے جاتا ہے۔''

''آہ، بیچارا ماموں۔'' وصی دکھی ہوا۔

''جی بیچارے ماموں برسوں سے یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔'' شادی پہ گفتگو کرتے ہوئے وہ لوگ ایسے علاقہ میں آپہنچے تھے یہاں غروب آفتاب سے پہلے کا منظر دیکھنے والوں پر حقیقتاً ایک سحر طاری کر رہا تھا، پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں سونے کا ڈھیر معلوم ہوتی تھیں، آسمان پر اڑنے والے بادل مختلف رنگوں میں رنگی ہوئی روئی کی طرح اور پانیوں میں ماحول کا رنگین عکس ناقابل بیان مناظر کی تخلیق کر رہا تھا، خودرو، لامحدود رنگوں کے پھول زمین پر قالین کی طرح بچھے حسین ترین لگ رہے تھے، یہاں وہ اس وقت کھڑے تھے یہ سات ہزار آٹھ سو اکیس میٹر (25660 فٹ) بلند دنیا کی چوبیسویں اور پاکستان کی دسویں بلند ترین چھوٹی مشہ بروم k-i کے سائے میں واقع وہ گاؤں تھا جہاں دنیا بھر کے کوہ نورد اور ایڈونچر کے متلاشی ایک ناقابل بیان کیفیت کا شکار ہو جایا کرتے ہیں، یہیں اپنی نوعیت کا سب سے بلند اور خطرناک پہاڑی سلسلہ قراقرم ہے جو کوہ نوردوں کے رگ و پے میں سنسنی کی علامت سمجھا جاتا ہے، ہو شے پاکستان کا وہ حسین ترین خطہ جس کی سحر انگیز صنائیوں اور خاصیت و خوبصورتی کی وجہ سے کسی بھی ملک کے باشندے بار بار آنے کی خواہش کرتے ہیں، یہاں علاقوں کے پر پیچ راستوں، اترتی چڑھتی پگڈنڈیوں اور آسمان کو چھوتے دروں کی وجہ سے نادر فطرت عجائب ورنگ انسان کو متحیر کر دیتے ہیں۔

☆☆☆

حیدر صاحب کے چہرے پر واضح پریشانی جھلک رہی تھی نزہت بیگم کا بھی برا حال تھا رو کر وہ گھر

جہاں ان کی اکلوتی بیٹی صبا کے دم سے زندگی ڈورا کرتی تھی، اس گھر کے مکین آنسوؤں سے تر چہرے لئے بیٹھے تھے، لاہور میں جتنے ہسپتال تھے سب سے صبا کا پتا کیا جا رہا تھا، عدیل اور راحیل اپنے کرنز کے ساتھ ان کے یونیورسٹی ٹرپ پہ تھے، انہیں کچھ علم نہ تھا پیچھے گھر میں کیا سانحہ بیت رہا ہے، نزہت مسلسل روئے جاتی تھیں۔

''فضی بیٹی مامی کو کچھ کھلاؤ۔'' ان کی نند نے اپنی بیٹی کو پکارا۔

''مامی پلیز آپ فکر مت کریں ہم ہر ہاسپٹل سے پتا کر رہے ہیں اور ہر جگہ ہدایات جاری کر دی ہیں صبا کا جلد پتا چل جائے گا۔'' ان کا بھتیجا بولا تھا۔

''ماموں پلیز آپ بھی کھانا کھائیں اور ممانی کو بھی کھلائیں اگر آپ لوگ حوصلہ ہار دیں گے تو باقی لوگ کیسے خود کو سنبھالیں گے اور ضروری نہیں کہ صبا کی حالت سیریس ہی ہو یہ حادثہ معمولی بھی ہو سکتا ہے آپ اطمینان رکھیں وہ جلد ہمارے درمیان ہوگی۔'' اب وہ بہت مضبوط لہجہ میں انہیں حوصلہ دے رہا تھا۔

اور عین اس وقت جب اپنے سامنے رکھے کھانے کو وحشت زدہ انداز میں دیکھتے ہوئے نزہت کا چہرہ مزید سوگوار ہوا تھا گھریلو P-T-C-L سیٹ کی بیل بجی، انہیں ہاسپٹل کا نام اور لوکیشن بتائی گئی یہاں صبا ایڈمٹ تھی ایمرجنسی میں کندھے کولہوں بازوؤں اور دائیں ٹانگ پر شدید چوٹوں کے باعث اس کا بہت خون بہہ چکا تھا، اسے مصنوعی سانس کے ساتھ بلڈ ڈونیٹ کیا جا رہا تھا ڈاکٹروں کی پوری ٹیم صبا کو زندگی کی طرف لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

خون کی مزید ضرورت تھی صبا کا خون او نیگیٹو تھا، پہلے وہاج حسن خون دے رہا تھا، اب جمال صاحب دے رہے تھے، ڈاکٹر نزہت بھی ڈاکٹرز کے ساتھ اپنی بیٹی پر جھکی اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتیں بروئے کار لا رہی تھیں، جبکہ وہاج حسن لب بھینچے متفکر نگاہوں کے ساتھ آئی سی یو میں شیشے کے پار لیٹے وجود کو دیکھ رہا تھا، جس کی تقدیر میں پتا نہیں کیا لکھا تھا۔

''سر پلیز، حوصلہ کریں She will be fine dont worry۔'' وہ حیدر صاحب کو دلاسہ دے رہا تھا۔

''وہاج ڈاکٹرز کے مطابق اس کی ٹانگ اوپر جوڑ کے پاس سے ٹوٹی ہے اور سر پہ آنے والی چوٹ بھی گہری ہے، وہ ایک ہی بیٹی ہے میری اور دو دن بعد اس کی شادی تھی اب اگر وہ معذور ہو گئی تو......؟''

خدشات، خوف ڈر سے بوجھل لہجہ اور خاموشی سے بھیگتی آنکھوں سے کنارے وہاج کو عجیب احساس جرم نے آن گھیرا بہت ساری دعائیں اپنے دل میں خاموشی سے اس لڑکی کے مانگی تھیں جس کی جاں اس گھڑی سخت مشکل میں گھری تھی، وہ تو دل کی انگلی تھامے محبت کی منانے اپنی رو میں تیز تر جا رہا تھا، اسے کیا معلوم تھا اس کی تیز رفتاری ایسے خطرناک حادثے کا باعث بن جائے گی۔

''اسے کچھ نہیں ہوگا جس کے لئے اتنے لوگ تشویش میں ہوں، اتنی دعائیں مانگی جا رہی ہوں، اسے کچھ کیسے ہو سکتا ہے، Turst in God, belive it, she will be servive۔''

''She will be fine۔'' وہاج حسن مدہم لہجہ میں بولتا ان سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دے

رہا تھا۔

''مبارک ہو، آپ کی بیٹی کی جان بچ گئی، Every thing is fine and under controlld۔'' آئی سی یو سے باہر آتے ڈاکٹر نے انہیں نوید سنائی تو وہاج حسن نے تشکر آمیز انداز میں گہرا سانس لیتے ہوئے اپنے دل سے کوئی بوجھ سرکتا محسوس کیا تھا، وہ اپنے آپ کو کتنی اذیت میں محسوس کر رہا تھا، یہ وہی جانتا تھا۔

''ڈاکٹر کوئی پریشانی کی بات تو نہیں۔'' حیدر صاحب غیر مطمئن سے بولے۔

''فی الحال تو صرف آپ اپنے رب کا شکر ادا کریں کہ زیادہ بلیڈنگ اور سیریس چوٹوں کے باوجود وہ زندگی کی طرف لوٹ آئی، باقی تسلی بعد میں کر لیجئے گا۔'' ڈاکٹر ملائمت سے بولا تو وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیے۔

''ہوش میں آنے کے کئی گھنٹے بعد تک بھی کسی کو صبا سے ملنے نہیں دیا گیا تھا، اسے ابھی تک بلڈ لگ رہا تھا، پھپھو کی ساری فیملی اور دیگر عزیز و اقارب پتا کرنے آتے رہے اور جب ڈاکٹرز نے بتایا کہ صبا کی دائیں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے اور وہ اب کم از کم چھ ماہ اسے ہلانے، کام میں لانے کی پوزیشن میں ہیں ہو گی چھ ماہ کے بعد ٹانگ میں آپریشن کے ذریعے لوہے کا راڈ ڈالا جائے گا جس کے کچھ عرصہ بعد وہ چل پھر سکے گی، سال بھر بعد آپریشن کے ذریعے ہی یہ راڈ نکالا جائے گا اور پھر ہڈی جڑے گی۔''

یہ ایک لمبا اور تکلیف دہ پراسس تھا ڈاکٹر ہونے کے ناطے نزہت بیٹی کی کیفیت و کنڈیشن سے بہتر و بخوبی واقف تھی اور ماں ہونے کے ناطے وہ خود کو اس وقت کس تکلیف و پریشانی میں پاتی تھیں یہ خدشات، وہم وسوسے کیا تھے حیدر صاحب بھی واقف تھے، مگر کیا کر سکتے تھے سوائے ضبط کرنے اور برداشت سے کام لینے کے ہفتہ بعد صبا کو ابھی ہاسپٹل رہنا تھا، ان کی بہن مع فیملی کے واپس جا چکی تھیں ایک بیمار اور معذور لڑکی کا بوجھ اٹھانے سے بہت سہولت سے معذرت کر کے بہت چھپانے کے باوجود صبا کو سب پتا چل چکا تھا، اس کی آنکھوں میں دھواں سا بھرا تھا اور اندر کچھ ٹوٹا تھا، اس کا نسوانی غرور، تمکنت اور سیلف رسپیکٹ، نمکین پانی پلکوں کے کنارے توڑ کر باہر نکلا اور تکیہ بھیگتا چلا گیا۔

وہاج حسن کے لئے یہ لمحات کتنے اذیتناک تھے صرف وہی سمجھ سکتا تھا ایسی زندگی سے، خوبصورتی سے بھرپور لڑکی جو خوابوں، رنگوں، خواہشوں کے جگنو لئے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہی تھی صرف اس کی وجہ سے ہر خوشی و احساس سے دور ہو گئی کیا وہ اس لڑکی کے نقصان کا ازالہ کسی صورت کر سکتا تھا، وہاج حسن نے شدت کرب سے آنکھیں موندتے ہوئے خود کو بے بسی اور دکھ کی انتہا پہ محسوس کیا۔

نزہت اس کے لئے سوپ لائی تھیں، صبا نے ان کی طرف دیکھا تھا نہ ان کے قریب آنے کا نوٹس لیا تھا، وہ مکمل طور پر اجنبی دکھائی دیتی تھی، گریزاں، خاموش اس بوجھل اور کثافت بھرے ماحول میں سرسری، بے خبر یا بے دھیان سی بات بھی نہ کرتی، ایک لڑکی کے خواب ٹوٹ جائیں تو اس کے دل اور آنکھوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور نزہت اسی تکلیف سے بچانے کو سب چھپا رہی تھیں مگر وہ جان گئی کیسے، کس نے بتایا لیکن اسے سب پتا تھا اور اب بالکل چپ ہو گئی تھی کوئی کتنا بلاتا کچھ نہ کہتی اور کہنے کو رہ بھی کیا گیا تھا۔

عدیل اور راحیل کو حادثے کا اب تک نہیں بتایا گیا تھا صرف یہ کہا گیا تھا کہ شادی ہفتہ آگے بڑھ چکی ہے تم مزید دو دن ٹھہر کے آ سکتے ہو، مگر اب جبکہ صبا کے ساتھ سب بیت چکا تھا اور وہ عجب بے بسی، بے یقینی اور بے اعتباری کے تاثرات میں گھری زندگی کو پا چکنے کے باوجود اسے جی نہیں رہی تھی تو بھائیوں کو سب بتانا تھا بہت حوصلہ کر کے یہ خبر ان دونوں تک پہنچا دی گئی۔

صبا کے ساتھ ہونے والا حادثہ بعد کے واقعات اور صبا کی موجودہ کیفیت وہاج حسن خود کو سارے خرابے کا ذمہ دار سمجھتے ہوئے پریشانی اور ذہنی تناؤ کا شکار تھا، اس کی ٹینشن اتنی بڑھ چکی تھی کہ اریبہ اشفاق سے تمام دھیان ہٹ چکا تھا، اس کی سوچ کا ہر سرا اس گم صم لڑکی سے جا ملتا تھا جو زندگی کی خوشیاں صرف اس کی وجہ سے ہار چکی تھی۔

''میرے کون سے اس سے خون کے رشتے ہیں اور یہ سب ایسے ہونا تھا، میرا سوچنا بے کار ہے، اس کی قسمت میں یہی حادثہ لکھا تھا وجہ سب کوئی ٹھہرتا ہوتا تو یہی سب تھا تو سوچ کر خود کو اذیت دینے سے فائدہ؟''

اپنے جرم کو خود تک محدود رکھے وہ دلائل پیش کرتا اپنے آپ کو بری الازمہ قرار دینے کی کوشش کرتا تو آنکھوں سے بھرپور آنسو لئے بہت کچھ کھو جانے کا احساس زیاں پائے معصوم صورت اس کی نیند اڑا دیتی۔

(جاری ہے)

عہد رُت آئی پیا

فرحت عمران

مکمل ناول

سورج کی حدت میں صبح سے ہی شدت تھی، جو گرم دن کی غماز تھی، ماہ مئی کا اخیر تھا، موسم گرم اور حبس زدہ تھا چھوٹے سے صحن میں بوڑھے برگر کے درخت کے عین نیچے چارپائی پر لیٹے ابا کی منتظر نگاہیں مسلسل گھر کی بیرونی دہلیز پر ٹکی تھیں، انشال کچن میں مصروف تھی، وہ ناشتہ کر چکی تھی اور ابا کو دوائی لینے سے کچھ دیر قبل ناشتہ کرنا تھا، وہ اس دوران اپنے روزمرہ گھریلو امور نبٹانے میں مگن تھی۔

وہ کئی بار ابا پر بھی نظر ڈال چکی تھی وہ اردگرد سے بے نیاز بیرونی دروازے پر نگاہیں ٹکائے ہوئے تھے، انشال کے پورے وجود میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی، اس نے غصے سے صحن میں زور زور سے جھاڑو دینا شروع کر دیا، نجانے اسے اتنا غصہ کیوں آ رہا تھا، وہ خود بھی اپنے غصے کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی، اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ اسے زیادہ غصہ کس بات پر آ رہا تھا، ابا کے انتظار پر یا اپنی "بے وقوفی" پر، اس نے مزید تیزی سے جھاڑو دینا شروع کر دیا، لیکن ابا کا انہماک نہ ٹوٹا تھا، انشال نے بےزاری سے کام سمیٹا اور ابا کے لئے ناشتہ لے آئی۔

ابا نے چونک کر اسے دیکھا، ان کا انہماک ٹوٹ گیا تھا لیکن آنکھوں میں کہیں دور سوچوں کا شائبہ موجود تھا جو یقیناً انشال کو دیکھ کر ابھرتا، انشال نے ان کے پاس پڑی میز پر ناشتہ چن دیا، ابا خاموشی سے بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے، انشال کو ان کی خاموشی غنیمت لگی اور وہ ان کے لئے چائے بنانے کے لئے کچن میں چلی گئی۔

"انشال بیٹا تمہیں پھپھو کو خط پوسٹ کیے کتنے دن ہو گئے ہیں؟" وہ دو کپوں میں چائے ڈال کر لائی تو ابا نے اپنی خاموشی توڑی، وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی، اس کا ارادہ ابا کے ساتھ چائے

پینے کا تھا، اس نے ہوش سنبھالتے ہی صرف ابا کی شفقت پائی تھی، وہ ان سے زیادہ دیر خفا رہ ہی نہ سکتی تھی سو وہ اپنی خفگی و کوفت بھلائے ان کے ساتھ چائے پینے کی غرض سے ان کے پاس آ بیٹھی تھی، ابا کے سوال نے اسے سخت بدمزہ کر دیا اور چائے کا پہلا گھونٹ اس کے حلق میں پھنس کر رہ گیا، اس کی چند لمحے قبل کی کوفت و بیزاری عود آئی تھی۔

''دو ہفتے۔'' اس نے حتی الوسع لہجہ نرم رکھنے کی سعی کی تھی، اسے ابا کی کیفیت کا احساس تھا وہ جانتی تھی کہ ابا اس کی وجہ سے بہت زیادہ فکر مند رہتے ہیں، اس نے مختصر جواب دے کر چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔

''دو ہفتے۔'' ابا کے لبوں پر الفاظ کپکپا گئے ان کا ہاتھ لرز گیا اور وہ ہاتھ میں پکڑا پراٹھے کا لقمہ منہ تک لے جانا بھول گئے، ان کے بوڑھے چہرے پر جھریاں بڑھ گئیں، وہ سوچوں میں گم نجانے کہاں غائب ہو گئے تھے کہ انشال کو ان کا کندھا ہلا کر انہیں حال میں لانا پڑا تھا، انشال کو وہ اس لمحہ بہت کمزور اور بوڑھے لگے، وہ ہارٹ پیشنٹ تھے اور دوسرے ہارٹ اٹیک کے بعد اپنی زندگی سے تقریباً مایوس ہو چکے تھے، انشال انہیں خوش رکھنے کی بہت کوشش کرتی مگر ابا کو خوشی صرف اسی صورت مل سکتی تھی، جب وہ ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے گھر بار کی ہو جاتی، انشال ان کے بھانجے کی بچپن کی منگ تھی، فائزہ نے انشال کے پیدا ہوتے ہی اسے اپنے بیٹے کے لئے مانگ لیا تھا، ابا اور امی نے بات ٹال دی مگر دادی جان نے ننھی انشال کو تین سالہ خزیمہ کی گود میں ڈالتے ہوئے گویا بات ہی ختم کر دی۔

''یہ میرے خزیمہ کی ہے۔'' ابا اور اماں اس بات کے سخت خلاف تھے مگر دادی کے آگے ان کی ایک نہ چلی اور پھر فائزہ پھپھو کی بے لوث چاہت اور انمول خوشی نے ان کی زبان گنگ کر دی، انشال اکثر خزیمہ کا ذکر سنتی رہتی تھی، پھپھو دوسرے شہر میں مقیم تھیں، خزیمہ بچپن میں اکثر ان کے ہاں آتا رہتا تھا مگر بعد میں وہ اپنی تعلیم اور پھر بزنس میں اتنا مصروف ہو گیا کہ وہ بہت سالوں سے ان کے ہاں نہ آ سکا تھا، پھپھو بھی بیوگی کے بعد کم آنے لگی تھیں۔

گزرتے وقت میں امی اور دادی بھی خالق حقیقی سے جا ملیں تو ابا نے تنہا اس کی ذمہ داری سنبھالی تھی، اب ابا نے خط میں بہن کو یاد دہانی کرائی تھی۔

''ابا جنہیں آنا ہوتا ہے نا، وہ اپنا انتظار نہیں کرواتے ہیں، آپ پھپھو کا انتظار چھوڑ دیں۔'' انشال کے وجود میں دکھ نے انگڑائی لی اور زبان پھسل پڑی، ابا بری طرح دہل گئے۔

''نہ میری بچی، مایوسی کفر ہے، فائزہ زبان کی بہت پکی ہے۔'' ابا نے انشال کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر نجانے کسے تسلی دی تھی، انشال کو یا خود کو، وہ خود کو تو بہلا سکتے ہیں مگر انشال کو نہیں، اس کے ذہن سے بچپن کی منگنی اور خزیمہ کا عکس دھندلا چکا تھا، وہ حقیقت پسند تھی اور حقیقت یہی تھی کہ پھپھو خط ملنے کے دو ہفتے بعد بھی نہ آئی تھیں وہ یقیناً اس رشتے کو بھول چکی تھیں، تو پھر ابا کیوں اس رشتے کو یاد رکھے ہوئے ہیں، انشال نے تاسف بھرا سانس فضا میں خارج کیا اور برتن سمیٹنے لگی کہ اسے ابھی بہت کام نمٹانے تھے، اسے ابا کے یقین پر پھر غصہ آ گیا وہ تنے اعصاب و غصیلے پن سے دھپ دھپ کرتی چلی گئی ابا کے متحیر مگر پر سوچ نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

''نورین میری بہن، تم ذرا انشال کو سمجھاؤ، وہ ہر وقت غصے میں نہ رہا کرے اور اسے سمجھاؤ کہ مایوسی کفر ہے، اللہ بڑا رحیم و کریم ہے۔'' اس روز نورین خالہ ابا کی تیمارداری کے لئے آئی ہوئی تھیں ابا نے اکلوتی سالی سے اپنا حال احوال کہنے سننے کے بعد انشال کا ذکر چھیڑ دیا تھا، جو ابا کے خط پوسٹ کرنے کے سخت خلاف تھی۔

اسے بھیک یا محض ترس و ہمدردی نہیں چاہیے تھا، اس کا خیال تھا کہ پھپھو اس رشتے کو قائم نہیں رکھنا چاہتی ہیں جبھی انہوں نے کئی سالوں سے رابطہ محض فون تک رکھا ہوا ہے، ابا ان کا میکہ تھے وہ انہیں چھوڑ بھی نہ سکتی تھیں مگر انہیں اپنی امیر و خوشحال سسرال میں ابا سے ملنے پر احساس کمتری بھی ستاتا ہوگا، انشال کو امی کی جدائی اور ابا کی بیماری نے حد درجہ وہمی بنا دیا تھا، وہ ابا سے سخت خفا بھی ہوئی تھی، مگر ابا نے اسے منا لیا تھا، وہ ان سے زیادہ دیر خفا رہ ہی نہ سکتی تھی اس کا ان کے اور خالہ کے علاوہ دنیا میں کوئی نہ تھا، ابا نے خط تو جیسے تیسے انشال سے پوسٹ کروا لیا تھا لیکن ان کا انتظار ختم نہ ہو رہا تھا، وہ رب کی رحمت سے مایوس نہ تھے اور نہ ہی انشال کو مایوس دیکھنا چاہتے تھے، اسی لئے انہوں نے نورین کی منت کی، انشال ان کی کوئی بات نہ ٹالتی تھی جبکہ وہ ابا سے بھی کبھار ضد کر جاتی تھی۔

''انشال بیٹا! ادھر بیٹھو۔'' وہ ان کے لئے کولڈ ڈرنک لے کر آئی تو نورین نے محبت سے اسے اپنے پاس بٹھا لیا، انشال خاموشی سے بیٹھ کر دونوں ہاتھ گود میں رکھے اضطراری انداز میں مسل رہی تھی، اس نے ابا کی بات سن لی تھی، اسے ابا پر غصہ نہیں آیا تھا، اسے ان کی بات پر سبکی یا بیزاری بھی محسوس نہ ہوئی تھی اسے تو ابا کی معصومیت پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

''انشال فائزہ بہت اچھی ہے اسے تمہارے ابا سے بہت محبت ہے یہ رشتہ اسی کی خواہش پر طے ہوا تھا۔'' نورین نے سجاؤ سے بات کا آغاز کیا۔

''ہوں جبھی تو کئی سالوں سے اسلام آباد سے لاہور آنے کی زحمت نہیں کی انہوں نے کبھی اور نہ ہی کبھی خزیمہ کو بھیجا ہے۔'' انشال کے دل و دماغ میں تنفر تیزی سے ابھرا مگر وہ اسے زبان نہ دے سکی اور ساکت بیٹھے ان کی بات سنتی رہی، وہ اسے جو بات باور کرانا چاہتی تھی انشال اسے ان دونوں کی ''خوش فہمی'' سمجھتی تھی، اگر پھپھو کو اسے بہو بنانے میں ذرا سا بھی انٹرسٹ ہوتا تو وہ کبھی نہ کبھی دوبارہ اس بات کا ذکر ضرور چھیڑتی تا کہ رشتے کی تجدید ہو سکے مگر انہوں نے تو شاید مرے ہوؤں کے ساتھ یہ بات بھی دفن کر دی تھی جسے ابا متاع حیات کی مانند سنبھالے ہوئے تھے۔

''انشال! فائزہ تمہیں بحیثیت بہو بہت پسند کرتی تھی اس نے مجھ سے کئی بار ذکر کیا تھا۔'' نورین نے رسانیت سے اس کے تیکھے نقوش سے سجے دلکش چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ایک منٹ خالہ، آپ نے ابھی کیا کہا، وہ مجھے بحیثیت بہو بہت پسند کرتی تھی، تو کیا خبر یہ بات وہ قصہ پارینہ سمجھ کر بھول چکی ہوں۔'' انشال نے ''تھی'' پر زور دیتے ہوئے ان کی بات پکڑی نورین دل میں اس لمحہ کو پچھتانے لگی تھیں جب انہوں نے ''تھی'' کا صیغہ استعمال کیا تھا، نجانے کیسے یہ صیغہ ان کی زبان سے پھسل پڑا تھا کہ انشال کو بولنے کا موقع مل گیا یا شاید وہ بولنے کے موقع کی تلاش میں ہی تھی کہ ان کو انہی کی کہی بات باور کروانے لگی، وہ چند لمحے چپ رہ گئیں انہیں سمجھ نہ آیا کہ وہ اسے کیسے سمجھائیں، ماحول پر

بوجھل خاموشی طاری تھی، نورین کو بہنوئی کی تشویش و فکر کا بھرپور احساس تھا، اگر انشال ان کے تینوں بیٹوں میں سے کسی کی ہم عمر ہوتی تو وہ حبیب بھائی کو کب کا اس تشویش سے نکال چکی ہوتیں ان کے تینوں بیٹے شادی شدہ تھے اور ان کا سب سے بڑا پوتا محض چودہ سال کا تھا جبکہ انشال بی اے کی سٹوڈنٹ تھی اور ایگزامز کی تیاری میں مصروف تھی۔

''بیٹا وہ......'' نورین نے چند لمحے بعد بات سنبھالنا چاہی مگر انشال نے انہیں روک دیا۔

''خالہ پلیز، آپ بھی میری طرح حقیقت پسندی سے کام لیں۔'' اس کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی رندھ گیا اس کے لہجے میں کرب و اذیت نمایاں تھے، نورین مزید کچھ نہ بول سکیں جبکہ ابا مزید متفکر و تشویش زدہ بیٹی کو دیکھنے لگے جو لاکھ بہادر بننے کی کوشش کرتی تھی لیکن وہ اندر سے کتنی نرم و نازک تھی انہیں اب احساس ہوا تھا۔

☆☆☆

''بیگم صاحبہ! مجھے دو روز کی چھٹی چاہیے، میرا بچہ بیمار ہے۔'' فائزہ وارڈ روب سے فنکشن کے لئے ڈریس سلیکٹ کر کے اسے ساتھ لگائے اپنا آئینہ میں تنقیدی جائزہ لے رہی تھیں کہ صفیہ چلی آئی، اس کا چھوٹا بیٹا دو روز سے بخار میں پھنک رہا تھا، اس نے جلدی جلدی گھر کا کام نمٹایا اور فائزہ سے چھٹی مانگنے لگی، فائزہ کہیں جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی، صفیہ کو علم تھا کہ ان کی واپسی رات سے پہلے نہ ہوگی۔

''کیوں؟'' فائزہ نے پلٹ کر اس پر تیکھی نگاہ ڈالتے ہوئے اسے گھورا۔

صفیہ ''کیوں'' کا جواب تو دے چکی تھی وہ گڑبڑا کر چادر کا پلو سنبھالنے لگی فائزہ نے ڈریس بیڈ پر پھیلاتے ہوئے ایک بیزار نگاہ صفیہ پر ڈالی جو سر جھکائے مجرموں کی طرح کھڑی تھی فائزہ فطرتاً نرم دل تھی وہ ایک آدھ دن میں گھر میں اپنے سوشل سرکل کو پارٹی دینا چاہتی تھی فائزہ کے گھر کے تمام ملازمین میں سے صفیہ پر بہت اعتماد کرتی تھیں انہیں اس کی موجودگی میں اطمینان رہتا تھا۔

''تم یوں کرو اپنے بیٹے کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ اور کل اسے بھی ساتھ لے آنا، لیکن تم نے چھٹی نہیں کرنی ہے، میں کل گھر میں پارٹی ارینج کر رہی ہوں۔'' فائزہ نے سختی سے کہا اور وارڈ روب کی طرف بڑھ گئیں، انہیں اب میچنگ شوز ڈھونڈنا تھے، وہ شہر کی ایک مشہور N.G.O کی روح رواں تھیں ان کی N.G.O خواتین کی فلاح و بہبود کے ساتھ ان کی تعلیم کے لئے بھی سرگرم عمل تھی وہ خواتین کی تعلیم کے لئے ایک ادارہ کھولنا چاہتی تھیں، اسی لئے وہ ان دنوں بہت بزی تھیں۔

''اوہ بیگم صاحبہ! یہ مجھے کل آپ کمرے کی صفائی کرتے ہوئے ملا تھا۔'' صفیہ کچھ یاد آنے پر ماتھے پر زور سے ہاتھ مارتی گویا اپنی یادداشت کو کوستی ہوئی سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی اور ایک لفافہ نکال کر فائزہ کو تھمایا۔

فائزہ نے پلٹ کر لفافہ دیکھا تو چند لمحے اپنی جگہ ساکت رہ گئیں پھر اگلے پل انہوں نے جھپٹ کر لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا، یہ خط ان کے ماں جائے بھائی کا تھا جو انہیں کچھ روز قبل موصول ہوا تھا، ان کا دل بھائی کی بیماری کے متعلق جان کر بہت افسردہ ہوا تھا، وہ فوراً بھائی کے ہاں جانا چاہتی تھیں لیکن ان کی مصروفیات آڑے آ گئیں، صفیہ انہیں خط تھما کر جا چکی تھی، وہ بے چین سی بیڈ پر آن بیٹھیں، ان کا دل یکدم ہر شے سے اچاٹ ہو گیا، آج کی پارٹی بہت اہم تھی سو وہ بوجھل دل سے جانے کا پختہ ارادہ کیے پارٹی کے لئے تیار ہونے لگیں ان کا دھیان بار بار بھائی اور انشال کی طرف بھٹکنے لگا تھا۔

☆☆☆

''انشال...... انشال...... کہاں غائب ہو بھئی تم۔'' نورین خالہ اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی شائنہ کے ساتھ کافی دیر سے ابا کے پاس آئی ہوئی تھیں، اس دوران انشال نے ان سے ملنا تو درکنار کمرے سے نکل کر انہیں سلام تک نہ کیا تھا، وہ ان سے سخت خفا تھی، نورین خالہ بجائے ابا کو سمجھانے کے روزانہ ان کے ساتھ مل کر انشال کی شادی کی باتیں کرنے لگتیں، جس سے انشال بہت چڑتی تھی، ابا کی امید ایک مہینہ گزر جانے کے باوجود نہ ٹوٹی تھی، پھپھو نہ خود آئی تھیں اور نہ ہی انہوں نے کسی قسم کا رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

نورین خالہ گھر قریب ہونے کے باعث تقریباً روزانہ ادھر چکر لگاتی انشال کے کان اس ذکر پر پک چکے تھے، وہ خالہ سے سخت خفا تھی وہ ابا سے ابھی بھی یہی ذکر چھیڑے بیٹھی تھیں، اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ ابا اور خالہ کے لبوں پر ٹیپ چپکا دے، شائنہ اسے پکارتی اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''کیا تمہارے ہاں مہمانوں کو پانی پلانے کا رواج نہیں ہے۔'' شائنہ نے اس کی بے زار صورت پر نظر ڈالتے ہوئے قدرے غصے سے پوچھا وہ گھنٹہ بھر سے آئی ہوئی تھی اور انشال اس سے ملی بھی نہ تھی، جبکہ وہ دونوں بیسٹ فرینڈز بھی تھیں۔

''ہمارے ہاں صرف مہمانوں کو ہی تو پانی پلانے کا رواج ہے۔'' انشال نے جواباً لفظ چبا کر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا اس پر شائنہ کے غصے کا مطلق اثر نہ ہوا تھا، شائنہ نے چونک کر اسے دیکھا، اس کا من موہنا روپ غصے کی زیادتی سے مزید دلکش لگ رہا تھا وہ جیسے دنیا بھر سے خفا تھی، انشال نے رخ موڑ لیا۔

''محترمہ بلند مرتبہ صاحبہ۔'' شائنہ نے شوخی سے اس کے نام کا مطلب لیتے ہوئے اسے شریر نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کا چہرہ نرمی سے اپنی سمت موڑا۔

''ہائیں۔'' وہ رو رہی تھی، شائنہ بھونچکی رہ گئی۔

''پلیز مجھے خدیجہ کا انتظار نہیں ہے، تم ابا سے کہو کہ وہ میری شادی یہیں کسی سے کر دیں مگر یوں روزانہ میری ذات کو زیر بحث لا کر مجھے اذیت نہ دیں۔'' وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں شائنہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی، اس لمحہ انشال کے چہرے پر اپنی ذات کی بے وقعتی کا دکھ لرز رہا تھا، اس کا وجود انا کا پندار کچلنے پر نڈھال تھا، وہ روزانہ کی اس بحث سے سخت عاجز تھی حالانکہ ابا کی طبیعت روز بروز بہتر ہو رہی تھی، وہ باقاعدگی سے دوائیں لے رہے تھے، نجانے کیوں ایک انجانا خوف ان کے اندر سانپ کی طرح پھن پھیلائے انہیں ڈستا رہتا تھا اور وہ چاہ کر بھی اس خوف سے نجات نہ پا سکے تھے، شائنہ اس کا دکھ سمجھ سکتی تھی، وہ لاکھ بہادر بنتی مگر وہ تھی تو ایک نرم و نازک لڑکی ہی نا، جس کا دل نجانے کب اور کیسے خزیمہ کے لئے دھڑکنے لگا تھا جبکہ فائزہ پھپھو آنے کا نام تک نہیں لے رہی تھیں، انشال نے روتے ہوئے سر شائنہ کے کندھے پر رکھ دیا، اس کو رونے کا بہانہ اور ایک مخلص کندھا چاہیے تھا اور اسے یہ دونوں میسر آ گئے تھے، شائنہ نے اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے لیا اور اسے رونے دیا تا کہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو

جائے وہ جانتی تھی کہ انشال کا دکھ آنسوؤں کی صورت بہہ کر کم ہو جائے گا، وہ دھیرے دھیرے انشال کی کمر سہلانے لگی جبکہ انشال کے آنسوؤں میں مزید شدت آ گئی تھی۔

☆☆☆

"خزیمہ بیٹا! تم عزمی سے کہہ کر میری لاہور کی ٹکٹ فوراً او کے کروا دو۔" فائزہ نے سکول کا افتتاح کر لیا تھا، سکول میں بچیوں کے ایڈمیشن اوپن تھے، محض ایک ہفتے میں ساٹھ ستر لڑکیاں داخل ہو چکی تھیں فائزہ سکول کی پراگرس پر بہت خوش تھیں ان کا یہ ہفتہ بہت مصروف گزرا تھا ان کی این جی او ایک غیر ملکی ادارہ کے تحت تھی بلکہ وہ اس کی ایک ذیلی شاخ تھی، فائزہ کو چند روز بعد این جی او کے پارٹی اجلاس میں شرکت کے لئے کراچی جانا تھا، ان کی خواہش تھی کہ وہ پہلے حبیب بھائی سے مل لیں، فائزہ نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھنے ڈنر کرتے خزیمہ کو مخاطب کیا جو بریانی سے بھرپور انصاف کر رہا تھا، فائزہ نے پلیٹ اپنے سامنے کھسکا کر قورمہ نکالا اور نان کے ساتھ کھانے لگیں۔

عزمی، خزیمہ کا بیسٹ فرینڈ تھا اور شہر کی مشہور ٹریول کمپنی میں بطور اکاؤنٹنٹ جاب کرتا تھا، خزیمہ کے کان لاہور کے ذکر پر کھڑے ہو گئے اس کا چونکنا فطری بات تھی، حبیب ماموں اس کے اکلوتے ماموں تھے، وہ بچپن میں کئی بار ان کے ہاں جا چکا تھا اور ڈیڈی کی زبانی اپنی نام نہاد منگنی کا ذکر بھی سن چکا تھا، ڈیڈی کے انتقال کے بعد اس نے کبھی کسی سے انشال کا ذکر نہ سنا تھا، ڈیڈی اسے انشال ہی کہا کرتے تھے، وہ ماموں کے خط سے بے خبر تھا مگر اسے مما کا یوں اچانک وہاں جانا کچھ خاص مقصد کے تحت لگا تھا۔

"مما خیریت، کیا کوئی پارٹی فنکشن یا اجلاس ہے۔" خزیمہ نے لہجہ کو حتی الوسع نارمل رکھتے ہوئے خود کو لاتعلق ظاہر کر کے ان کی سوشل مصروفیات کا ذکر کیا۔

"نہیں تمہارے ماموں کا خط آیا تھا، وہ تمہاری اور انشال کی جلد شادی چاہتے ہیں میں اسی سلسلے میں جا رہی ہوں۔" حبیب بھائی ان سے عمر میں آٹھ سال بڑے تھے انہوں نے اکلوتی بہن کا خوب لاڈ اٹھائے تھے، یہ ان کی بھائی سے شدید محبت ہی تو تھی کہ وہ بھتیجی کی پیدائش پر اسے اپنے بیٹے کے لئے مانگ بیٹھیں، بھائی اس سے بڑے تھے مگر انہوں نے شادی فائزہ کے بعد کی تھی، پھر چند سال بعد بھابی کی ڈیتھ ہو گئی تو وہ بہن کے لاکھ اصرار پر بھی دوسری شادی کے لئے نہ مانے، وہ انشال کو سوتیلی ماں کا دکھ نہ دینا چاہتے تھے نہ جانے آنے والی کس مزاج کی نکلے، فائزہ کو اس پل نجانے کیا کچھ یاد آ رہا تھا، ان کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی۔

"مما پلیز۔" خزیمہ کھانا چھوڑ کر ماں کے قریب آ گیا، اسے ماں کے آنسو تکلیف دے رہے تھے اور وہ اندر ہی اندر جھنجلا بھی رہا تھا، نہ جانے وہ کیسی ہو گی، انشال نہ جانے اس کے ساتھ سوسائٹی میں موو بھی کر سکے یا نہیں، وہ بے حد وجیہہ و قابل شخصیت کا مالک تھا اور اپنے سوشل سرکل میں کافی مشہور تھا، اس پر کئی لڑکیاں جان چھڑکتی تھیں، اس کی کافی لڑکیوں سے دوستی بھی تھی مگر وہ محض دوستی کی حد تک تھی، کبھی کسی لڑکی نے اس کے دل کی سرزمین کو نہ چھوا تھا، اب اچانک انشال کہاں سے ٹپک پڑی تھی، وہ ماں کے آنسو پونچھتے ہوئے کڑھ رہا تھا، مما نے اس کی پسند یا مرضی پوچھنے کی بجائے تجدید عہد کی ٹھان لی تھی۔

"انشال بہت سلجھی ہوئی اور خوبصورت لڑکی ہے، مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت پسند آئے گی۔" مما نے نجانے کیسے اس کی سوچ پڑھ لی تھی، وہ اپنے آنسو نزاکت سے ٹشو سے صاف کر کے اس کے ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے اسے تسلی دینے لگیں، ان کی انشال سے آخری ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب وہ میٹرک کی طالبہ تھی، ان کے ذہن میں دراز قد اور خوبصورت انشال کی شبیہ ابھری تھی، خزیمہ نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر بے دلی سے ڈنر کرنے لگا۔

☆☆☆

آندھیوں کے سفر میں شکستہ ہیں ہم
کون جوڑے ہمیں
کوئی اپنا مسیحا نہیں
جن کی صدا گرد آلود چہروں کو تازہ کرے
کوئی ایسا آشنا نہیں
جس کا اک لمس ہی جسم و جاں کے اندھیرے
میں روشن ستارہ بنے
اک موت سے ہم
اپنے ہاتھوں پر حرف دعا لکھ کر پیاسے
کھڑے ہیں
کہ بارش کے موسم
کہیں دور صحرا میں گم کھڑے ہیں

آسمان پر یکایک کالی گھنی گھٹا چھائی اور مینہ برسنے لگا، انشال نے کپڑے دھو کر تار پر پھیلائے تھے وہ بے حد وقت بارش برسنے پر زیر لب بڑبڑاتی گیلے کپڑے تار سے اتارنے لگی، وہ کپڑے اکٹھے کرنے تک خود بھی سرتاپا بھیگ چکی تھی۔

"انشال بیٹا! تم بارش میں نہ جاؤ کہیں بیمار نہ پڑ جاؤ۔" ابا نے نرمی و محبت سے باہر جاتی انشال کو ٹوکا۔

"ابا! میں صحن سے چارپائی اٹھا لاؤں۔" وہ پلٹ کر ابا کو بتاتی تیزی سے درخت کے نیچے بچھی چارپائی کی طرف بڑھی، وہ چارپائی برآمدے کے شیڈ کے نیچے کھڑی کر کے آئی تو ابا گیلے کپڑے اندر رکھی کرسیوں پر پھیلا رہے تھے۔

"ابا! آپ رہنے دیں، میں کرتی ہوں۔" وہ ان کے ہاتھوں سے کپڑے لے کر خود برآمدے کے شیڈ کے نیچے کھڑی چارپائی پر پھیلانے لگی، وہ فارغ ہو کر واپس آئی تو ابا بیڈ پر بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

"ابا!" انشال نے ماں اور باپ دونوں کا پیار انہی سے پایا تھا۔

ابا نے ہمیشہ اس کی ہر خوشی کا خیال رکھا تھا، اسے انہوں نے زمانے کی سرد و گرم ہوا سے محفوظ رکھا تھا، کبھی کبھار انشال کو لگتا کہ ابا اس کے دل کا بھید پا چکے ہیں جبھی تو انہوں نے برسوں بعد پھپھو کو خط لکھ کر ان کا بھولا وعدہ انہیں یاد دلایا تھا، انشال اپنے اتنے پیار کرنے والے نرم دل ابا کو پریشان نہ دیکھ سکی تو ان کی توجہ بانٹنے کو ان کے پاس آن بیٹھی۔

"ابا! آج ہم شام کو بریانی کھائیں گے۔" ابا کو انشال کے ہاتھ کی بریانی بہت پسند تھی، ابا محض انشال کا خیال رکھنے کی غرض سے اس کے ایگزامز کے دنوں میں خود کو کنگ کرتے رہے تھے، ابا کو روٹیاں بہت اچھی بنانا آتی تھیں، انشال ابا کو اداس کو نہ دیکھ سکی تو محض ان کا دھیان بٹانے کو فرمائش کر ڈالی۔

ابا نے خالی نظروں سے انشال کے مسکراتے چہرے پر نظر ڈالی، ان کی نگاہوں میں کچھ تو ایسا تھا کہ انشال کے مسکراتے لب سمٹ گئے اور وہ ان سے نظر چرا کر رہ گئی۔

"بھلا کب ابا نے میرا بعید پایا۔" انشال بچپن سے خزیمہ کا نام سنتی آرہی تھی، فائزہ پھپھو جب بھی آتیں وہ ابا کو اشارتاً یاددہانی کروا کر جاتی تھیں، انشال کا ننھا ذہن نجانے کب خزیمہ کے خواب بننے لگا اسے خود بھی خبر نہ تھی اور شاید اسے کبھی اپنے دل کی خوشی کا ادراک کا نہ ہوتا اگر پھپھو جواب دینے میں تاخیر کا مظاہرہ نہ کرتیں، انشال کا ذہن و دل خزیمہ کے علاوہ کسی اور کی سنگت کے لئے تیار نہ تھا اس نے ابا سے کہیں بھی شادی کرنے کی کہہ تو دیا تھا مگر اس کا اپنا دل بے چین تھا، ابا نے خط کے بعد دوبار پھپھو کو فون بھی کیا تھا، وہ دونوں دفعہ کہیں پارٹی میں جارہی تھیں اور انہوں نے نہایت عجلت میں سلام دعا اور رسمی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا تھا، ابا کا یقین اور انشال کا دل ٹوٹ کر چکنا چور ہو گئے تھے، پھر ابا کا یقین بھی ٹوٹ گیا تھا اور ابا نے پھپھو کا ذکر کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا، انشال ابا کے اس ذکر پر چڑتی تھی، ابا نے ذکر کرنا چھوڑا تو اس کا دل شدت سے چاہنے لگا کہ ابا پھپھو کا ذکر چھیڑیں مگر وہ تو جیسے بجھ کر رہ گئے تھے۔

"انشال! میری بچی اپنے ابا کو معاف کر دینا۔" ابا نے اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے اس سے معافی مانگی، انشال بہت معصوم و سیدھی سادھی لڑکی تھی، اس کا دل کورے کاغذ کی مانند تھا، انہوں نے فائزہ کا بار بار ذکر کے اس کے دل پر خزیمہ کا نام لکھا تھا، وہ باپ تھے بھلا اس کے حال دل سے بے خبر کیسے رہتے، انہوں نے تو اسے ماں جیسا پیار بھی دیا تھا، جس طرح ماں اولاد کے دل کے بھید پالیتی ہے وہ بھی اس کا بھید پاچکے تھے۔

"نہیں ابا! آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔" انشال نے تڑپ کر ان کے دونوں ہاتھ الگ کیے اور دیوانہ وار ان کے ہاتھ اور چہرے کو چومنے لگی تھی، آنسو دونوں کے چہروں کو بھگو رہے تھے، غم انشال کی رگوں کو چیرنے لگا تھا، وہ خزیمہ سے آٹھ برس قبل ملی تھی، لمبا چوڑا اور خوبرو اور ایف اے کا سٹوڈنٹ خزیمہ اسے پہلی بار بہت بھایا تھا، ان دونوں کا دوبارہ کبھی سامنا نہ ہوا تھا، لیکن انشال نے انسیت کو دل میں جگہ دے دی تھی، باہر آسمان باہر تیزی سے برس رہا تھا۔

☆☆☆

کبھی شبوں کے اداس آنگن میں یاد اترے
یا چاندنی اپنے بال کھولے
کوڑا کے روزنوں سے جھانکے
کتاب کھولو تو میرا عکس جھلملائے
ستارہ پلکوں پر جگمگائے
کبھی جو کمرے کی کھڑکیوں سے ہوا کا جھونکا
گلاب رت کی نوید لائے
تو جان لینا
میں تمہیں یاد کررہا ہوں

خزیمہ مما کو ائیرپورٹ چھوڑنے کے لئے تیار ہو رہا تھا، اس کی تیاری مکمل ہو گئی تھی، اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل پر میسج ٹون ہوئی، اس نے اپنا والٹ، موبائل اور کارڈ اٹھایا اور کمرے سے نکل آیا مما لاؤنج میں بیٹھی تھیں وہ ان تک پہنچنے کے دوران اپنا ان باکس کھول چکا تھا، ژالے کا میسج تھا، ژالے اس کی بیسٹ فرینڈ تھی، ژالے خوبصورت و حسین، دراز قد، تعلیمیافتہ اور فیشن ایبل و طرحدار لڑکی تھی، خزیمہ کو وہ لائف پارٹنر کے آئینے میں ڈھلی نظر آئی تھی، وہ جس طرح کی لڑکی کو بیوی کے روپ میں دیکھنا چاہتا تھا ژالے میں وہ تمام خوبیاں تھیں، خزیمہ کا اس میں انٹرسٹ روز بروز بڑھتا جارہا تھا، ژالے کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی خاصا مضبوط تھا خزیمہ کو پورا یقین تھا کہ مما کو ژالے پسند آئے گی، لیکن انشال نجانے کہاں سے بیچ میں ٹپک پڑی تھی۔

"کس کا میسج ہے؟" خزیمہ نے آتے ہی ان کا بیگ اٹھا کر پورچ کی راہ لی تو مما نے اس کی تقلید کرتے ہوئے پوچھا تھا، خزیمہ کے چہرے پر معنی خیز و شوخ مسکراہٹ تھی، اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک نے مما کو چونکا دیا تھا، اسی لئے وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی تھیں خزیمہ کے مسکراتے لب بھینچ گئے اور وہ جواب دیئے بنا گاڑی میں سامان رکھنے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا، مما اس کی ہر حرکت نوٹ کررہی تھیں۔

"کس کا میسج تھا؟" مما نے گاڑی میں بیٹھتے ہی دوبارہ سوال کیا تھا، خزیمہ نے گاڑی گیٹ سے نکال کر ائیرپورٹ کے راستے پر ڈال دی۔

"ژالے کا؟" مما کی استفہامیہ نگاہیں ہنوز اسی پر جمی تھیں، وہ جانتا تھا کہ مما جواب لئے بنا نہ ٹلیں گی، سو ناچار اسے بتانا پڑا۔

"ژالے امین، تمہاری گرل فرینڈ۔" مما نے سنبھل کر جانچتی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے نپے تلے الفاظ کا استعمال کیا۔

"یس۔" خزیمہ نے روڈ پر نگاہیں جمائے ہوئے مختصر جواب دیا، وہ فائزہ سے نظریں ملانے سے اجتناب کررہا تھا، وہ جلد از جلد اس موضوع سے بچنا چاہتا تھا، اس نے دل میں مما کے خاموش رہنے کی دعا مانگی، ہر گھڑی قبولیت کی نہیں ہوتی ہے، اس کی دعا بھی قبول نہ ہوئی تھی۔

"خزیمہ! تم ژالے سے جلد از جلد پیچھا چھڑالو، تم جانتے ہو نا کہ میں تمہارے ماموں کے ہاں کیوں جارہی ہوں۔" مما نے غصے و سختی سے اسے تنبیہی نظروں سے گھورا تھا۔

"مما پلیز، یہ میری زندگی ہے، میں کسی کو دیکھے بھالے بغیر کیسے شادی کرسکتا ہوں، میرا اپنا ایک وے آف لائف ہے اور مجھے وہی پارٹنر چاہیے جو مجھے پسند ہو۔" خزیمہ بہت آزاد خیال تھا، اسے دین سے بھی دلچسپی تھی مگر وہ دنیا میں سوسائٹی کے ساتھ چلنے کا قائل تھا، اسے پردے کا نام پر دیو قسم کی لڑکیاں بالکل پسند نہ تھیں، وہ فیشن اور آزادی کا دلدادہ تھا، جب تک ڈیڈی زندہ تھے، وہ مما کے کنٹرول میں تھا، مما نے اکلوتی اولاد ہونے کی بناء پر کبھی اس پر روک ٹوک نہ کی تھی لیکن اس وقت، وہ حقیقتاً متفکر ہو گئی تھیں، وہ غصے و سختی کر کے اسے ضد نہ دلانا چاہتی تھیں۔

"خزیمہ بیٹا! مجھے پورا یقین ہے کہ تمہیں انشال ضرور پسند آئے گی۔" مما نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا، وہ حقیقتاً فکر مند تھیں انہیں اپنے بیمار بھائی کو دکھ نہ دینا تھا اور نہ ہی وہ اپنی برسوں پرانی بات سے مکرنا چاہتی تھیں، ان کے چہرے پر تفکر کے سائے لرزنے لگے۔

"مما! ژالے میری صرف بیسٹ فرینڈ ہے، مجھے اس سے بلکہ کسی بھی لڑکی سے محبت نہیں ہے، اگر مجھے انشال پسند آگئی تو میں اسے سے شادی کرلوں گا۔" خزیمہ کو ماں سے شدید محبت تھی اور انہیں پریشان نہ دیکھ سکا تو اس نے مسکراتے ہوئے صدق دل سے انہیں تسلی دی، فائزہ ڈھیروں دعائیں مانگتی ہوئی گاڑی سے اترنے لگیں، کہ خزیمہ ائیرپورٹ کے سامنے گاڑی روک چکا تھا۔

☆☆☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، اس کی آنکھ انجانے احساس کے تحت کھلی تھی، اسے یکا یک شدت سے احساس پیاس جاگا تھا، وہ بستر سے اٹھی اور صحن میں رکھے گھڑے کے پاس آگئی، اس نے پانی پیا اور درخت کے نیچے بیٹھ کر آسمان پر تاروں کو دیکھنے لگی، اس کا دل بہت بے چین ہو

رہا تھا اور آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی اسی لئے وہ بستر پر جانے کی بجائے یہاں بیٹھ گئی تھی۔ بے چینی لحہ بہ لحہ بڑھتی جارہی تھی نہ جانے کیوں۔

''انشال!'' ابا کی کرب میں ڈوبی چیخ نما آواز نے رات کی خاموشی کا پردہ چاک کیا، وہ تڑپ کر اندر بھاگی، اس کے ایک پاؤں سے جوتی اتر گئی۔

''ابا!'' ابا سینے پر ہاتھ رکھے درد سے بے حال ہوئے جارہے تھے وہ بار بار اپنا سینہ مسل رہے تھے، ان کے ماتھے کی رگیں پھول گئیں تھیں اور چہرے کی رنگت خطرناک حد تک زردی مائل ہورہی تھی۔

''ابا!'' انشال تڑپ کر روتے ہوئے ان کا سینہ مسلنے لگی مگر ان کی تکلیف میں افاقہ نہ ہوا، انشال نے جلدی سے نورین خالہ کا نمبر ملایا اور انہیں روتے ہوئے ابا کی خراب طبیعت کا بتانے لگی، وہ اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ محض پانچ منٹس میں ان کے ہاں تھیں، وہ ابا کو ہاسپٹل لے گئے انشال بھی جانا چاہتی تھی مگر ابرار بھائی نے اسے نرمی سے سمجھا کر منا لیا وہ جاتے ہوئے اس کے پاس شائنہ کو چھوڑ گئے تھے، انشال رو رو کر بے حال ہوئی جارہی تھی، اس کے دل کو انجانے واہمے ڈس رہے تھے، شائنہ اسے برابر تسلیاں دے رہی تھی لیکن اس کے دل کو کسی طور قرار نہ تھا۔

نہ جانے کیسی پہاڑ سی رات تھی جو گزرنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی، اللہ اللہ کر کے صبح ہوئی، ابرار بھائی دس بجے تک گھر آئے تو وہ بہت پریشان تھے۔

''ابا کیسے ہیں ابرار بھائی؟'' انشال ان کے آتے ہی بلکتی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔

''انشال! تم تیار ہو جاؤ، تمہیں خالو جان یاد کر رہے ہیں۔'' ابرار بھائی نے نظریں چرا لیں۔

اس نے بعجلت چادر اوڑھی اور ان کے ساتھ ہولی، اسے نہیں خبر کہ کب راستہ کٹا اور کب ہاسپٹل آیا، ابا آئی سی یو میں تھے اور ڈاکٹرز کچھ خاص مطمئن نہ تھے، ابا بار بار انشال کو یاد کر رہے تھے تو ڈاکٹر نے انہیں انشال کو لانے کی تاکید کی۔

''انشال! میری بچی اپنے ابا کو معاف کر دے۔'' ڈاکٹر نے انشال کو مریض سے زیادہ بات چیت کرنے سے گریز کرنے کی ہدایت پر ملنے کی اجازت دے دی، وہ جونہی ابا کے سامنے آئی تو انہوں نے نحیف و رندھی آواز میں بیٹی سے معافی مانگی۔

''نہیں ابا! میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔'' انشال نے روتے ہوئے ان کے ہاتھ چوم لئے، ابا نے نرمی سے آنکھیں موند لیں، ان کے چہرے پر قدرے سکون پھیل گیا مگر دل میں کہیں اک پھانس چبھی تھی، موقع پر موجود ڈاکٹر نے انشال کے کندھے پر ہاتھ رکھا جیسے وہ اسے جانے کو کہہ رہا ہو، انشال کا دل ابا کو اس حال میں چھوڑ کر جانے کو بالکل نہ چاہ رہا تھا۔

''بیٹا پلیز۔'' ڈاکٹر نے نرمی سے ٹوکا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی باہر آ گئی، وہ بے یقینی سے سامنے آتے وجود کو دیکھتے ہوئے رونا بھول گئی تھی، فائزہ تیزی سے نورین خالہ کی طرف بڑھیں غالباً ان کی انشال پر نظر نہ پڑی تھی۔

''نورین آپا! میرے بھیا۔'' فائزہ آتے ہی روتے ہوئے ان سے لپٹ گئیں ان کے لبوں سے نکلے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نے انشال کو یقین دلایا کہ وہ حقیقتاً پھپھو ہیں۔

نورین بھی بے یقینی سے انہیں ساتھ لپٹائے روئے جارہی تھیں اس لحہ ابرار نے یہ عقلمندی کی کہ وہ ڈاکٹر سے فائزہ اور ابا کی ملاقات کی

اجازت لے آیا۔

''بھیا!'' فائزہ ابا کے سامنے آئیں تو ان کا دل بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا، جیب سے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

''فائزہ!'' ان کی آنکھوں میں زندگی چمکی تھی فائزہ ان کا ہاتھ تھامے زار و قطار روئے جارہی تھیں، ابا کی آنکھوں میں اٹھنے والی زندگی کی رمق نے ڈاکٹر کو روک دیا اور فائزہ کو ٹوکنے کی غرض سے قریب آتا ڈاکٹر چند قدم دور رک گیا۔

''فائزہ میری بچی!'' ابا کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے اور ان کی سانسیں ناہموار ہونے لگیں۔

''بی بی آپ باہر جائیں۔'' ڈاکٹر نے فائزہ کو بھی طلب کیا، ابا کے گرد ڈاکٹر کی ٹیم اکٹھی ہوگئی اور وہ ان کی زندگی کے لئے کوشش کرنے لگے، فائزہ باہر نکل آئیں۔

''ڈاکٹر صاحب!'' کچھ دیر بعد ڈاکٹر مایوسی سے سر جھکائے باہر نکلا تو انشال اور فائزہ تیزی سے ان کی طرف بڑھیں۔

''سوری، ہی از نو مور۔'' ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گیا، انشال کی دنیا اندھیر ہوگئی وہ نیچے فرش پر بیٹھتی چلی گئی، ہسپتال اگلے پل اس کی کربناک چیخوں سے گونج اٹھا، فائزہ نے روتے ہوئے اسے خود سے لپٹا لیا۔

☆☆☆

ابا کے انتقال کو ہفتہ گزر گیا تھا، انشال کے دل کو کسی پل قرار نہ آ رہا تھا، پھپھو نے اس کا ہر طرح سے خیال رکھا تھا، وہ انشال کی دگرگوں حالت پر بہت افسردہ تھیں نورین خالہ اور شائنہ بھی اس کا پورا خیال رکھ رہی تھیں لیکن انشال کے آنسو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے، اس نے ابو کی انگلی پکڑ کر پاؤں پاؤں چلنا سیکھا تھا، ابا نے اسے زمانے کی ہر سرد و گرم سے بچایا تھا، وہ اس کی ڈھال تھے اور اب اسے بے سائبان کر گئے تھے۔

''انشال بیٹا! تم کھانا کھا لو۔'' وہ کمرے میں بیڈ پر بیٹھی گھٹنوں میں سر دیئے ہوئے تھی کہ فائزہ چلی آئیں، وہ رات سے بھوکی تھی اور اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔

''مجھے بھوک نہیں ہے پھپھو۔'' انشال نے سر اٹھائے بنا جواب دیا فائزہ کو بخوبی اندازہ تھا کہ اس کا ملیح چہرہ آنسوؤں سے تر ہوگا، انہوں نے نرمی سے انہیں دیکھا، ان کا دل تڑپ اٹھا انہوں نے اسے اپنی محبت و شفقت بھری آغوش میں سمیٹ لیا۔

''حوصلہ کرو انشال!'' وہ اسے دلاسا دیتے دیتے خود بھی رو پڑیں۔

''فائزہ تم بجائے اسے حوصلہ دینے کے خود بھی ہمت ہار بیٹھی ہو، اگر تم ہمت نہ پکڑو گی تو بچی کو کون حوصلہ دے گا۔'' نورین نے نرمی بھری ڈانٹ فائزہ کو پلاتے ہوئے دونوں کو الگ کر دیا، فائزہ خفت سے اپنے آنسو صاف کرنے لگیں جبکہ انشال برابر روئے جارہی تھی، اس کے آنسو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے۔

''نورین آپا! میں انشال کو یہاں نہیں رہنے دوں گی ورنہ میرا دھیان اسی میں لگا رہے گا۔'' فائزہ نے مسلسل آنسو بہاتی انشال کو دوبارہ خود میں سمیٹ لیا، انشال آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں اپنے ہونٹ بھی سرخ کر چکی تھی اس کی گوری رنگت سرخی مائل ہو چکی تھی، وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی کوئی اور موقع ہوتا تو فائزہ فوراً پہلے اس کی نظر اتارتیں، نورین نے خاموشی سے تائید میں سر ہلا دیا۔

''انشال! چلو کھانا کھاؤ۔'' نورین خالہ نے

نرمی سے انشال کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا، انہیں انکار کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، انہوں نے ہی تو ابا کو امی کی ڈیتھ کے بعد اس کی ذمہ داریوں سے بے فکر کیا تھا، انشال اپنے آنسو پونچھتی ان کے ساتھ صحن میں آ گئی، جہاں شائنہ نے کھانا لگایا، کچھ خواتین بھی وہاں تھیں جو تعزیت کے لئے آئی تھیں، وہ دونوں صحن میں بچھی دریوں پر بیٹھ گئیں، وہاں موجود خواتین کی آنکھوں میں انشال کے لئے ترحم و ستائش بیک وقت ابھری تھی، فائزہ اور انشال کھانا کھانے لگیں، فائزہ اسے ساتھ لے جانے کا پکا ارادہ کر چکی تھیں۔

☆☆☆

"آپا! میں نے خزیمہ سے کہہ کر اپنی اور انشال کی کل کی سیٹیں اوکے کروالی ہیں۔" فائزہ کو آئے دو ہفتے سے زائد گزر گئے تھے، خزیمہ نے بزنس کی ساری ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں لیکن گھر ملازمین کے سر پر تھا، فائزہ کو اپنی این جی او کی امپورٹنٹ میٹنگ بھی اٹینڈ کرنا تھی جو تین روز بعد تھی فائزہ نے خزیمہ سے کہہ کر بکنگ کروالی تھی، اس روز حسب معمول رات کے کھانے کے بعد نورین اور فائزہ محو گفتگو تھیں تو فائزہ نے انہیں بتایا، نورین چند ثانیے کے لئے چپ رہ گئیں، کچھ سہی بھانجی کی جدائی کا دکھ تو انہیں تھا، وہ دو سال کی تھی جب انہوں نے اسے اپنی گود میں لیا تھا اور اب وہ بی اے کر چکی تھی۔

"آپا! آپ انشال کا میکہ ہوں گی، میں اسے آپ سے ملوانے لاتی رہوں گی۔" ان کے چہرے پر پھیلی اداسی نے فائزہ کو بھی ملول کر دیا، فائزہ نے نرمی سے ان کے کندھا پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا، وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

"وہ تمہاری امانت ہے فائزہ، تم جب چاہو اسے لے جاؤ۔" نورین نے اپنی اداسی کو مسکراہٹ کے لبادے میں سمیٹنے کی سعی کی۔

"جی آپا! میرا خزیمہ ایم بی اے کر چکا ہے اور اپنا ذاتی بزنس کرتا ہے، اس کی اور انشال کی جوڑی بہت شاندار رہے گی۔" فائزہ کے لہجے میں بیک وقت بیٹے کے لئے زبردست ستائش اور بھتیجی کے لئے محبت تھی۔

"انشا اللہ فائزہ۔" نورین کو رب کریم سے انشال کی خوشیوں کی پوری امید تھی، انہوں نے تو شائنہ اور انشال کے بہترین نصیب کی ہمیشہ اکٹھی دعائیں مانگی تھیں، ان کا کوئی بیٹا انشال کا ہم عمر ہوتا تو وہ اسے ہرگز کہیں اور نہ جانے دیتیں۔

"فائزہ! حبیب بھائی نے انشال کا نام رکھتے ہوئے اس کے نام کے معنی پسند کیے تھے، حالانکہ میری اماں نے بہت مخالفت کی تھی کہ انشال کیا نام ہوا بھلا، سب اسے شال، شال کہیں گے، لیکن حبیب بھائی نہ مانے، انہوں نے اماں سے کہا تھا، اماں انشال کا مطلب ہے بلند مرتبہ میری بیٹی بھی زندگی میں بلند مرتبہ پائے گی، اماں میرا دل کہتا ہے میری بچی زندگی میں بہت خوشیاں پائے گی، نام کی شخصیت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔" نورین خالہ ماضی کے دریچوں میں گم خوشگوار یادوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔

"انشا اللہ۔" فائزہ نے صدق دل سے بھائی سے تصور میں وعدہ کیا تھا، وہ مطمئن ہو کر سونے کی تیاری کرنے لگیں۔

☆☆☆

اگلے روز شام کی فلائیٹ تھی، سارا دن پیکنگ میں گزرا، انشال کا دل جانے کو بالکل نہ چاہ رہا تھا، مگر مجبوری تھی، اس گھر کے چپے چپے میں ابا کی یادیں تھیں، جاتے سمے سبھی اسے ائیر پورٹ چھوڑنے آئے تھے، وہ شائنہ اور نورین خالہ سے گلے مل کر خوب روئی تھی،

دونوں بھی اس کے جانے سے آبدیدہ تھیں مگر اس کے اچھے مستقبل کے لئے دعا گو بھی تھیں۔

فائزہ اور انشال سب سے مل کر جہاز میں سوار ہو گئیں، یادوں اور خیالوں میں گم انشال کو بالکل احساس نہ ہوا اور وہ اسلام آباد پہنچ گئے، ائیر پورٹ پر خزیمہ آیا ہوا تھا، دراز قد، گوری رنگت، براؤن آنکھوں والا خزیمہ گہرے ٹی شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس چہرے پر سنجیدگی لئے اپنی تمام تر مردانہ وجاہت سمیت انشال کو بہت پسند آیا تھا، اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"السلام علیکم!" انشال اس کے سلام کو کوئی معنی پہناتی رہ گئی، خزیمہ بھی تو اس رشتے سے واقف ہوگا، انشال کے ذہن سے بہت دنوں بعد کوئی خوش کن سوچ ٹکرائی تھی، اس کے لبوں پر نرم دھیمی مسکراہٹ تھی جسے خزیمہ نہ دیکھ سکا تھا۔

"ہوں تو یہ محترمہ انشال حبیب ہیں۔" خزیمہ نے پارکنگ میں کھڑی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر جہازی سائز بیگ بمشکل ٹھونسا اور انشال کو پیچھے بیٹھنے کا کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ کر فائزہ کے لئے فرنٹ ڈور کھولا، فائزہ اسے بغور دیکھتی خاموشی سے بیٹھ گئیں، انشال بیگ کے ساتھ باقی ماندہ مختصر جگہ پر بیٹھ چکی تھی، خزیمہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، اس نے ائیر پورٹ روڈ سے یوٹرن لے کر گھر کی طرف گاڑی موڑ دی۔

"خزیمہ! یہ انشال ہے تمہاری فیانسی۔" گاڑی میں مکمل سکوت تھا خزیمہ کی پوری توجہ ڈرائیونگ پر تھی، فائزہ بیٹے کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہی تھیں، وہ خزیمہ کی سنجیدگی بھری خاموشی سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر پائیں تبھی انہوں نے رسماً تعارف کیا، حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی خزیمہ اسے دیکھتے ہی سمجھ چکا تھا کہ وہ انشال حبیب ہے، خزیمہ کو وہ پسند نہ آئی تھی، اس نے ماں کے تعارف کروانے پر خاموشی سے ایک گہری نظر انشال پر ڈالی اور ڈرائیونگ میں محو ہو گیا۔

سادہ حلیہ، سر پہ اوڑھا دوپٹہ، میک اپ سے عاری حسین صورت کچھ بھی خزیمہ کو گھائل نہ کر سکا، اس میں کچھ بھی خاص نہ تھا، وہ صرف حسین تھی مگر اسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ نہ تھا، انشال خزیمہ کی اک نظر پر ہی پگھل کر اپنی انگلیاں مروڑنے لگی، خزیمہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا، اسے مشرقی دبو قسم کی لڑکیاں بالکل پسند نہ تھیں، اس نے پہلی نظر میں انشال کو ریجیکٹ کر دیا۔

اسے انشال جیسی لڑکی کے سنگ زندگی نہ بتانا تھی، وہ ہائی سوسائٹی میں کبھی موو نہ کر پاتی اور خزیمہ کی بہت "سبکی" ہوئی، اس پر کئی لڑکیاں مرتی تھیں وہ کسی کے لئے بھی سنجیدہ نہ تھا، ژالے اسے پسند تھی مگر وہ ابھی شادی نہ کرنا چاہتا تھا، فائزہ نے بیٹے کا موڈ بھانپ کر مصلحتاً خاموشی سادھ لی اسی اثناء میں گھر آ گیا تھا۔

فائزہ نے فون پر ہدایت کر کے انشال کے لئے کمرہ صاف کروایا تھا، وہ اسے اس کے کمرے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئیں، ان کا دھیان خزیمہ میں تھا، وہ خزیمہ سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔

☆☆☆

"آنٹی! اس گھامڑ نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ آپ واپس لوٹ آئی ہیں۔" عزمی نے خزیمہ کو غصے سے دیکھتے ہوئے آنٹی سے شکایت لگائی، وہ تعزیت کے لئے آیا تھا۔

"بھئی یہ تو تم اسی سے پوچھو بیٹا۔" فائزہ نے جواباً مسکراتے ہوئے نرمی سے خزیمہ کو گھورا، وہ لاتعلق بنا جوتے کی نوک سے کارپٹ رگڑ رہا تھا، اس کا دایاں ہاتھ صوفے کی سائیڈ پر رکھا تھا

اور بایاں ہاتھ گود میں اضطراری حالت میں ہل رہا تھا۔

''آنٹی! وہاں سب ٹھیک تھے۔'' عزمی معنی خیز لہجے میں استفسار کیا، وہ خزیمہ کا پرانا اور گہرا دوست تھا، بھلا انشال سے کیسے واقف نہ ہوتا، یکدم لاؤنج میں برتنوں کی کھنک پر عزمی نے چونک کر دیکھا اور جیسے نگاہ واپس پلٹنا بھول گئی وہ لائٹ پلو اور وائٹ پرنٹڈ کاٹن کے سوٹ (جس کی قمیض کے بازو اور دوپٹہ ریشمی تھے) میں ملبوس، لمبے گھنے بالوں کی سادہ چوٹی بنائے سلیقے سے دوپٹہ سر پر جمائے، میک اپ سے عاری سنجیدہ چہرہ لئے عزمی کو ہوش وحواس سے بیگانہ کر گئی، وہ بلاشبہ حسن وسادگی کا حسین امتزاج تھی، عزمی کو لڑکیوں کے لمبے بال بے حد اٹریکٹ کرتے تھے، اس کا دل جیسے انشال کے لمبے گھنے ریشمی بالوں میں الجھ گیا۔

''چائے۔'' انشال نے چائے کے ساتھ دیگر لوازمات میز پر سجا کر عزمی کی طرف چائے کا کپ بڑھایا تو وہ گڑبڑا کر سخت شرمندہ ہو گیا، اس نے فوراً سنبھل کر کپ تھام لیا، اسے فائزہ اور خزیمہ سے سخت خفت محسوس ہو رہی تھی، کچھ بھی وہ اس کے دوست کی امانت تھی اور وہ اتنا کمینہ نہ تھا کہ دوست کی امانت پر نظر ٹکاتا لیکن یہ دل......

''عزمی! یہ چکن رولز لو نا، انشال نے خود بنائے ہیں۔'' فائزہ نے نرمی بھری شفقت سے اس کی توجہ چکن رولز کی طرف دلائی، عزمی نے محتاط نگاہ فائزہ اور خزیمہ پر ڈالتے ہوئے ایک چکن رول لے لیا فائزہ کا چہرہ بے تاثر اور نرم تھا، انہیں عزمی کا یوں انشال کو نگاہ بھر کر دیکھنا برا نہ لگا تھا، ان کے چہرے پر خفگی یا سختی نہ تھی بلکہ وہی ازلی نرمی وشفقت تھی جو اس کے لئے ہمیشہ ہوتی تھی، عزمی نے رول کا چھوٹا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے خزیمہ پر نگاہ ڈالی یہ اس کے دل کا چور تھا جو اسے سب کے رویئے جانچنے پر مجبور کر رہا تھا، خزیمہ کے چہرے پر وہی بیزاری وسنجیدگی تھی جو انشال کے آنے کے بعد اس کی ذات کا حصہ بنتی جا رہی تھی، وہ قدرے مطمئن ہو کر رول کترنے لگا، اسے خزیمہ پر غصہ بھی آنے لگا تھا، وہ فائزہ کے جانے اور انشال کی ان کے ساتھ آمد پر سخت خفا تھا، خزیمہ کو فائزہ کے جانے پر اتنا اعتراض نہ تھا جتنا انشال کے آنے پر۔

عزمی نے لاؤنج میں طائرانہ نگاہ ڈالی انشال جا چکی تھی، عزمی کو اپنا دل اداس اور وجود خالی خالی سا لگا وہ فائزہ سے تعزیت کر چکا تھا اسی لئے وہ چائے پیتے ہی ضروری کام کا بہانہ کر کے جانے کو تیار ہو گیا، فائزہ اور خزیمہ اسے روکتے رہ گئے اور وہ نرمی سے معقول بہانہ بنا کر چلا آیا تھا۔

☆☆☆

دل مضطر کو سمجھایا بہت ہے
مگر اس دل نے مجھے تڑپایا بہت ہے
تبسم بھی حیا بھی، بے رخی بھی
یہ انداز ستم بھایا بہت ہے
قیامت ہے یہ ترک آرزو بھی
مجھے اکثر وہ یاد، آیا بہت ہے
میری ہستی کے اس جلتے سفر میں
تمہاری یاد کا سایہ بھی بہت ہے

وہ جلے پیر کی بلی کی طرح سارے گھر میں چکراتا پھر رہا تھا، اس کو کسی پل چین وقرار نہ تھا، وہ گھر پہنچا تو ثمرین آپی بچوں سمیت گھر آئی ہوئی تھیں وہ ان سے ملے بغیر اپنے کمرے میں چلا آیا، مگر دل کو قرار نہ آیا، وہ کچھ دیر بعد لان میں آ گیا، اندر تمام کمرے اندھیرے میں ڈوبے تھے، غالباً سب سو چکے تھے صرف وہی تھا جس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

دل یوں بھی دغا دے گا، نیندیں یوں خفا ہوں گی، اس نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا، عزمی نے سی اے کی بعد ایک ٹریول ایجنسی میں بطور اکاؤنٹنٹ جاب تین سال قبل شروع کی تھی امی اور تینوں بہنیں اکلوتے بھائی کے سر پر جلد سہرا سجانا چاہتی تھیں مگر وہ ابھی تک کنی کترا رہا تھا۔

عزمی نے طویل سرد سانس بھرتے ہوئے دونوں مٹھیوں میں اپنے بال جکڑ لئے، وہ ذمہ داریوں سے گھبراتا تھا مگر یہاں تو محبت نے ہرا دیا تھا، وہ محبت کے خلاف نہ تھا، وہ پہلی نظر میں محبت کے خلاف تھا، اسے خبر نہ تھی کہ وہ خود محبت کی پہلی نظر کا شکار بنے گا ورنہ وہ کبھی دوستوں میں بیٹھ کر پہلی نظر کی محبت کا مذاق نہ اڑاتا اور خزیمہ اس کی ذہنی رو خزیمہ کی طرف لپکی تو وہ کرب سے آنکھیں میچ گیا، دکھ درد اور اداسی اسے خوش ہی نہ ہونے دے رہے تھے اور محبت دھیرے دھیرے اس کے وجود کو اپنی گرفت میں جکڑتی جا رہی تھی، بند پلکوں کے پیچھے انشال کا حسین چہرہ ابھرا تو اس نے اک جھٹکے سے آنکھیں کھول لیں، آنکھوں کی پتلیوں پر انشال کا سایہ لرز رہا تھا، عزمی کی اذیت بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

نہ کوئی عہد، نہ پیمان، نہ وعدہ ایسا
نہ تیرا حسن ہی ایسا انگشت تراش
نہ میرے ہاتھ میں تاثیر زلیخائی ہے
رقص گر ہے یہ جہاں اور نہ میں سنڈریلا ہوں
نہ تو شہزادہ ہے
ہم تو بس زرم گہ ہستی میں دو مبارز دل ہیں
اس کے تعلق کا رنگ کوئی ہے تو حریفانہ ہے
ایک ہی تھال سے ہمیں چننی ہیں نان جویں
ایک ہی سانپ کے منہ سے ہمیں من چھیننا ہے
اور اس کشمکش رزق میں موہوم کشائش کی کلید
جس قدر میری قناعت میں ہے
اتنی تیری فیاضی میں
میں تیری چھاؤں میں پروان چڑھوں
اپنی آنکھوں پہ تیرے ہاتھ کا سایہ کر کے
تیرے ہمراہ میں سورج کی تمازت دیکھوں
اس سے آگے نہیں سوچا دل نے
پھر بھی احوال یہ ہے
اک بھروسہ ہے کہ دل سبز کیے رکھتا ہے
اک دھڑکا ہے کہ خوں سرد کیے رکھتا ہے

وہ فائزہ کی ہدایت پر ملازمہ سے خزیمہ کے کمرے کی صفائی کروا رہی تھی اسے یہاں آئے مہینہ بھر ہونے کو تھا، اس نے خزیمہ کا کمرہ نہ دیکھا تھا، فائزہ خزیمہ اور انشال میں موجود اجنبیت بھانپ چکی تھیں، وہ دونوں میں موجود اجنبیت کی دیوار گرانا چاہتی تھیں، انہوں نے اس روز بہانے سے انشال کو خزیمہ کے کمرے میں بھیجا تھا، خزیمہ نو بجے سو کر اٹھتا تھا اور ناشتہ کرنے کے بعد تقریباً ساڑھے دس بجے آفس چلا جاتا تھا، خزیمہ اپنے کمرے میں آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا، انشال رفعت (ملازمہ) کے ہمراہ خزیمہ کے کمرے میں آ کر اپنی نگرانی میں صفائی کروانے لگی، خزیمہ واش روم میں نہا رہا تھا۔

''رفعت!'' فائزہ نے تھوڑی دیر بعد دانستہ رفعت کو آواز دی، خزیمہ واش روم سے نکلنے والا تھا، وہ انشال اور خزیمہ کو تنہائی دینا چاہتی تھیں تا کہ خزیمہ کے وجود پر جمی سرد مہری پگھل جائے وہ انشال کے لئے بہت متفکر تھیں، خزیمہ اسے پہلی نظر میں ریجکیٹ کر چکا تھا اور وہ بھائی کے سامنے روز محشر شرمندہ نہ ہونا چاہتی تھیں۔

''جی بی بی جی!'' رفعت پکار پر فوراً بھاگی آئی تھی۔

''تم خزیمہ کے لئے ناشتہ تیار کرو، انشال

کمرہ صاف کر لے گی۔" فائزہ نے اسے ناشتہ تیار کرنے کا حکم دیا اور خود لاؤنج میں بیٹھ گئیں، رفعت سر ہلاتی کچن میں چلی گئی، فائزہ کا سارا دھیان خزیمہ کے کمرے کی طرف تھا، انشال چند لمحے رفعت کا انتظار کرنے کے بعد کمرہ صاف کرنے لگی، کمرہ میں بے ترتیبی بالکل نہ تھی، تمام اشیا سلیقے سے اپنی جگہ پر تھیں، انشال کو قدرے حیرت ہوئی، اسے نورین خالہ کے بیٹے یاد آ گئے، ان تینوں میں ترتیب بالکل نہ تھی، تینوں بھائیوں کے آفس جانے کے بعد آدھا دن گھر کا بکھیرا سمیٹتی رہتی ہیں۔

انشال کا دل دھیرے سے دھڑک اٹھا اور لبوں پر دھیمی مسکان سج گئی، کمرے پر حق ملکیت کا احساس ہوا تو تن من میں خوشی پھوار بن کر برسنے لگی، لائٹ کریم اور لائٹ چاکلیٹ کلر کا پینٹ، ڈارک براؤن نرم وال تو وال کارپٹ، جہازی سائز کا خوبصورت منقش بیڈ، دائیں دیوار پر لگائی وی بائیں طرف فل سائز کا الماری، ملحقہ دیوار کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل اور نیچے کارپٹ پر رکھا لیپ ٹاپ وہ مسرور سی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی کہ خزیمہ نہا کر باہر نکلا۔

"تم یہاں۔" خزیمہ کو اسے یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی تو وہ استعجاب بھری نظروں سے اسے گھورنے لگا، وہ بلاشبہ بہت خوبصورت تھی، بس ذرا دبو قسم کی تھی، خزیمہ نے ناگواری سے نظریں پھیر لیں اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال سلجھانے لگا۔

انشال اس کی نگاہوں کے ارتکاز سے اپنے دل کی اودھم مچاتی دھڑکنوں کو سنبھالنے میں ناکام ہوئی جا رہی تھی، وہ گھبرا کر کوئی وضاحت دینے کو تھی کہ خزیمہ اپنے بال سلجھانے لگا، وہ کلمہ شکر ادا کرتی تیر کی طرح کمرے سے باہر نکلی۔

"ہوں۔" خزیمہ نے مرر میں اس کا عکس کو دیکھتے ہوئے استہزائیہ ہنکارا ابھرا۔

"جو لڑکی میرے سائے سے بھی گھبراتی ہو، وہ میرے ساتھ میرے سوشل سرکل میں کیسے موو کرے گی۔" خزیمہ کا ذہن الجھ گیا، وہ بال سلجھا کر باہر نکلا تو رفعت ناشتہ لگا چکی تھی، فائزہ نے انشال کی گھبراہٹ اور خزیمہ کی سرد مہری و بے زاری واضح محسوس کی تھی، وہ طویل سانس بھر کر رہ گئیں۔

انشال نے خود کو خزیمہ کے جانے تک اپنے کمرے میں مقید کر لیا تھا، بار حیاء سے اسے کا حسن دو آتشہ ہو چکا تھا مگر اس حسن کو سراہنے والی آنکھ میں بیزاری و سرد مہری کے علاوہ کچھ نہ تھا، اگر وہ خزیمہ کی آنکھوں میں جھانک لیتی تو اس وقت اپنے منتشر دھڑکنوں پر قابو پانے کی بجائے حیرت سے نڈھال ہوئی بھلا دل محبت کی بجائے نفرت کہاں سہہ پاتا ہے، اسے تو محبت کی جگہ محبت ہی چاہیے ہوتی ہے، نفرت دلوں کو مرجھا دیتی ہے۔

خزیمہ ناشتہ کر کے آفس جانے لگا تو گاڑی گیٹ سے نکالتے ہوئے اس کی اتفاقیہ نظر انشال کے کمرے کی لان میں کھلتی کھڑکی پر پڑ گئی، انشال نے نظروں کے ملاپ پر گھبرا کر اک جھٹکے سے پردہ چھوڑ دیا تھا، خزیمہ نے تنفر سے اسے دیکھا اور گاڑی آفس کے رستے پر ڈال دی تھی۔

☆☆☆

اک ندی موج در موج پہلو بدلتی رہی
ایک کشتی بڑے رکھ رکھاؤ سے چلتی رہی
اک پرندہ ہوا آب و دانہ کی خواہش میں گم
اک ٹہنی کے دکھ میں ہوا ہاتھ ملتی رہی
اک ستارہ کہیں آسمان پر الجھتا رہا
اک انگنائی میں رات بھر آگ جلتی رہی
اک مسافت مکمل ہوئی نیند ہی نیند میں
اک پچنے میں دن کی تھکن پنکھ جھلتی رہی
اک دریچہ بلاتا رہا اپنی آغوش میں
اک آوارگی گھر سے لے کر نکلتی رہی
اک نئی دنیا کے خواب آنکھوں نے دیکھے بہت
اک اظہار کی سعی میں عمر ڈھلتی رہی

وہ غصے سے آفس میں داخل ہوا تھا، اس نے آتے ہی اپنی پرسنل سیکرٹری کو فون پر ڈسٹرب نہ کرنے کی ہدایت کی تھی، اس نے دوپہر کی اہم میٹنگ بھی کینسل کر دی تھی، وہ بار بار غصے میں مٹھیاں بھینچ رہا تھا، اس کا غصہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

وہ ژالے اور انشال کا تقابل کرنے لگا، ژالے ماڈ، بولڈ اور پر اعتماد لڑکی تھی، وہ مکس گیدرنگ میں ایزی فیل کرتی تھی، اسے پہننے اوڑھنے اور فیشن سے مکمل آگاہی تھی، اس کے پاس جدید طرز کے ڈریسز اور نت نئے جوتوں کا ڈھیر تھا، وہ آئے روز اپنا ہیئر اسٹائل بدلتی رہتی تھی، اس کی زندگی میں جمود نہ تھا جبکہ دوسری طرف انشال تھی، وہ دبو، خاموش، سادہ اور لئے دیئے انداز رکھنے والی لڑکی تھی، وہ تو اپنے کزن کی موجودگی میں گھبرا جاتی تھی پھر وہ مکس گیدرنگ کیسے اٹینڈ کر پاتی، اسے فیشن سے آگہی نہ تھی، اس نے انشال کو مہینہ بھر میں پانچ چھ سوٹ پہنے دیکھا تھا، حالانکہ فائزہ نے اس کے لئے ڈھیروں شاپنگ کی تھی اور ہمیشہ لمبے بالوں کی سادہ چوٹی بنا کر رکھتی تھی، اس کے بالوں کی سیدھی مانگ خزیمہ کو بہت بری لگتی تھی، اس کی زندگی میں جمود تھا۔

"مائی فٹ۔" وہ غصے سے مکا فضا میں لہرا کر رہ گیا، فائزہ نے صاف الفاظ میں خزیمہ کی پسند نہ پوچھی تھی لیکن وہ ماں کی فطرت سے واقف تھا، فائزہ ہمیشہ اپنے دل کی کرتی تھیں، انہیں انشال پسند تھی تو وہ ہر صورت صرف اسی کو بہو بنا کر رہتیں۔

خزیمہ کا دل و دماغ پریشان کن سوچوں سے پھٹنے لگا تھا، وہ جس سوسائٹی کا حصہ تھا وہاں انشال جیسی لڑکی کی سنگت اس کے لئے سراسر ہتک و بے عزتی تھی، وہ قدم قدم پر لوگوں میں شرمندہ نہ ہونا چاہتا تھا اور نہ ہی اسے لوگوں کی نظروں میں اپنے لئے ترحم یا استہزائیہ دیکھنا پسند تھا۔

"اوہ مائی گاڈ۔" خزیمہ کا دماغ پھٹنے کو تھا، اس نے سر چیئر کی بیک سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔

"خزیمہ، تم نے اپنی سیکرٹری کو اتنی ڈھیل دے رکھی ہے کہ وہ میری انسلٹ کرتی پھرے۔" اسی لمحے دروازہ کھلا اور ژالے تن فن کرتی اندر داخل ہوئی تھی، وہ وائٹ کاٹن کے سوٹ، جس کے بازو سبز اور گلے پر کالے رنگ کی ایمبرائڈری تھی، لائٹ آتشی گلابی دوپٹہ کو مفلر کی صورت کندھے پر لٹکائے لال بھبھوکا چہرہ لئے اس کے سامنے تھی، اس کا ہیئر اسٹائل چینج تھا اور اس پر بے حد سوٹ کر رہا تھا، کانوں میں بڑے بڑے گلابی آویزے اور انگلیوں میں اسٹائلش وائٹ رنگز تھیں، وہ حسین و جمیل نہ تھی مگر اسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ تھا۔

خزیمہ کی طبیعت پر چھائی کلفت دور ہو گئی، اس کی آنکھوں میں ستائش ابھر آئی تھی، ژالے نے شرمانے یا گھبرانے کے بجائے اسے شوخ و متبسم نظروں سے گھورا۔

"اے مسٹر، میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔" ژالے نے خزیمہ کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے اسے ہوش دلایا، وہ سارا معاملہ سمجھ چکا تھا، یقیناً

رابعہ (سیکرٹری) نے اسے اندر آنے سے منع کیا تھا اور وہ غصے میں آکر کسی کو بھی پرواہ کیے بغیر سیدھا اس کے آفس میں گھس آئی تھی، خزیمہ کی نظر آفس کے دروازے میں کھڑی رابعہ پر پڑی جو ژالے کے پیچھے اسے روکنے کے لئے لپکی تھی۔

''آپ جائیں مس رابعہ۔'' خزیمہ نے نرمی سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

''جی جناب!'' خزیمہ کا موڈ خوشگوار تھا اس نے پلٹ کر خود پر اعتماد شوخ نگاہیں جمائے ژالے کو مخاطب کیا جو حق استحقاق سے اسے قدرے مخمور انداز میں دیکھ رہی تھی، اسے خزیمہ کی تنہائی میں قربت پریشان نہ کر رہی تھی، اس نے اک ادا سے اپنے بال جھٹکے وہ انشال سے زیادہ حسین نہ تھی۔

''اگر انشال بھی فیشن وادا کے گر سیکھ لے تو وہ میرے ساتھ خوب جچے گی۔'' خزیمہ نے پہلی بار انشال کے متعلق مثبت انداز میں سوچا اور پھر وہ ژالے سے باتوں میں محو ہونے سے قبل مما سے انشال کے متعلق بات کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

☆☆☆

اس ادا سے بھی ہوں آشنا، تجھے اتنا حسن پر غرور ہے

میں جیوں گا تیرے بغیر بھی، مجھے زندگی کا شعور ہے

نہ ہوس مجھے منے ناب کی، نہ طلب صباء سحاب کی

تیری چشم ناز کی خیر ہو، مجھے بے پیئے ہی سرور ہے

جو سمجھ لیا تجھے بے وفا، تو پھر اس میں تیری بھی کیا خطا

یہ خلل ہے میرے دماغ کا، یہ میری نظر کا قصور ہے

کوئی بات دل میں وہ ٹھان کے، نہ الجھ پڑے تیری شان سے

وہ نیاز مند جو کہ سر بہ خم، کئی دن سے تیرے حضور ہے

میں نکل کر بھی تیرے دام سے، نہ گروں گا اپنے مقام سے

میں قتیل جور وستم سہی، مجھے تجھ سے عشق ضرور ہے

شام کی لالی دھیرے دھیرے کائنات پر پھیل رہی تھی، پرندے اپنے آشیانوں کو محو پرواز تھے، وہ نہا کر نکلی تو لان میں چلی آئی، اس کے لمبے گیلے بال تولیے میں جوڑے کی صورت لپٹے تھے، وہ بلیک اور وائٹ کنٹراسٹ سوٹ میں ملبوس سادگی میں بھی دمک رہی تھی، اس کے کان اور ہاتھ خالی تھی لیکن ان کے بغیر بھی اس کا حسن مکمل تھا۔

وہ لان میں موتیے کے پھول چن رہی تھی، فائزہ گھر پر نہ تھیں خزیمہ آفس سے آتے ہی لیپ ٹاپ پر مصروف ہو گیا تھا، وہ کام سے تھک گیا تو فریش ہونے لان میں چلا آیا۔

''ہیلو گرل!'' خزیمہ اسے دیکھ کر قریب آ گیا، وہ اس کی بات پر زور سے اچھل پڑی اور ہاتھ میں پکڑے پھول خزیمہ کے قدموں میں بکھر گئے تھے، خزیمہ نے بغور اسے دیکھا، اس کی لمبی پلکیں لرز کر گالوں پر سایہ فگن تھیں اور ہونٹوں کا خوبصورت کٹاؤ ہلکا سا پھیل گیا تھا، وہ سادگی میں بھی حسن کا پیکر لگ رہی تھی، اس کا ڈریس بھی قدرے معقول اور شہر کے مہنگے بوتیک کا تھا، خزیمہ کی نظروں میں پہلی بار اس کے لئے ستائش ہی ستائش تھی۔

''میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا، تم آخر خود کو کیا سمجھتی ہو۔'' انشال اس کی قربت سے گھبرا کر راہ فرار اختیار کرنے کو تھی کہ خزیمہ نے اس کا بازو پکڑ کر غصے سے بھینچے لہجے میں کہتے ہوئے اپنی

ست ہلکا جھٹکا دیا تھا، اپنے دھیان میں کھڑی انشال لڑکھڑائی اور اپنا بچاؤ کرتے کرتے اپنا سر خزیمہ کے کندھے سے ٹکرا بیٹھی، اسے لگا اس کا دل تیزی سے دھڑک کر پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا، خزیمہ کے ہاتھ میں دبا اس کا نازک ہاتھ پسینے میں بھیگ چکا تھا، خزیمہ کو وہ کسی دور دیس کی بھولی بھٹکی شہزادی لگی جو اپنے دیس کا رستہ بھول کر ادھر آ گئی ہو، اسے انشال پر ترس آنے لگا اس نے انشال کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

وہ وہیں جمی کھڑی رہی شاید خزیمہ کی خفگی کا ڈر تھا یا اس کی ڈانٹ کا اثر تھا۔

''انشال! تم مجھ سے اتنا گھبراتی کیوں ہو؟'' خزیمہ نے اسے نرمی سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا، وہ یونیورسٹی میں لڑکیوں میں بہت پاپولر تھا، یونیورسٹی کے بعد اس کے سوشل سرکل کی لڑکیاں بھی اس پر دیوانہ وار مرتی تھیں، اس کی کئی لڑکیوں سے دوستی تھی اسے کبھی کسی لڑکی سے محبت نہ ہوئی تھی، کئی لڑکیوں نے اس کی دوستی کو محبت کا رنگ دے کر اس کی پذیرائی کی تھی، لیکن اس نے معذرت کر لی۔

اسے انشال سے بھی محبت نہ تھی لیکن وہ اسے پسند ضرور آ گئی تھی، پسند تو اسے ژالے بھی تھی تو پھر محبت...... خزیمہ ایک پل کو الجھ کر اسے دیکھنے لگا، اس کا دل انشال کے لئے نہ دھڑکا تھا البتہ نگاہوں میں ستائش ضرور بھری تھی، وہ فطرتاً حسن پرست تھا۔

''جاؤ تم۔'' خزیمہ نے بت بنی کھڑی انشال کو مخاطب کیا، وہ تیزی سے اندر بڑھ گئی، خزیمہ کی نگاہوں میں لحہ بہ لحہ ستائش و پسندیدگی بڑھ رہی تھی، اس کا دل انشال کے دام میں پھنسا نہ تھا مگر الجھ ضرور گیا تھا، اس کا مسحور کن حسن بلاشبہ مخالف کو اپنے سحر میں جکڑتا تھا، وہ بھی دھیرے دھیرے اس کے سحر میں پھنستا جا رہا تھا لیکن اسے اپنے اصول و موقف سے پیچھے ہٹنا بھی قبول نہ تھا اسے انشال کو اپنی پسند میں ڈھالنا تھا۔

☆☆☆

اسے انجانے رستوں سے گزر جانے کی خواہش تھی

محبت میں امر ہو جانے کی، مر جانے کی خواہش تھی

وہ کہتا تھا جیون تیرگی ہے

اور ہمیں اس تیرگی میں رنگ بھرنے ہیں روشنی کے

اور یہ ہم کو مختصر سے جو چند لمحے میسر ہیں

یہ لمحے ہمیں محبت سے آباد کرتے ہیں

کسی کو دور سے دیکھنا اور کسی سے بات کرنی ہے

جہاں یہ دن گزر جائیں، وہیں یہ رات کرنی ہے

وہ کہتا تھا محبت کا کوئی موسم نہیں ہوتا

ادھوری سی محبت ہے، ہمیں تکمیل کرنی ہے

محبت کو نئے ڈھب سے بسر کرنے کی خواہش

اسے شب بھر جگاتی ہے

نہ جانے کونسی خواہش اسے ہر پل رلاتی ہے

شناسا تھا پر ہر اک سے بہت انجان رہتا تھا

اسے ہر شخص کو حیران کر جانے کی خواہش تھی

محبت میں امر ہو جانے کی، مر جانے کی خواہش تھی

''مما مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔'' فائزہ کچھ دیر قبل گھر لوٹی تھیں، وہ اپنے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی میک اپ اتار رہی تھیں، خزیمہ ان کی واپسی کا منتظر تھا، وہ مما سے دوٹوک بات کر لینا چاہتا تھا، فائزہ نے اسے سنجیدہ نظروں سے دیکھا، وہ کچھ روز سے سخت اپ سیٹ تھا شاید انشال کی آمد کے بعد سے، فائزہ نے ذہن پر زور دیا، خزیمہ نے زندگی میں کمپرومائز کرنا سیکھا ہی نہ تھا، وہ باپ کا بے حد چہیتا اور لاڈلا تھا۔

''مما! مجھے انشال سے شادی پر نہیں اس کی شخصیت پر سخت اعتراض ہے، مما وہ میرے ساتھ ہائی سوسائٹی میں سوٹ ایبل نہ ہو گی۔'' خزیمہ نے پاپا کے بزنس کے ساتھ چمڑے کا بزنس بھی شروع کیا تھا، اس کا بزنس بہت اچھا جا رہا تھا، وہ ہائی سوسائٹی میں ''بزنس رولز'' جانتا تھا اور انشال ان رولز کو کبھی فالو نہ کر پاتی، انشال نے اسلام آباد جیسے بڑے شہر کے محل نما بڑے گھر میں رہ کر بھی اپنے طور و اطوار نہ بدلے تھے خزیمہ نے کئی روز اس کا خاموش تجزیہ کرنے کے بعد کلینزنگ سے چہرہ رگڑتی مما سے بالآخر آج کہہ ڈالا تھا، فائزہ کے کلینزنگ میں مصروف ہاتھ رک گئے، انہیں خزیمہ سے اسی بات کی توقع تھی۔

''ژالے تو پھر تمہارے لئے سوٹ ایبل ہو گی نا۔'' مما نے تنفر و غصے سے زہر خند انداز میں اسے ملامت کی، وہ اس سے کبیدہ خاطر تھیں انہیں بھائی سے کیا وعدہ پورا کرنا تھا اور خزیمہ کسی طور ان کے قابو میں نہ آ رہا تھا۔

''مما پلیز، آپ جانتی ہیں مجھے ژالے سے محبت نہیں ہے وہ صرف میری بیسٹ فرینڈ ہے۔'' خزیمہ نے بد مزگی سے منہ بنا کر وضاحت دی تھی، وہ مما کو کئی بار اپنے اور ژالے کے حوالے سے کنوینس کر چکا تھا لیکن ان کے دل سے نجانے کیوں شک نکلنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔

''میں نے بھی بات سوٹ ایبل ہونے کی ہے نہ کہ محبت کی۔'' فائزہ اسے بھگو بھگو کر مار رہی تھیں ان کا بس نہ چل رہا تھا اسے ایک منٹ میں سیدھا کر دیتیں، اس کے دماغ سے ہائی سوسائٹی کے سوٹ ایبل ہونے کا خیال کھرچ کر پھینک دیتیں۔

''مما پلیز، ٹرائے تو انڈر اسٹینڈ، مما جانی انشال بہت اچھی لڑکی ہے، وہ مجھے بھی پسند ہے لیکن......'' خزیمہ نے مما کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے محبت سے انہیں مسکا لگایا، انہیں منانے کا اک یہی طریقہ کامیاب تھا، ان کی خزیمہ میں جیسے جان تھی۔

''خزیمہ! وہ بہت اچھی لڑکی ہے، میں بھی اسی ہائی سوسائٹی کا حصہ ہوں، میری ڈریسنگ اور گیدرنگ بھی ویسی ہے جیسی کہ انشال کی، وہ کم گیدرنگ میں ان ایزی فیل کرتی ہے میں بھی ان ایزی فیل کرتی ہوں، تمہیں مجھ پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے پھر اس پر کیوں ہے؟'' فائزہ نے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے آخر میں سوال داغ دیا، وہ چند لمحے خاموش رہا، اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا، مما کی بات بالکل معقول تھی، وہ مما کے ساتھ سوشل پارٹیز میں جاتا رہتا تھا، وہ مما کے سرکل کی کئی بیگمات سے مل چکا تھا، وہ سب بہت آزاد خیال اور فیشن ایبل تھیں، اے ان سب میں اپنی مما بہت سوبر، نائس اور گریس فل لگتی تھیں، مما کا دوپٹہ لینے کا اپنا مخصوص سٹائل تھا جو انہیں بے حد سوٹ کرتا تھا، جبکہ باقی بیگمات تو سر پر دوپٹہ لینا تو کجا، سلیولیس اور ڈیپ گلے والے ڈریس زیب تن کرتی تھیں۔

''خزیمہ! میں انشال سے بات کروں گی، وہ خود کو اور بدل لے گی، اس کا بچپن و جوانی جس ماحول میں گزری ہے وہ ہمارے ماحول سے بالکل مختلف تھا، وہ کافی سمجھ دار بچی ہے مجھے امید ہے وہ سمجھ جائے گی، اب خوش۔'' مما نے خزیمہ کو دلاسا دیتے ہوئے اس کے گال تھپتھپائے۔

''اور مما، اسے کہیں وہ گھر میں رہنے کی بجائے ماسٹرز کرے۔'' خزیمہ نے جھٹ فرمائش کر ڈالی، مما کو اس کی تجویز پسند آئی تھی۔

''ہوں تم کہہ تو صحیح رہے ہو۔'' مما نے فوراً تائید کی تھی۔

☆☆☆

یونہی اجنبی نہ بنا کرو، کبھی مسکرا کر بھی ملا کرو
کبھی سن لو میرا حال دل، کبھی مجھ سے کوئی گلہ کرو
تیری اک نظر تیری اک ادا، میرے دل کو کر دیا لاپتہ
میرے دوستو، میرے ہمنوا، میرے دل کا کوئی پتہ کرو
یہ طریقہ عشق ہے کچھ تو ہو وفا کرو یا جفا کرو
کوئی فیصلہ میرے مہرباں، کوئی رسم تم بھی ادا کرو
نہ ہے زیست کا کوئی فیصلہ، نہ ہے خودکشی کا حوصلہ
مجھے پیار دو یا مجھے مار دو، کوئی کام تم بھی کیا کرو

وہ نماز عشاء کے بعد حسب معمول لان میں واک کرنے میں مگن تھی اس پر نجانے کیوں اداسی طاری تھی، اس کا دھیان بار بار خالہ نورین اور شائنہ کی طرف جا رہا تھا، اس نے ان کو محض چار پانچ بار فون کیا تھا، وہ اس کی طرف سے خاصی مطمئن تھیں، انہیں بہت خوشی تھی کہ فائزہ اپنی امانت لے گئی ہیں، وہ اداسی مٹانے کو واک کے لئے لان میں آ گئی مگر وہ جلد اکتا گئی۔

وہ اپنے کمرے میں جانے لگی تو اپنے نام و ذکر پر چونک گئی اور فطری تجسس نے اس کے قدم جکڑ لئے، اس نے آواز کی سمت کا تعین کیا، آواز بلاشبہ خزیمہ کی تھی اور پھپھو کے کمرے سے آ رہی تھی۔

''مما مجھے انشال سے شادی پر نہیں اس کی شخصیت پر سخت اعتراض ہے، وہ میرے ساتھ ہائی سوسائٹی میں موو نہیں کر پائے گی۔'' انشال کو لگا کسی نے پگھلا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہو، وہ یہاں آ کر خزیمہ سے کترانے لگی تھی اسے اپنے اور خزیمہ کے رشتے کا حجاب مانع تھا وہ جلد کسی سے فری نہ ہوتی تھی مگر خزیمہ کا معاملہ مختلف تھا، وہ اس کی محبت اور منگیتر تھا، اسے خزیمہ سے شدید محبت تھی، اسے خزیمہ کا لڑکیوں سے ملنا سخت ناپسند تھا، اس کی کئی گرل فرینڈز تھیں، اسے یہ بھی علم تھا کہ خزیمہ پارٹیز میں لڑکیوں سے ہاتھ ملانا یا ان کے بازو میں بازو ڈالنا برا محسوس نہیں کرتا ہے لیکن اس نے تو خزیمہ کی کسی عادت یا بات پر اعتراض نہ کیا تھا، اس نے تو صرف اسے چاہا تھا، اس سے شدید محبت کی تھی۔

وہ خزیمہ کے اجتناب و گریز کو فطری حیاء پر معمول کرتی تھی کہ ان دونوں کا رشتہ شادی سے پہلے اس کا متقاضی تھا، لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی، خزیمہ اس سے فطری حیاء و گریز نہیں نفرت کرتا تھا وہ شاید ناپسند کرتا تھا نفرت نہیں، انشال کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اسے شدت سے ابا، شائنہ اور خالہ یاد آئیں۔

وہ جب سے آئی تھی خزیمہ نے اسے دو تین بار مخاطب کیا تھا اس نے بھی خزیمہ سے چند بار سے زائد بات نہ کی تھی، لیکن اس کا دل تو خزیمہ سے بدگمان نہ ہوا تھا، پھر وہ کیوں اس سے بدگمان تھا، وہ کیوں اس پر اعتراض کر رہا تھا اس نے بھی خزیمہ کو اس کی کئی خامیوں و برائیوں سمیت قبول کیا تھا، وہ اس کے گریز کو اس کی محبت سمجھ رہی تھی لیکن اس کی بھول تھی، اس کے آنسوؤں میں شدت آ گئی۔

یہ خزیمہ کی محبت یا چاہت نہیں تھی، یہ تو بدگمانی تھی جو دلوں میں جگہ پا لے تو محبت کا بیج اگنے نہیں دیتی، یہ تو نفرت کی شروعات تھیں۔

یہ محبت و عشق کا وطیرہ تو نہیں تھا، کیا وہ محبت کے سفر میں تنہا تھی، انشال نے کرب و اذیت سے آنکھیں بند کر لیں، آنسو اس کے گالوں سے پھسل کر اس کا گریبان بھگونے لگے تھے۔

وہ تو محبت کا طویل سفر طے کر آئی تھی، اس کی حالت اس مسافر جیسی تھی جسے اپنی منزل کے

قریب پہنچ کر یاد آئے کہ وہ اپنی قیمتی ترین چیز تو گھر بھول آیا ہے، وہ سوچوں میں گم ان کی مزید باتیں نہ سن سکی اور اپنے بے جان ہوتے وجود کو بوجھل قدموں سے گھسیٹتی کمرے میں چلی گئی، جو اس کی جائے پناہ تھا، اس کے ہر غم دکھ، سکھ اور ہنسی کا شریک تھا، اسے اب بھی اپنا غم اسی سے بانٹنا تھا۔

☆☆☆

ریزہ کانچ کی صورت میں بکھر جاتا ہوں
میں تیری یاد میں جب حد سے گزر جاتا ہوں
اب گریزاں ہے وہ ملنے سے جو کہتا تھا کبھی
تم سے ملتے ہی میں کچھ اور نکھر جاتا ہوں
روز کھاتا ہوں تجھے یاد نہ کرنے کی قسم
روز وعدوں سے میں اپنے ہی مکر جاتا ہوں
مجھے تماشا بنا دیا ہے محبت نے تیری
لوگ کستے ہیں آوازیں میں جدھر جاتا ہوں
ہر قدم پر کھایا ہے محبت کا دھوکا
اب کوئی پیار سے بلاتا ہے تو ڈر جاتا ہوں

اس کا موبائل ٹیبل پر پڑا کب سے بج رہا تھا، عزمی سوچوں میں گم خالی نظروں سے آفس میں بیٹھا چھت گھورے جا رہا تھا، موبائل چند لمحے بعد دوبارہ بجنے لگا، عزمی نے چونک کر موبائل اٹھایا، ''خزیمہ کالنگ'' کے حروف جلملا رہے تھے، اس کی اداس ذات میں اداسی مزید اتر گئی۔

''کمینے میں دس منٹ میں تمہارے آفس پہنچ رہا ہوں۔'' اس نے موبائل آن کر کے جونہی کان سے لگایا تو دوسری طرف سے خزیمہ کی غصے سے چنگھاڑتی آواز نے اس کے کانوں کے پردے پھاڑ دیے، خزیمہ نے بغیر سلام دعا کے پیغام دے کر کال ڈس کنیکٹ کر دی، عزمی نے الجھ کر موبائل کان سے الگ کیا تو سکرین پر 9Missed calls جگمگا رہا تھا، خزیمہ کا غصہ جائزہ تھا، اسے سوچوں میں گم اس کی کال کی بالکل خبر نہ ہوئی۔

عزمی کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی، وہ خزیمہ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے طریقوں پر غور کرنے لگا، خزیمہ اگلے دس منٹس میں اس کے آفس کے باہر تھا، اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی ابھی آف ہونے میں آدھا گھنٹہ تھا۔

''کہاں مر گئے تھے تم۔'' خزیمہ اندر داخل ہوتے ہی غصے سے بھنچے لہجے میں غرایا، عزمی نرمی سے مسکرا دیا، خزیمہ اس کا پرانا دوست تھا اس کے غصے میں بھی اس کی محبت چھپی تھی۔

''السلام علیکم!'' عزمی نے اس کے غصے بھرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، خزیمہ کو پل بھر کے لئے شرمندگی نے گھیر لیا۔

''وعلیکم السلام!'' وہ مصافحہ کرتے ہوئے خفگی سے اسے گھورتا سامنے صوفے پر جا بیٹھا، عزمی اس کی رگ رگ سے واقف تھا، وہ اس کے غصے کی وجہ سمجھ چکا تھا مگر بحث سے گریزاں تھا۔

''تم چائے پیو گے یا ڈرنک۔'' عزمی نے اس کے غصے بھری محبت سے محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا، اس پر کچھ دیر پہلے کی چھائی اداسی غائب ہو چکی تھی، انشال کی یادیں کسی دور دیس جا سوئی تھیں اور دوست کی محبت جاگ گئی تھیں۔

''تم اتنے روز سے مجھ سے ملے کیوں نہیں تھے۔'' وہ دونوں اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے ٹائم نکال کر ہر دوسرے دن ملا کرتے تھے اور اب انہیں ملے دو ہفتے سے زائد ہو چکے تھے، خزیمہ دوبار اس کے گھر گیا مگر وہ گھر پر نہ تھا، خزیمہ نے اسے آفس میں آن گھیرا تھا، عزمی اس کا سامنا کرنے سے کترانے لگا تھا، عزمی کو اکثر یوں محسوس ہوتا تھا کہ خزیمہ اس کے دل میں چھپی انشال کی محبت جان لے گا اور وہ دوست کے سامنے شرمندہ نہ ہونا چاہتا تھا، عزمی نے خفیف سی سرد آہ بھری۔

''بس کر مجنوں کے جانشین، مجھے صاف بتا وہ کون ہے جس نے تمہیں میری یاد بھلا دی۔'' خزیمہ اس کے حال دل کو نہ پائے یہ ناممکن تھا، وہ خود کو اپنے گھر والوں سے چھپا سکتا تھا مگر خزیمہ سے نہیں۔

دو روز قبل ثمرین آپی و نسرین آپی نے بھی یہی سوال کیا تھا تو وہ سہولت سے انہیں ٹال گیا تھا مگر اب سامنے خزیمہ تھا، وہ خود کو بے بسی و مشکل کی انتہا پر محسوس کر رہا تھا۔

''دیکھا، مجھے پہلے ہی شک تھا۔'' خزیمہ نے اس کی چند لمحوں کی معنی خیز خاموشی سے شبہ پا کر ایک اور اندازہ لگایا، عزمی نے خود کو کمپوز کیا اسے خود کو سب سے چھپانا تھا، خزیمہ سے بھی، وہ اسے مطمئن کرنے کے لئے الفاظ ترتیب دینے لگا۔

''خزیمہ تم بھی نا، رائی کا پہاڑ بنا لیتے ہو۔'' عزمی نے مسکراتے ہوئے اس کی بات میں چٹکیوں میں اڑائی، خزیمہ خاموش رہا مگر اس کی آنکھوں میں واضح شک تھا۔

''یار میں تم سے کچھ چھپاؤں گا بھلا۔'' عزمی نے مصنوعی مان بھرے لہجے میں الٹا اس سے شکوہ کیا تو خزیمہ لحہ بھر کو شرمندہ ہو گیا وہ غلط نہ کہہ رہا تھا، وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے کھلی کتاب کی مانند تھے۔

''تم میری آفس کی مصروفیات سے تو واقف ہو، اسی لئے میں نہ آ سکا تھا۔'' عزمی کی ایئر اینڈ کلوزنگ چل رہی تھی اسے فوراً معقول بہانہ مل گیا خزیمہ مطمئن سا نظر آنے لگا۔

''مما بھی تمہیں یاد کر رہی تھیں۔'' خزیمہ نے فائزہ کا ذکر کیا، وہ رات عزمی کو یاد کر رہی تھیں، عزمی نے آہ بھری اسے اب خزیمہ کو مطمئن کرنے کے لئے ناچار اس کے گھر جانا ہی تھا، وہ سر اثبات میں ہلاتا اس کے لئے کافی کا آرڈر دینے لگا پھر خزیمہ سے باتوں میں مصروف ہو کر وقت گزرنے کا احساس نہ رہا۔

☆☆☆

عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا
کبھی جاں صدقے ہوتی، کبھی دل نثار ہوتا
نہ مزہ ہے دشمنی میں، نہ ہے لطف دوستی میں
کوئی غیر غیر ہوتا، کوئی یار یار ہوتا
یہ مزہ تھا دل لگی کا، کہ برابر آگ لگتی
نہ تمہیں قرار ہوتا، نہ ہمیں قرار ہوتا
تیرے وعدے پر ستم گر، ابھی اور صبر کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں کچھ اعتبار ہوتا

عزمی کو وہ کھلے گیٹ سے ہی لان میں گلاب کے پھولوں کی کنج میں بیٹھی نظر آ گئی تھی، وہ اس سے تیسری بار مل رہا تھا، وہ محبت کا ادراک ہونے کے بعد محض خود کو جانچنے کے لئے ایک بار آیا تھا، پھر اس نے دوبارہ ادھر کا رخ نہ کیا تھا، وہ شاید کبھی نہ آتا اگر اسے خزیمہ آنٹی کی اس کی غیر حاضری پر تشویش نہ بتاتا۔

''السلام علیکم!'' وہ اسے دوبارہ دیکھنے کی شدید خواہش دل میں دباتا، بظاہر بے نیازی سے اس کے قریب سے گزر رہا تھا کہ انشال نے اسے پہنچانتے ہی سلام کر ڈالا، وہ گلابوں کے بیچ بیٹھی گلاب کی کلی کی مانند کھلی لگ رہی تھی وہ لائٹ گریپ اور لیمن کلر کے کنٹراسٹ سٹائلش سوٹ میں ملبوس عزمی کے ضبط کا امتحان بنی ہوئی تھی۔

''وعلیکم السلام!'' وہ نرمی سے سلام کا جواب دے کر آگے بڑھ گیا، وہ لاؤنج میں پہنچا تو فائزہ

خلاف معمول گھر میں سادہ حلیہ میں تھیں، وہ چہرے سے کچھ پریشان بھی لگ رہی تھیں، عزمی انہیں سلام کرتا ہوا ان کے سامنے صوفے پر ٹک گیا، فائزہ اس کی آمد پر بہت خوش ہوئی تھیں۔

"تم کہاں تھے اتنے روز سے عزمی۔" فائزہ نے فوراً اس کی غیر حاضری کا شکوہ کر ڈالا، وہ خزیمہ کی وجہ سے پریشانی صرف اسی سے شیئر کرنا چاہتی تھیں اور وہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھا۔

"آنٹی میں ذرا بزی تھا۔" عزمی شرمندہ سا وضاحت دینے لگا، فائزہ اسے خزیمہ کی طرح چاہتی تھیں اور وہ اک شخص کی وجہ سے انہیں بھی اگنور کر رہا تھا، وہ دل میں خود کو کوس رہا تھا۔

"آنٹی! آپ سنائیں آپ آج گھر پر ہیں، میں فارغ تھا تو ادھر آ گیا، میرا خیال تھا کہ آپ سے شاید ملاقات نہ ہو سکے، خزیمہ کدھر ہے۔" عزمی نے ایک ہی سانس میں وضاحت دیتے ہوئے سوال کر ڈالا فائزہ نے سرد آہ بھری۔

"مجھے اس نے بہت پریشان کر رکھا ہے عزمی۔" فائزہ نے دکھی لہجے میں شکوہ کرتے ہوئے اسے ساری بات بتا ڈالی، وہ بھی پریشان ہو گیا، اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ خوش ہو یا دکھی، خزیمہ کے صاف انکار کے بعد اس کا راستہ صاف ہو سکتا تھا، اس نے فائزہ کی پریشانی بھانپ کر اپنی سوچ پر لعنت بھیجی۔

"آنٹی آپ پریشان نہ ہوں، میں اسے سمجھاؤں گا۔" عزمی نے انہیں تسلی دی، فائزہ اپنی پریشانی شیئر کر کے ہلکی پھلکی ہو گئیں۔

"انشال ادھر آؤ بیٹا، یہاں بیٹھو۔" فائزہ نے اپنے کمرے کی سمت بڑھتی انشال کو بلا لیا، وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی فائزہ کے قریب صوفے پر آ کر ٹک گئی، عزمی کا دل اسے جی بھر کر دیکھنے کو مچل اٹھا، وہ اپنی اس خواہش کو نہ دبا سکا۔

"عزمی بیٹا چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" نوکر نجانے کب چائے کی ٹرالی لوازمات سمیت چھوڑ کر چلا گیا تھا، اسے فائزہ نے ٹوکا تو وہ خجل ہو کر چائے پینے لگا، فائزہ کی نظریں عزمی پر جمی تھیں، اس کے ماتھے پر مارے خفت کے پسینہ چمکنے لگا تھا۔

فائزہ نے انشال کو جانے کا اشارہ کیا وہ بنا آہٹ کیے اٹھ کر چلی گئی عزمی چائے ختم کر کے جانے کے لئے پر تولنے لگا وہ چوری پکڑے جانے پر مارے شرمندگی کے فائزہ سے نظریں نہ ملا پا رہا تھا۔

"آنٹی میں چلتا ہوں پھر آؤں گا۔" عزمی نے جانے کی اجازت طلب کی، فائزہ نے دھیرے سے سر ہلا دیا، ان کی آنکھوں میں سوچ کی واضح پرچھائیاں تھیں، عزمی لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔

☆☆☆

وہ بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگائے گہری سوچ میں گم تھیں، عزمی انہیں خزیمہ کی طرح بے حد عزیز اور پیارا تھا، وہ خزیمہ کا برسوں پرانا دوست تھا، وہ اسے اور اس کی فیملی کو جانتی تھیں، اس کا تعلق شہر کے معزز اور خوشحال گھرانے سے تھا، انہوں نے پہلی ملاقات میں ہی عزمی کا انشال کو دیکھ کر چونکنا محسوس کر لیا تھا، مگر انہوں نے وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا، عزمی دوسری بار آیا تو انشال سے کترانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

لیکن تیسری ملاقات میں عزمی کا بے حد بے خودی و محبت سے انشال کو دیکھنا، فائزہ نظر انداز نہ کر پا رہی تھیں، فائزہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگیں، عزمی کی محبت کی جوت سے چمکتی آنکھیں اور چہرے سے چھلکتا والہانہ پن کچھ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھا۔

"کیا عزمی انشال کو پسند کرنے لگا ہے۔"

"نہیں۔" سوچوں میں گم فائزہ نے نفی میں زور سے سر ہلایا، انشال ان کے پاس ان کے مرحوم بھائی کی امانت و نشانی تھی، وہ اسے ہرگز کہیں اور نہ جانے دیں گی، فائزہ نے پختہ ارادہ کیا تھا، وہ بے خبر تھیں کہ تقدیر ان کی سوچ اور ارادوں سے بالکل مختلف ہے۔

☆☆☆

"انشال بیٹا، تم ماسٹرز میں ایڈمیشن لے لو، تم اس طرح بزی رہو گی اور تمہارا وقت بھی اچھا گزر جایا کرے گا۔" انشال اور فائزہ نماز عصر کے بعد لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں، انشال کی نظریں بیل پر پھدکتی چڑیا پر جمی تھیں، وہ دلچسپی سے چڑیا کو پتے ٹھونگتی دیکھ رہی تھی، فائزہ نے اسے مشورہ دیا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی، وہ سارا دن گھر میں فارغ رہ کر بور ہوتی رہتی تھی، اسے ٹی وی یا رسالے پڑھنے کا خاص شغف نہ تھا، اسے باغبانی کا جنون تھا، انشال مالی کے جانے کے بعد خود تمام پودوں کی صفائی ستھرائی کرتی، اس نے مالی سے نت نئی نیریاں اور پودے منگوا کر لگوائے تھے۔

اسے دوسرا شوق کوکنگ تھا، وہ ٹی وی پر صرف کوکنگ چینلز دیکھتی تھی اور گھر میں نت نئے کھانے بناتی رہتی، فائزہ کو اس کے دونوں شوق ایک آنکھ نہ بھاتے تھے، وہ چاہتی تھی کہ انشال ان فضولیات پر توجہ دینے کی بجائے خود کو خزیمہ کی پسند کے سانچے میں ڈھال لے تاکہ خزیمہ کا اعتراض ختم ہو اور وہ بھائی کے سامنے سرخرو ہوں جبکہ انشال کچھ بھی سمجھنے پر تیار نہ تھی اور فائزہ کی مجبوری تھی کہ وہ اسے کچھ بتا کر ہرٹ نہ کرنا چاہتی تھیں، ان کی جہاندیدہ نگاہیں انشال کے دل میں چھپی خزیمہ کی محبت کھوج چکی تھیں۔

"بیٹا تم گھر رہ کر فضولیات پر ٹائم ضائع کرنے کی بجائے اپنی اسٹڈی شروع کر دو۔" انشال کا دل طرح طرح کے وسوسوں سے بھر گیا، وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں ان کی خواہش کا پس منظر سمجھ گئی تھی، وہ گومگو کی کیفیت میں تھی، اس نے مزید پڑھائی کا نہ سوچا تھا۔

"بیٹا تم یونیورسٹی جاؤ گی تو تمہیں لوگوں سے ملنا جلنا آ جائے گا۔" فائزہ نے دبے لفظوں میں اسے اس کی سادگی اور کم گوئی کا احساس دلایا۔

"یہ آپ کی نہیں خزیمہ کی خواہش ہے نا پھپھو۔" انشال نے الٹا ان پر سوال داغ ڈالا، وہ ایک لمحہ کو گڑبڑا گئیں، ان کی گڑبڑاہٹ سے انشال کو اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

"اوکے پھپھو، میں ایڈمیشن اوپن ہوتے ہی فارم منگوا لوں گی۔" انشال کے لئے خزیمہ کی کوئی خواہش رد کرنا ممکن نہ تھا، خزیمہ چاہتا تھا کہ وہ مزید پڑھے، انشال نے فوراً ہامی بھر لی تھی۔

"ایڈمیشن اوپن ہو چکے ہیں بیٹا تم کل خزیمہ کے ساتھ جا کر ایڈمیشن کروا لینا۔" فائزہ نے اس کے ہامی بھرتے ہی فوراً پروگرام بنا ڈالا تھا اور پھر انہوں نے خزیمہ کے آنے کے بعد اسے اگلے روز ہی ایڈمیشن کروانے کی تاکید کی، خزیمہ مطمئن تھا کہ انشال نے انکار نہ کیا تھا۔

☆☆☆

"انشال تم جلدی تیار ہو جاؤ تمہارا ایڈمیشن کروانے کے لئے یونیورسٹی چلتے ہیں۔" اس روز خزیمہ فارغ تھا، فائزہ دو روز کے لئے کسی سیمینار میں شرکت کے لئے کراچی گئی ہوئی تھیں، خزیمہ ناشتہ سے فارغ ہو کر لان میں انشال کو ڈھونڈتا ہوا آ گیا، وہ حسب معمول وہیں تھی اور چنبیلی کے

پھول چن رہی تھی، چنبیلی کی بھینی بھینی خوشبو ماحول پر سحر پھونک رہی تھی، خزیمہ نے انشال کی پشت پر آکر اسے نرمی سے مخاطب کیا، وہ اچھل پڑی اور اس کے ہاتھوں میں اکٹھے کیے ہوئے پھول خزیمہ کے قدموں میں گر گئے، انشال گھبرا کر پھول اکٹھے کرنے لگی۔

وہ گھبرائی سہمی خوبصورت ہرنی کی مانند لگ رہی تھی، خزیمہ نے اسے دل کے بے حد قریب محسوس کیا، اس کی لمبی گھنیری پلکوں کی چلمن رخساروں پر رقصاں تھی اور گلابی ہونٹوں کی کپکپاہٹ بالکل واضح تھی، وہ سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے تھی، وہ سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے تیزی سے پھول چن رہی تھی، وہ بلاشبہ حسن وسادگی کی مورتی تھی، اس کی دودھیا رنگت فیروزی پرنٹڈ سوٹ میں دمک رہی تھی۔

''اگر یہ لڑکی جدید طرز فیشن اور سٹائلش ڈریس زیب تن کرے تو میرے ساتھ بہت سوٹ کرے گی۔'' خزیمہ نے سنجیدگی سے سوچتے ہوئے پھول چنتی انشال کو دیکھا، انشال نے پھول چن لئے تھے وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پا چکی تھی، وہ اب خاصی پر اعتماد لگ رہی تھی۔

پھر وہ تیار ہونے چلی گئی، اس کی متوازن اور پر اعتماد چال نے خزیمہ کو کافی متاثر کیا تھا، وہ لان میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا، وہ جلد واپس آ گئی، وہ لائٹ لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل لگائے، جدید سٹائلش سوٹ میں ملبوس بالوں کا جوڑا بنائے بے حد حسین لگ رہی تھی۔

''انشال، تم کھلے بالوں میں زیادہ اچھی لگتی ہو۔'' خزیمہ نے آہستگی سے کہتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں کا جوڑا کھول دیا، اس کی لمبی گھنیری زلفیں آبشار کی مانند اس کی پشت پر بکھر گئیں، انشال کا دل دھڑک اٹھا اور ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں، خزیمہ وہ صرف انشال کا اعتماد چیک کر رہا تھا، اسے انشال کی خوبصورتی اور سحر انگیز شخصیت نہیں بلکہ اس کی بولڈنیس اور اعتماد سے غرض تھا اور اس میں یہ دونوں عادتیں مفقود تھیں، اس کی سادگی اور کم گوئی میں خاص فرق نہ پڑا تھا، وہ خزیمہ سے جھجک کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''ارے خزیمہ تم یہاں۔'' خزیمہ اس کا فارم جمع کروا کر آیا تو وہ خاصا تھکا ہوا تھا، یونیورسٹی میں بہت رش تھا، خزیمہ اسے لئے انگلش ڈیپارٹمنٹ کی کینٹین میں ریفریشمنٹ کے لئے آ گیا، وہ آرڈر دے کر انشال سے باتوں میں محو تھا کہ اک شناسی آواز سن کر چونک کر آواز کی سمت متوجہ ہوا۔

''ژالے تم؟'' خزیمہ محتاط انداز میں اسے مخاطب کرتا ہوا کھڑا ہو گیا، وہ سلیولیس جدید سٹائلش ڈیپ گلے والے سوٹ میں ملبوس تھی، اس کا برائے نام دوپٹہ گلے میں جھول رہا تھا، ژالے نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا جسے خزیمہ نے جھجکتے ہوئے تھام لیا، وہ انشال کے سامنے ژالے کی حد درجہ باکی کی وجہ سے خفیف تھا، ژالے اس سے مصافحہ کے بعد اس کے اتنا قریب تھی کہ اس کی سانسیں خزیمہ کو اپنے کندھے پر محسوس ہو رہی تھی، اس نے دانستہ ژالے سے فاصلہ بڑھا دیا، جسے ژالے نے فوراً محسوس کر لیا۔

''کم آن خزیمہ۔'' اس نے درمیانی فاصلہ پاٹتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا، اسی نے نجانے انشال کو دیکھا نہ تھا یا وہ اسے جان بوجھ کر اگنور کر رہی تھی۔

''ژالے یہ میری کزن ہے انشال۔''

خزیمہ کو چار و ناچار تعارف کی رسم نبھانا پڑی ژالے نے خزیمہ کے قریب چیئر پہ بیٹھی انشال کو دیکھا، وہ جو کوئی بھی تھی، بلاشبہ لاکھوں میں ایک تھی، اس کے اندر حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔

''اور میں خزیمہ کی فرینڈ اور ہونے والی وائف ہوں۔'' ژالے نے مصافحے کے لئے انشال کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے تعارف کی بقیہ رسم خود نبھائی، انشال شاکڈ اور خزیمہ بھونچکا رہ گیا، انشال نے خزیمہ کو دیکھا وہ ژالے کی بات کا انکار نہ کر رہا تھا اور نہ ہی اس نے ژالے کو ٹوکا تھا، ژالے نے مسکراتے ہوئے شاکڈ انشال کو ترچھی نظروں سے دیکھا اور ہاتھ بناء مصافحہ کیے نیچے گرا لیا۔

''ژالے!'' خزیمہ خود کو کمپوز کر کے بھینچے لہجے میں غرایا تھا اسے انشال کی نہیں فائزہ کی پرواہ تھی، انشال نے فائزہ کو بتا دینا تھا اور مما نے اس کی ٹھیک ٹھاک کلاس لے لینا تھی، انشال اسی کے اصرار پر تو ماسٹرز کر رہی تھی۔

''ویسے خزیمہ یہ صرف کزن ہی ہے نا۔'' ژالے نے خزیمہ کے غصے کی پرواہ کیے بغیر لفظ لفظ چباتے ہوئے استفسار کیا۔

''انشال! تم اٹھو یہاں سے۔'' خزیمہ کو ژالے کو بولڈنیس اور اعتماد متاثر کرتا تھا مگر اب اسے اس کی بولڈنیس زہر لگ رہی تھی وہ اس کا سوال نظر انداز کرتا ہوا انشال کا ہاتھ تھام کر اسے کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے جانے لگا، انشال ٹرانس میں بت کی مانند اس کے ساتھ گھسٹنے لگی۔

''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے ہو خزیمہ۔'' ژالے بدگمانی کی انتہا پر تھی وہ غصے سے زخمی ناگن کی طرح پھنکارتی خزیمہ کے پیچھے لپکی اور اس کے ہاتھ سے انشال کا ہاتھ چھڑوایا، وہ خزیمہ کو کسی اور کا ہوتا نہ دیکھ سکتی تھی، خزیمہ اس سے کچھ روز سے کترانے لگا تھا، اسے اپنا کوئی قصور یا غلطی نظر نہ آتی تھی، وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہو گا ژالے کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

''ہونے والی وائف سے تمہاری کیا مراد ہے ژالے، میں نے تم سے کبھی شادی کا وعدہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی کبھی اظہار محبت، تم اپنی خود ساختہ خوش فہمی سے باہر نکل آؤ۔'' وہ ژالے پر غصے سے گرجا وہ صرف انشال پر اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ مما کو کچھ نہ بتائے، اسے مما کے غصے سے ڈر لگتا تھا وہ انہیں ناراض نہ کرنا چاہتا تھا، وہ انجانے میں اپنی پوزیشن کلیئر کرتے ہوئے انشال اور ژالے دونوں کو بدگمان کر رہا تھا وہ دونوں بدگمانی اور بے یقینی سے خزیمہ کو دیکھ رہی تھیں۔

انشال کو اندازہ نہ تھا کہ وہ اس کی سادگی و کم گوئی سے اتنا بیزار ہو گا کہ کسی اور لڑکی سے شادی کرے گا، خزیمہ نے ژالے میں صرف بولڈنیس اور بے باکی پسند کی تھی، انشال کو پہلی دفعہ خزیمہ سے گھن آئی تھی، عورت تو پردے و سادگی میں چمکتی ہے جبکہ خزیمہ اس کے اندر دھواں بھرنے لگا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو، آدھی آدھی رات تک میرے ساتھ رہنا، ڈانس پارٹنر بننا، مجھے اپنی تمام گرل فرینڈز پر فوقیت دینا، وہ سب کیا تھا خزیمہ۔'' ژالے جنونی پن سے دھاڑی، انشال کو اس پر ترس آنے لگا تھا، وہ غلط نہ کہہ رہی تھی اس کی جگہ کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو اسے خزیمہ کی محبت ہی سمجھتی، لڑکیاں تو کانچ کی طرح نازک ہوتی ہیں اک خوشی ملنے پر پھول کی طرح کھل اٹھتی ہیں۔

''ژالے پلیز، ٹرائے تو انڈر اسٹینڈ۔'' خزیمہ نے اپنی راہ میں حائل ژالے کو پیچھے دھکیلتے ہوئے سرد مہری و بیگانگی سے اسے دیکھا اور تیزی سے انشال کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گیا۔

''نہیں خزیمہ، میں تو تمہیں اتنی آسانی سے

راہیں نہ بدلنے دوں گی۔" ژالے نے دور جاتے خزیمہ کو مخاطب کیا وہ سنی ان سنی کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا، ژالے آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہ تھی، اسے خزیمہ کو کسی بھی صورت حاصل نہ کرنا تھا۔

☆☆☆

وہ گھر کے اندرونی مین ڈور کے پاس سیڑھیوں پر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سوچوں میں گم بیٹھی تھی، فائزہ پھپھو رات واپس لوٹ آئی تھیں، اس نے پھپھو کو کچھ نہ بتایا تھا اسے محبت بطور خیرات قبول نہ تھی اس نے شعور کی پہلی منزل سے خزیمہ کو سوچا تھا، وہ اسے بے انتہا چاہتی تھی، اسے پھپھو کی خواہش کا بھی علم تھا مگر خزیمہ۔

جسے اس کے ساتھ ساری عمر بتانا تھی وہی اس کے ساتھ سے انکاری تھا خزیمہ اس سے کترانے لگا تھا اسے خزیمہ کا گریز دکھ نہ دیتا تھا اسے اپنا ٹھکرایا جانا دکھ دیتا تھا، خزیمہ اسے پرکھ رہا تھا، جبکہ وہ اسے بغیر پرکھے محبت کرتی تھی اور یہی اس کی بھول تھی خزیمہ کی سطحی سوچ نے اسے خاصا ہرٹ کیا تھا، خزیمہ اس کا نہ تھا وہ تو شاید کسی کا بھی نہ تھا، اسے اپنا اسٹیٹس اور سوشل سرکل عزیز تھا اور اسے بیوی بھی وہی چاہیے تھی جو اس کے سوشل سرکل میں فٹ ہو، انشال تو کہیں بھی نہ تھی، نہ اسٹیٹس میں اور نہ دل میں۔

اس نے کرب سے اپنے بال دونوں ہاتھوں میں جکڑ لئے دل بے مول ہو جائے تو ہستی اجڑ جاتی ہے، اس کی ہستی بھی ریزہ ریزہ ہونے لگی تھی، اس کا دل اپنی بے قدری پر نوحہ کناں تھا، اس نے شعور کی پہلی منزل سے لوگوں سے اپنی بے تحاشا خوبصورتی کی تعریفیں سنی تھیں خزیمہ اس کے حسن سے متاثر تھا لیکن محبت......

انشال کی آنکھوں میں اذیت سے مرچیں بھرنے لگیں، اس نے سختی سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"مجھے خزیمہ کے لئے ہرگز ہرگز نہیں رونا ہے۔" اس نے دل و دماغ کو سختی سے باور کروایا، دل کسی ضدی بچے کی طرح منہ بسورنے لگا، اسے ابا، نورین خالہ اور شائنہ شدت سے یاد آنے لگے۔

"شائنہ!" وہ چونکی اسے شائنہ سے بات کیے کئی روز گزر چکے تھے۔

"انشال!" خزیمہ اسے پکارتا ہوا اس کے قریب سیڑھی پر بیٹھا تو وہ سوچوں کے محور سے نکلتی چونک کر اسے دیکھنے لگی، وہ نجانے کب آیا اسے خبر تک نہ ہو سکی۔

"انشال! تم میرا مطلب ہے کہ ژالے۔" خزیمہ کے لبوں سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے، خزیمہ اپنا مفہوم اس پر واضح کرنا چاہتا تھا لیکن اسے مناسب الفاظ نہ مل رہے تھے وہ اندرونی خلفشار کا شکار تھا، دراصل اسے خدشہ تھا مبادا وہ مما سے ژالے کا ذکر نہ کر دے، مما صرف اسی کو بہو بنانا چاہتی تھیں، وہ اسے دبے الفاظ میں اپنی تمام پراپرٹی سے بے دخل کرنے کی دھمکی بھی دے چکی تھیں، اگرچہ خزیمہ کا اپنا بزنس تھا اسے بزنس اسٹیبلش کرنے میں ابھی خاصا وقت درکار تھا، وہ عیش و عشرت میں پلا بڑھا تھا، انشال نے لمبی سانس بوجھل فضا کے سپرد کی، انشال کا دل پہلی بار اس سے متنفر ہوا تھا۔

"تم بے فکر رہو، ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" انشال نے جیسے اس کی سوچ پڑھ لی خزیمہ نے چونک کر اسے متفکر نظروں سے دیکھا، انشال نے غور سے اس کی گہری براؤن آنکھوں میں جھانکا اس کی آنکھوں میں انشال کے لئے محبت

کہیں بھی نہ تھی اور وہ اتنی ارزاں نہ تھی کہ اس سے محبت کی بھیک مانگتی، انشال کے لبوں پر استہزائیہ اور ترحم بھری مسکراہٹ بکھر گئی، اگلے لمحے وہ خاموشی سے پلٹی اور لمبے ڈگ بھرتی اندر چلی گئی، خزیمہ ساکت کھڑا اس کے قدموں کی چاپ سنتا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی تھی اس نے لاؤنج سے گزرتے ہوئے راہ میں حائل کاؤچ کو زوردار ٹھوکر سے دور پھینک دیا تھا، اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔

"ژالے ڈارلنگ۔" اس نے خود کو کمرے میں مقید کر کے دروازہ لاک کر لیا، مما گھبرا کر اس کے پیچھے لپکیں، وہ اکلوتی اولاد ہونے کی بناء پر بچپن سے ہی ضدی اور شدت پسند تھی، اس نے ہمیشہ جو چاہا تھا وہی پایا تھا، وہ اپنی من پسند شے کبھی نہ چھوڑتی تھی، بالغرض اسے اپنی پسند سے دستبردار بھی ہونا پڑتا تو وہ اس شے کو کسی اور کے استعمال کے قابل ہی نہ چھوڑتی تھی۔

وہ تین روز سے خزیمہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی خزیمہ کا نمبر مسلسل آف جا رہا تھا، وہ خزیمہ کے جم خانہ بھی گئی تھی مگر وہ وہاں بھی نہ تھا، نیکسٹ ڈے اس نے خزیمہ کو پھر یونیورسٹی میں اسی لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا، ژالے اپنی کزن کے ساتھ یونیورسٹی ضروری کام سے گئی تھی، ان دونوں کو اکٹھا دیکھ کر ژالے کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی، وہ دیوانہ وار خزیمہ کے پیچھے بھاگی تھی، لیکن وہ دونوں پلک جھپکتے نجانے کہاں غائب ہو گئے تھے، اس نے پورا ڈیپارٹمنٹ چھان مارا تھا لیکن وہ ناکام رہی تھی۔

وہ بیک وقت غصہ، جھنجھلاہٹ اور ہیجان انگیز اشتعال کا شکار تھی وہ (سامعہ) کزن سے معذرت کر کے گھر آ گئی تھی، اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ ساری دنیا کو آگ لگا دے، اس نے زندگی میں کبھی مات نہ دیکھی تھی پھر وہ محبت میں مات کیسے برداشت کرتی، وہ پوری شدتوں سے خزیمہ کو چاہتی تھی۔

"مما پلیز، مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" مما نے دروازے پر دوسری بار دستک دی تو وہ حلق کے بل غرائی تھی، مما اس کے غصے سے واقف تھیں اس کا غصہ جلدی ٹھنڈا نہ ہوتا تھا، مما خاموشی سے پلٹ گئیں۔

"خزیمہ! تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا ہے، تم صرف میرے ہو۔" ژالے نے سلگتے دماغ سے سوچا تھا خون اس کی کنپٹیوں میں جوش مار رہا تھا۔

☆☆☆

ماہ رمضان شروع ہونے میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا، اس روز نورین خالہ اور شائنہ اچانک انشال سے ملنے چلی آئیں، وہ یونیورسٹی سے لوٹی تو ان دونوں سے مل کر خوشی سے بے حال ہو گئی۔

"خالہ! شائنہ آپ یہاں، مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔" وہ بلا مبالغہ کوئی بیسوں بار یہ جملہ دہرا رہی تھی، خالہ اور شائنہ اس کی خوشی اور پر خلوص چاہت سے نہال ہوئی جا رہی تھی، تھوڑی دیر بعد خزیمہ بھی آ گیا تھا، خزیمہ ڈنر کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا اور خالہ اور شائنہ کے سونے تک کمرے سے باہر نہ نکلا تھا۔

"انشال! کیا تم خوش ہو۔" پھپھو نے خالہ اور شائنہ کے لئے کمرہ سیٹ کروا دیا تھا، مگر انشال شائنہ کو اپنے کمرے میں لے آئی، اسے شائنہ سے ڈھیروں باتیں شیئر کرنا تھیں، وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں اور وہ ایک دوسرے کے دکھ درد بنا کہے سمجھ لیتی تھیں، انشال اسے یونیورسٹی فیلوز

کے قصے ہنس ہنس کر سنا رہی تھی کہ شائنہ نے اچانک سوال کیا، انشال کے مسکراتے لب سکڑ کر سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے، شائنہ اس کا درد نہ سمجھتی یہ سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔

''انشال!'' شائنہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا، اس کی آنکھوں میں ڈھیروں سوال مچل رہے تھے انشال ان سوالوں سے بچنے کے لئے شائنہ کی آنکھوں میں جھانکنے سے گریزاں تھی۔

''ہوں، تم مجھے خود سب کچھ بتاؤ گی یا میں، پھپھو سے پوچھوں۔'' شائنہ نے ہنکارا بھرتے ہوئے بے بسی سے انگلیاں مروڑتی بت کی مانند ساکت لیٹی انشال کو دھمکی دی۔

''شائنہ!'' اس کی دھمکی محض دھمکی برائے دھمکی نہ تھی اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ واقعی ہی فائزہ سے ڈائریکٹ پوچھ لیتی، انشال نے اسے تنبیہی انداز میں فوراً ٹوکا تھا۔

''تم کیسے دھوکا دے رہی ہو، مجھے یا خود کو۔'' شائنہ اسے ناراض نہ کر سکتی تھی اس نے ہار مانتے ہوئے دکھ سے انشال کو دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں رحم و ترس نہ تھا اس کی آنکھیں خلوص سے چمک رہی تھیں انشال کو خلوص کی ضرورت تھی، اسے پرخلوص کندھا ملا تو اس نے اپنے آنسو بہانے میں اک لمحہ کی دیر نہ لگائی۔

''ارے ارے۔'' وہ شائنہ سے لپٹ کر رونے لگی تو وہ بھونچکا رہ گئی انشال نے دھیرے دھیرے اسے سب کچھ بتا دیا، وہ خزیمہ کے لئے دیئے انداز سے کچھ نہ کچھ تو سمجھ چکی تھی مگر نجانے کیوں انشال سے سن کر اسے دوست کے دکھ پر گہرا صدمہ پہنچا تھا۔

''تم سب کچھ خود سہتی رہی اور ہم سمجھتے رہے کہ تم یہاں بہت خوش ہو، تم ہمیں کچھ تو بتا دیتی، اگر ہم اب بھی نہ ملنے آتے تو تم نے ہمیں ابھی بھی کچھ نہ بتانا تھا۔'' شائنہ نے ساری بات سن کر آخر میں دکھ سے اسے دیکھتے ہوئے گلہ کیا، شائنہ صحیح کہہ رہی تھی انشال انہیں کبھی کچھ نہ بتاتی، وہ خالہ کو پریشان نہ کرنا چاہتی تھی۔

''پلیز تم خالہ کو کچھ مت بتانا، وہ پریشان ہو جائیں گی۔'' شائنہ انشال کے آنسو پونچھ رہی تھی کہ اس نے شائنہ کے ہاتھ تھام کر اس کی منت کی تھی۔

''ہاں جیسے انہیں تو کبھی کچھ پتا نہ چلے گا۔'' شائنہ چڑ گئی تھی، وہ ماں سے کچھ چھپانا نہ چاہتی تھی اور انشال اسے بتانے سے منع کر رہی تھی۔

''پلیز تم بہن ہو نا میری۔'' انشال نے اپنا مخصوص ہتھکنڈا استعمال کیا تو اسے ہار ماننا پڑی تھی۔

☆☆☆

ماہ رمضان شروع ہو چکا تھا، انشال کا زیادہ وقت عبادت میں گزر رہا تھا اسے صرف سکون چاہیے تھا، خالہ اور شائنہ جا چکی تھیں خالہ کافی مطمئن ہو گئی تھیں، انشال یونیورسٹی سے گھر آ کر سوتی تو نماز عصر کے وقت جاگتی تھی، افطاری کی تیاری ملازمین کرتے تھے، فائزہ کی مصروفیات بھی ماہ رمضان میں مختصر ہو گئی تھیں، وہ زیادہ وقت گھر رہتی تھی۔

''خزیمہ! جلدی اٹھو، سحری کا وقت ختم ہونے والا ہے۔'' ملازمہ خزیمہ کو کئی بار سحری کے لئے بلانے آئی تھی، وہ ہر بار کروٹ بدل کر سو جاتا تھا آخر فائزہ کو خود آنا پڑا، انہوں نے ریموٹ سے اے سی بند کیا اور خزیمہ کو بری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی۔'' وہ

روزے باقاعدگی سے نہ رکھتا تھا، فائزہ کو اس کی نیت خراب لگ رہی تھی، انہوں نے اسے سختی سے دھمکی دی تو وہ منہ بسورتا ہوا واش روم میں گھس گیا، وہ ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو اذان میں پانچ منٹ رہ گئے تھے، فائزہ نے اس کے سامنے چکن پراٹھا رکھ دیا۔

انشال نے اس پر محض اک نظر ڈالنے پر اکتفا کیا تھا، اسے خزیمہ کی عادات حیران نہ کرتی تھیں وہ عادی ہو چکی تھی البتہ اسے دکھ ضرور ہوا تھا، ابا نے تو کبھی بیماری میں روزہ نہ چھوڑا تھا جبکہ وہ ہٹا کٹا تھا، خزیمہ خوشی سے نہیں مجبوری میں روزہ رکھ دیا تھا، اس کا دل یکدم اچاٹ ہو گیا وہ چائے ختم کر کے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

''امی، عید کے بعد آپ بھائی کی شادی کر دیں۔'' اس روز گھر میں دعوت افطار تھی، مہمان افطاری کے بعد جا چکے تھے، نماز تراویح کے بعد گھر والے اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے، عزمی نماز تراویح پڑھ کر ابو کے ساتھ مسجد سے لوٹا تھا ثمین نے عزمی کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے ماں سے فرمائش کر ڈالی تھی، وہ عزمی سے دو سال چھوٹی تھی اور دو پیارے بچوں کی ماں تھی۔

''امی! عزمی بھائی تو ٹالتے رہیں گے آپ جلدی سے اپنی پسند سے اس کی شادی کر ڈالیں۔'' ثمرین نے بھی بہن کی حمایت کی تھی، عزمی اٹھائیس سال کا ہو چکا تھا لیکن وہ شادی کے نام سے بدکتا تھا۔

''عزمی! اگر تمہاری کوئی پسند ہے تو ہمیں بتا دو ورنہ مجھے تو لڑکی پسند آ گئی ہے۔'' عزمی نے گھبرا کر ثمرین آپی کو مدد طلب نظروں سے دیکھا تھا آپی بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں اور انہیں اپنا اکلوتا بھائی بے حد عزیز تھا، دراصل انہیں دعوت افطار میں انشال پسند آ گئی تھی، وہ سب سے منفرد، الگ اور نمایاں تھی، ثمرین نے بہنوں کو اسی وقت انشال دکھائی وہ ان دونوں کو بھی بہت بھائی تھی، انہوں نے اسے فائنل او کے کر دیا تھا اور اس کے متعلق ''ضروری کوائف'' بھی اکٹھے کر لئے تھے، عزمی چونک پڑا تھا۔

''کیا...... کب...... کون۔'' اسنے بوکھلا کر بہنوں پر سوالات کی یلغار کر دی تھی، وہ ابھی اپنے دل کو سمجھانے میں مگن تھا اور یہاں اس کی شادی کی باتیں ہو رہی تھیں۔

''انشال حبیب'' آنٹی فائزہ کی بھتیجی، امی آپ بھی اس سے ملی تھیں وہ کتنی کیوٹ ہے۔'' سب سے زیادہ پرجوش ثمین تھی، اسی نے بہنوں کو بھائی کی جلد از جلد شادی کا مشورہ دیا تھا۔

''واٹ۔'' وہ اپنی جگہ پر حیرت سے اچھل پڑا، اس کا راز دل کب طشت ازبام ہوا تھا، اس نے بھی اپنی محبت کو دل کے نہاں خانوں میں چھپا لیا تھا، وہ اپنے جذبات کو تھپک تھپک کر سلا چکا تھا۔

''آپ نے تو اسے خزیمہ بھائی کے ہاں دیکھا ہو گا، سچ بتائیں ہے نا حسین و جمیل، بھائی آپ دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی ہو گی۔'' ثمین نے وفور اشتیاق و مسرت سے اس سے استفسار کیا، وہ بھلا کیا جواب دیتا، وہ تو خود پہلی نظر میں گھائل ہوا تھا۔

''انشال تم نے دوسروں کو گھائل کرنے کا طریقہ کہاں سے سیکھا ہے۔'' عزمی نے تصور میں سجی سنوری انشال کو مخاطب کیا، وہ لائٹ میک اپ میں لان کے جدید ڈیزائن کے پیچ کلر کے سوٹ میں ملبوس سب سے نمایاں تھی، اس پر ہر رنگ سجتا تھا، عزمی کی نظریں بھی بار بار بھٹک کر اس پر ٹک جاتی تھیں اور وہ ہر بار دل کو ڈپٹ دیتا

تھا۔

"امی پلیز، آپ مجھے کچھ وقت دیں، میں جلد آپ کو پازیٹو رسپانس دوں گا۔" عزمی نے بہنوں سے مایوس ہو کر ماں سے مدد مانگی تھی۔

"عزمی بیٹا! تم آخر ٹال مٹول سے کیوں کام لے رہے ہو، ہم اس گھر میں خوشیاں دیکھنا چاہتے ہیں، تمہاری ماں تنہائی سے بیزار ہے۔" امی کی بجائے ابو نے جواب دیا تھا، وہ ثمرین اور نمرین سے چھوٹا جبکہ ثمین سے بڑا تھا، گھر میں تینوں بہنوں کی شادیوں کے بعد خاموشی اور تنہائی نے ڈیرے ڈال دیئے تھے ثمرین کا سسرال قریب تھا، وہ اکثر میکے کا چکر لگا لیتی تھی جس سے گھر میں رونق ہو جاتی تھی، آمنہ اور فاروق گھر میں پوتے پوتیوں کی قلقاریاں سننے کو ترس رہے تھے۔

"آپ سب میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے ہیں۔" نرم مزاج اور کم گو عزمی خلاف مزاج غصے و خفگی سے چلا اٹھا تھا، وہ سب حیران رہ گئے، یہ عزمی کا مزاج نہ تھا، وہ تو دھیمے لہجے میں بات کرنے کا عادی تھا، اسے بہت کم غصہ آتا تھا جو بہت جلد اتر بھی جاتا تھا، عزمی خفگی و غصے سے پیر پٹختا ہوا چلا گیا، لاؤنج میں موجود سب افراد کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا، یقیناً دال میں کچھ کالا تھا ثمرین کی پر سوچ نگاہوں نے بھائی کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

خزیمہ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرنے کے لئے مناسب جگہ ڈھونڈ رہا تھا، جولائی کے اخیر دن تھے اور گرمی زوروں پر تھی، بالآخر اسے مناسب جگہ مل گئی اس نے گاڑی شیڈ کے نیچے لاکڈ کی اور گلاسز آنکھوں پر لگاتے ہوئے بجری کی روش پر چلنے لگا، شام کے چھ بج رہے تھے، اس کا روزہ نہ تھا وہ جم خانے آ گیا تھا اسے ایکسر سائز کیے کافی روز گزر گئے تھے، وہ زیادہ وقت گھر پر گزارتا تھا، انشال نے اپنی بات پوری کی تھی، اس نے فائزہ کو ژالے کے متعلق نہ بتایا تھا، وہ خزیمہ سے کترانے لگی تھی، اس روز کے بعد وہ خزیمہ کا سامنا بھی کم کرتی تھی، خزیمہ نے اس کا گریز محسوس کیا تھا، اسے انشال کے گریز نے پیچ پا کر دیا تھا کہ وہ اس کی وجاہت و شاندار سراپے کو نظر انداز کر رہی تھی حالانکہ اس پر کئی لڑکیاں فدا تھیں۔

خزیمہ نے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا تو اسے یہ سچویشن اپنے حق میں محسوس ہوئی تھی اور اس نے محض مما کی نظروں میں اچھا بننے کے لئے فی الحال اپنی تمام سوشل ایکٹیوٹیز کم کر دی تھیں، وہ انشال کے گرد منڈلانے لگا تھا جبکہ انشال کبھی تو اسے کمپنی دیتی اور کبھی کبھار بری طرح چڑ جاتی تھی، وہ خزیمہ کی دوغلی پالیسی جان گئی تھی لیکن اسے اپنی زبان کا پاس رکھنا تھا، سو وہ چپ تھی۔

"خزیمہ!" وہ بجری کی روش پر سوچوں میں گم جا رہا تھا کہ یکا یک کسی نے پیچھے سے آ کر اسے بازو سے کھینچا تھا، وہ چونک کر پلٹا، ژالے اس کا بازو چھوڑ کر اس کے سامنے تن گئی تھی، اس کی آنکھوں میں محبوب کی دید کی خوشی اور لبوں پر شکایتیں مچل رہی تھیں، اس کا انگ انگ خوشی سے سرشار تھا، وہ اس سے رابطہ کرنے میں ناکام رہی تھی اور ملاقات کے لئے وہ دستیاب نہ ہوتا تھا۔

"ژالے! میرے ساتھ آؤ۔" خزیمہ نے اردگرد اپنی سمت متوجہ ہوتے لوگوں سے گھبرا کر نرمی سے اسے کہا اور آگے بڑھ گیا، ژالے بے قراری سے اس کے پیچھے لپکی، وہ بہت خوش تھی کہ خزیمہ نے اس سے فرار نہ حاصل کیا تھا، وہ اس کی ہمراہی کا خواہاں تھا، اس کے نرم لہجے نے ژالے کے محبت بھرے دل میں کئی پھول کھلا دیئے تھے۔

"پلیز ژالے میری بات پورے دھیان سے سننا۔" وہ دونوں نسبتاً کم گنجان کونے میں آ کر بیٹھے تو خزیمہ نے اس کے من موہنے چہرے پر نظریں لگا دیں اس کا حسین چہرہ میک اپ سے عاری تھا اور اس کی ڈریسنگ بھی بے ترتیب تھی، وہ انشال کی طرح سادہ مزاج نہ تھی، وہ یقیناً اس کی چاہت میں دنیا و مافیا سے بیگانہ ہوئی تھی، حالانکہ وہ اپنی ڈریسنگ میں بے حد چوزی تھی، خزیمہ کے اندر ڈھیروں سکون تہہ در تہہ اترنے لگا۔

"ژالے، میری بات ضرور سمجھ جائے گی۔" وہ مطمئن ہوا تھا، اسے ژالے کے انگ انگ سے چھلکتی بے تابی و بے قراری نے پر سکون کر دیا تھا وہ اس سے بدگمان نہ تھی۔

"میں اس تمام قصے میں کہاں ہوں خزیمہ۔" خزیمہ نے اسے تھوڑے ردو بدل سے ساری بات بتا دی تھی، وہ خاموش ہوا تو ژالے نے سوال داغ دیا تھا، خزیمہ کے قصے میں اس کی کیا اہمیت تھی، کیا وہ محض انشال کا متبادل تھی یا اس کی چاہت، ژالے کے ذہن میں سوالات کلبلانے لگے تھے۔

"ژالے تم میرے دل میں ہو۔" وہ اسے کہنا چاہتا تھا مگر نہ کہہ سکا، وہ اس کے دل میں نہ تھی، وہ تو صرف اس کی پسند تھی، محبت اور پسند میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، ہم ہر پسندیدہ فرد کو اپنی محبت نہیں کہہ سکتے ہیں، خزیمہ کو مناسب جواب نہ سوجھ رہا تھا۔

"بولو خزیمہ، میں کہاں ہوں۔" وہ منتظر نظروں سے خاموش بیٹھے خزیمہ کو دیکھ رہی تھی، خزیمہ خاموش تھا، اسے سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ ژالے کو اس کی اہمیت کیسے سمجھائے۔

"کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے خزیمہ۔" اس کی مسلسل خاموشی ژالے کو جنونی پن میں مبتلا کر رہی تھی، وہ دو سال سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے، وہ دونوں دن کا اکثر حصہ اکٹھے گزارتے تھے۔

"خزیمہ تم مجھ سے فلرٹ کرتے رہے ہو۔" وہ زخمی شیرنی کی مانند گرجتے ہوئے اس کے گریبان پر جھپٹی تھی، خزیمہ بدک کر پیچھے ہٹا مگر وہ اس کا گریبان تھام چکی تھی، ژالے کے بے حد قریب ہونے سے خزیمہ کی نظریں ژالے کے ڈیپ گریبان پر پڑیں اور پلٹنا بھول گئیں اس کا گورا بدن بے حد نمایاں تھا، خزیمہ کی بھرپور مردانگی دھیرے دھیرے بیدار ہونے لگی لیکن وہ بدکردار نہ تھا، اس نے ایک جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑواتے ہوئے اسے زور سے پیچھے دھکیلا اور ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔

"ہاں مجھے تم سے محبت نہیں ہے، میری تم سے محض دوستی تھی، میں نے تمہیں کبھی نہیں کہا کہ تم میرے پیچھے آؤ اور نہ ہی میں نے تم سے کبھی اظہار محبت کیا ہے۔" وہ غصے سے گرجتا کھڑا ہو گیا ژالے ساکت اپنے گالوں پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی، اس کا محبت کا جہاں لٹ گیا تھا، اس نے محبت کا طویل سفر تنہا محض خوش گمانی میں طے کیا تھا قدرے اوندھے ہونے سے اس کا گریبان ڈھلک جانے سے مزید نمایاں ہو چکا تھا۔

"تم سے انشال ہزار ہا درجہ بہتر ہے اسے اپنی نسوانیت کا بھرم رکھنا آتا ہے۔" وہ اسے جلتے شعلوں میں جھونک دیتا تو اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی اسے اپنا انشال سے تقابل کرنے پر محسوس ہوئی تھی، خزیمہ اسے حسد کی آگ میں جلتا چھوڑ کر

جانے لگا تھا، وہ تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی، وہ اسے لمحہ بہ لمحہ اپنی زندگی سے نکلتا محسوس ہو رہا تھا، خزیمہ نے پہلی بار انشال کی خوبیوں کا ادراک کیا تھا، وہ ژالے سے ہمیشہ کے لئے پیچھا چھڑا لینا چاہتا تھا، مما نے اس کے لئے نہایت بہترین فیصلہ کیا تھا۔

"خزیمہ مجھے معاف کر دو، میں انشال جیسی بن جاؤں گی، پلیز مجھے مت چھوڑنا۔" وہ قصور وار نہ ہوتے ہوئے بھی اس کے قدموں میں گر کر معافی مانگنے لگی تھی، اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، خزیمہ نے کبھی اسے روتے نہ دیکھا تھا، وہ قدرے نرم پڑ گیا، وہ رکا اور پلٹ کر اسے ہمدردی سے دیکھنے لگا، ژالے اور خزیمہ کی نظریں چار ہوئیں، خزیمہ کی آنکھوں میں اس کے لئے ہمدردی ترس اور رحم تھا لیکن محبت نہ تھی، ژالے نے اس کی آنکھوں میں اپنے لئے محبت کھوجنا چاہی مگر ناکام رہی، خزیمہ کی نرم نگاہوں نے اسے حوصلہ دیا اور وہ اس کے قریب آنے لگی۔

"رک جاؤ ژالے۔" خزیمہ کی سختی بھری تنبیہ نے اس کے بڑھتے قدم روک دیئے۔

"ژالے مجھے تم سے شادی نہیں کرنی ہے۔" خزیمہ اسے مزید خوش فہمی میں نہ رکھنا چاہتا تھا اس نے دوٹوک الفاظ میں انکار کر دیا، ژالے بھربھری مٹی کی طرح نیچے بیٹھتی چلی گئی، اس کا وجود دھواں دھواں ہونے لگا اور ذات کا خالی پن کرچیوں کی مانند اس کی آنکھوں میں چبھنے لگا، خزیمہ مزید رکے بناء چلا گیا، وہ سونے پن وادای سے اسے جاتا دیکھتی رہی، وہ اس کی زندگی سے دور چلا گیا تھا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

☆☆☆

"فائزہ! ہم عزمی کے لئے انشال کا رشتہ مانگنے آئے ہیں۔" آمنہ کی فائزہ سے کافی بے تکلفی اور دوستی تھی، فائزہ کچھ دیر قبل گھر لوٹی تھیں، نوکر نے مہمانوں کی آمد کا بتایا تو وہ ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔

تھکن ان کے چہرے سے مترشح تھی آمنہ نے بلاتمہید اپنی آمد کا مدعا بیان کیا، فائزہ ہکا بکا رہ گئیں، ملازم مہمانوں کی خاطر تواضع کے لوازمات سے سجی ٹرالی چھوڑ گیا تھا، انشال سب کو کولڈ ڈرنک سرو کر رہی تھی، اس کے ہاتھ کپکپا گئے اور ثمرین کو کولڈ ڈرنک سرو کرتے ہوئے اس کا ہاتھ لرزا تھا، کولڈ ڈرنک ثمرین آپی کے کپڑوں پر گر گئی۔

"اوہ سوری۔" وہ سخت نادم ہوئی تھی، ثمرین آپی نے اسے محبت سے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا تھا، وہ اضطراب سے اپنی انگلیاں مروڑنے لگی، وہ عزمی سے مل چکی تھی عزمی خزیمہ سے بالکل مختلف نیچر کا تھا، اسے ہر بار عزمی سے مل کر حیرت ہوتی تھی کہ ان دونوں کی مختلف نیچر کے باوجود گہری دوستی ہے، انشال نے پھپھو کو دیکھا جو ضبط کی منزل سے گزر رہی تھیں۔

"آمنہ تمہیں عزمی نے یہاں بھیجنے سے پہلے......" فائزہ کا اندازہ درست تھا لیکن انہیں عزمی سے یہ امید نہ تھی کہ وہ سب کچھ جاننے کے باوجود اپنے گھر والوں کو رشتے کے لئے بھیج دے گا، فائزہ کو آمنہ نے فوراً ٹوک دیا۔

"فائزہ! ہمیں عزمی نے نہیں بھیجا ہے، اسے تو یہ بھی علم نہیں ہے کہ ہم ادھر آئے ہوئے ہیں۔" آمنہ نے نرمی سے ٹوک کر صفائی پیش کی، ان کی آنکھوں میں چھپی سچائی نے فائزہ کو نرم کر دیا اور انہوں نے لمبی سانس بھری تھی، انہیں عزمی پر بہت مان تھا۔

"بیگم صاحبہ! آپ کا فون ہے۔" فائزہ نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ ملازم نے آ کر فون کی اطلاع دی، فائزہ معذرت کرتی اٹھ گئیں، انشال کا سینے میں دبا سانس بحال ہوا اور وہ مہمانوں کا لحاظ کیے بغیر تیزی سے ان کے پیچھے لپکی تھی۔

"پھپھو! آپ انکار کرنے سے پہلے خزیمہ کی رائے دوبارہ لے لیں۔" وہ فون سن کر پلٹیں تو ان کا بے چینی سے انتظار کرتی انشال نے انہیں صلاح دی انہوں نے اسے گہری نظروں سے سر تا پا گھورا تھا، وہ نظریں چرا گئی۔

"فائزہ! آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔" فائزہ اور انشال ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئیں فائزہ کسی گہری سوچ میں گم تھیں آمنہ نے انہیں چونکایا۔

"آں...... نہیں...... آپ مجھے سوچنے کے لئے کچھ وقت دیں۔" فائزہ چونک کر ہڑبڑائیں، آمنہ نے خوش دلی سے اثبات میں سر ہلا دیا، آمنہ فائزہ سے باتیں کرنے لگیں وہ الجھ گئی تھیں انشال کو عزمی کی بہنوں نے اپنے نرغے میں گھیر لیا، ثمرین کو یقین تھا کہ آنٹی انکار نہ کریں گی۔

☆☆☆

وہ آفس سے لوٹا تو سب بہنوں کو لان میں جمع پایا، وہ انہیں نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھ گیا، ان تینوں کا اکٹھا ہونا معمول بنتا جا رہا تھا، گھر میں اس کی شادی کی جلدی تھی۔

"ماموں، مما آپ کی مامی لینے گئی تھیں۔" عزمی شادی کے ذکر سے بچنے کے لئے بہنوں کو دور سے اشارتاً سلام کرتا ہوا جا رہا تھا کہ تین سالہ ریان نے معصومیت بھری ہانک لگائی، سب کا زوردار قہقہہ ابل پڑا۔

"ارے بدھو! ماموں کی مامی نہیں بلکہ تمہاری مامی لینے گئی تھیں۔" ثمرین آپی نے شوخی سے بیٹے کو تو صحیح کی، تینوں بہنوں کی شوخ نگاہیں بھائی پر جمی تھیں جو کسی انہونی کے دھڑکے سے ان کے قریب آ گیا تھا، ان تینوں سے کچھ بعید نہ تھا، وہ بھابھی لانے کی چاہ میں اس کا غصہ بھی اگنور کر سکتی تھیں۔

"کیا مطلب؟" عزمی زور سے کڑے لہجے میں گرجا تھا، ماں کی گود میں بیٹھے ریان نے دبک کر ماں کے سینے میں منہ چھپا لیا، ثمرین آپی اور ثمین کے مسکراتے لب سکڑ گئے، ان کے چہروں پر چھانے والی سنجیدگی نے لمحہ بھر کو عزمی کو شرمندہ کر دیا مگر عزمی کے غصے و سنجیدگی میں فرق نہ آیا۔

"ثمرین آپی! آپ مجھے بتائیں کیا معاملہ ہے؟" عزمی نے اپنا رخ ثمرین کی طرف کرتے ہوئے استفسار کیا، اسے فائزہ آنٹی کی بدگمانی کی فکر تھی، وہ اس کے حال دل سے واقف تھیں۔

"بیٹھ جاؤ عزمی۔" ثمرین آپی نے نرمی بھری سختی سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو اسے چار و ناچار بیٹھنا پڑا تھا۔

"تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔" انہوں نے ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا تھا، ثمرین اور ثمین نے بھی بہن کی تائید میں سر اثبات میں ہلایا، وہ آپی کے ڈائریکٹ سوال پر گڑبڑا گیا۔

"آپی پہلے مجھ سے پوچھ لیتے آپ۔" وہ قدرے نرم پڑا تھا، اسے انشال کی عزت پر حرف نہ آنے دینا تھا، ثمین قدرے شکی مزاج تھی وہ بات کا بتنگڑ بنانے میں بھی طاق تھی، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بہنیں انشال کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کریں، وہ تو اسے صرف خزیمہ کے دوست کی حیثیت سے ملی تھی۔

"بھائی! آپ کو ہم نے صرف بتانا تھا سو بتا دیا۔" ثمین کو بھائی پر غصہ آ رہا تھا جو "چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" کی تفسیر بنا ہوا تھا۔

"فائزہ آنٹی نے کیا جواب دیا ہے۔" ماحول پر بوجھل پن طاری تھا، اس سے تینوں بہنیں خفا تھیں۔

"انہوں نے سوچ کر جواب دینے کو کہا ہے۔" جواب ثمرین آپی نے دیا تھا۔

ثمین تو اس سے باقاعدہ خفا ہو کر منہ موڑے بے نیازی سے یوں بیٹھی تھی جیسے وہ موجود نہ ہو۔

"واٹ؟" وہ حیرت کی زیادتی سے اچھل پڑا، تینوں بہنوں نے اسے مشکوک نظروں سے سر سے پا گھورا، وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"آپی! اس سے پوچھیں آخر معاملہ کیا ہے؟" ثمین نے اظہار ناراضگی کے طور پر بات چیت منقطع کرتے ہوئے ثمرین کو مخاطب کیا، عزمی نے راہ فرار اختیار کرنا چاہی تو آپی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا، ثمرین کی استفہامیہ خاموش نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، عزمی نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

"اوہ، آپ کے دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔" وہ جونہی خاموش ہوا ثمین نے خفگی بھلا کر شوخی سے اسے چھیڑا تھا، عزمی کا بہت دنوں بے فکرا قہقہہ ابلا تھا، ثمرین نے دل میں اس کی نظر اتاری تھی۔

☆☆☆

وہ یونیورسٹی کے لئے تیار ہو رہی تھی کہ دروازے پر دستک دے کر فائزہ اندر داخل ہوئیں، وہ خاصی پریشان لگ رہی تھیں، انشال انہیں صبح اپنے کمرے میں دیکھ کر پریشان ہو گئی وہ سحری اور نماز فجر کے بعد سوتیں تو اس کے یونیورسٹی جانے کے بعد اٹھتیں تھیں، وہ غالباً سحری کے بعد نہ سوئی تھیں۔

"انشال مجھے معاف کر دینا بیٹا۔" انشال متفکر سی ان کے قریب آئی تو وہ اس سے لپٹ کر رو پڑیں، اس نے لمبی سرد آہ کھینچی۔

"پھپھو آپ پریشان نہ ہوں، میں نے ایک بار آپ کی اور خزیمہ کی باتیں سن لی تھیں، میں خود کو کسی پر زبردستی سوار نہیں کرنا چاہتی ہوں، شادی پوری عمر کا ساتھ ہوتا ہے، یہ سودا زبردستی نہیں ہونا چاہیے، عزمی نے مجھ خوشی سے مانگا ہے۔" انشال نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے انہیں تسلی دیتے ہوئے اپنا فیصلہ بھی سنا دیا، وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں، اس میں کوئی کمی نہ تھی، یقیناً ان دونوں کی جوڑی خوب جچتی، انہوں نے خزیمہ کی رائے نہ لی تھی، وہ اس کے فیصلے سے آگاہ تھیں، انہیں بھائی سے کیے وعدہ کے پورا نہ کرنے کا ملال کھائے جا رہا تھا، انہیں انشال کی فکر بھی ستا رہی تھی جو خزیمہ کو بے پناہ چاہتی تھی۔

"انشال! تم خزیمہ کو کچھ وقت دو، میرا دل کہتا ہے کہ وہ تمہاری طرف لوٹ آئے گا بیٹا۔" پھپھو نے اس کے حتمی فیصلے پر تڑپ کر اس کی جیسے منت کی انشال نے ژالے کا ذکر نہ کیا تھا، فائزہ کا دل گواہی دے رہا تھا کہ خزیمہ پلٹ آئے گا۔

"پھپھو! شادی خوشیوں کا سودا بھی تو ہوتی ہے نا، میرا دل گواہی دے رہا ہے میں عزمی کے ساتھ خوش رہوں گی۔" انشال نے کرلاتے دل کی دہائیاں نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے اسے قائل کرنا چاہا تھا، اس کا دل محبت کے لٹنے پر نڈھال تھا، وہ خود کو سمجھا چکی تھی، انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ہر پسندیدہ شے حاصل کر لے، اس نے خزیمہ سے دستبرداری کا فیصلہ کیا تھا محبت سے نہیں۔

اس نے پورے خلوص سے دل و دماغ کی رضا مندی سے عزمی کے حق میں فیصلہ کیا تھا،

فائزہ بوجھل قدموں سے خالی ہاتھ لوٹ گئیں۔

☆☆☆

آج اس کی یاد نے ہمیں تڑپایا بہت
آج نہ چاہتے ہوئے بھی وہ یاد آیا بہت
اس کے بعد تو جیسے تنہائیوں سے دوستی ہو گئی
پھر کیوں تنہائیوں نے آج ڈرایا بہت
وہ میرا تھا، میرا ہے یہ سوچ کے دل کو بہلایا بہت
شمع کے جلنے پر افسوس کریں کیوں
ہم نے بھی سر شام خود کو جلایا بہت
ہم نے جس کسی کو بھی ہمدرد سمجھا
وہ نہ جانے کیوں ہمارے درد پر مسکرایا بہت

وہ کمرے میں گھپ اندھیرا کیے اوندھے منہ بیڈ پر لیٹی تھی، اس پر چھائی یاسیت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، مما اور پاپا اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے لیکن دل...... دل خزیمہ کا نام الاپتا رہتا تھا، اس نے خزیمہ کو صرف اپنا سمجھا تھا مگر وہ اس کا نہ تھا، وہ سمجھتی تھی کہ خزیمہ چاہ کر بھی اس سے راہیں جدا نہ کر پائے گا، اس کی خام خیالی و بھولپن نے دل میں درد کی ٹیسیں ابھار دیں۔

اس نے تڑپ کر کروٹ لی، آنسو اس کی آنکھوں میں جمع تھے، یکایک اک کوندا اس کے ذہن میں لپکا وہ جھٹکے سے بیٹھ گئی۔

"میں تمہیں تم ساری عمر روؤ گے خزیمہ، تم مجھے چاہ کر بھی نہ بھول پاؤ گے۔" وہ تصور میں خزیمہ سے مخاطب تھی، اس نے خزیمہ سے دوبارہ رابطہ نہ کیا تھا، وہ اتنی بے مول یا ارزاں نہ تھی کہ اب مزید ذلت سہتی، اس نے اپنے آنسو پونچھے، اس کے قدم وارڈ روب کی سمت بڑھنے لگے، اس نے وارڈ روب کھول کر ایک شیشی نکالی، جس میں زہریلی گولیاں تھیں، ایک بار اس کے کمرے میں چوہا گھس آیا تھا جسے مارنے کے لئے پاپا نے اسے دوا لا کر دی تھی۔

وہ شیشی پکڑے بیڈ پر آن بیٹھی، اس نے ڈھکن کھول کر ہتھیلی پر ساری گولیاں نکال لیں۔

"خزیمہ! میری بد دعا ہے کہ تم ساری عمر محبت کو ترسو، تم محبت کے قریب جانے کی کوشش کرو اور وہ تم سے کوسوں دور بھاگے۔" ژالے نے گولیاں پھانکنے سے پہلے صدق دل سے اسے بد دعا دی، وہ خزیمہ کے بغیر ادھوری تھی، وہ کسی اور کے ساتھ زندگی بتانے کا سوچ بھی نہ سکتی تھی، وہ منافق نہ تھی، اس کی ذات ادھوری اور خالی تھی اور کوئی بغیر دل کے جسم کا کیا کرتا۔

اس نے آنکھیں موند لیں اور گولیاں منہ میں ڈال کر قریب رکھے گلاس میں پانی سے نگل لیں، وہ چند لمحوں میں بیڈ پر ڈھیر تھی، اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا اور منتظر کھلی آنکھیں دروازے پر ٹکی تھیں۔

☆☆☆

اسے اک سلطنت، اک راجدھانی چاہیے تھی
محبت میں بھی اس کو حکمرانی چاہیے تھی
بچھڑنے کا وہ پہلے سے تہیہ کر چکا تھا
اسے میری طرف سے بدگمانی چاہیے تھی
تو پھر سے امتحان پہ امتحان لینے لگا ہے
ہمیں اسی عمر میں کچھ مہربانی چاہیے تھی
ادا مجھ کو فقط اک سرسری کردار تھا کرنا
اسے شہرت کی خاطر اک کہانی چاہیے تھی
یہی تاریخ تھی جب ترک ملاقات جب ہوا تھا
وہی دن ہے تو اس کی یاد آنی چاہیے تھی

عید کا دن تھا، گھر میں خوب رونق تھی، فائزہ نے عزمی کے لئے ہاں کر دی تھی ان لوگوں نے ہتھیلی پر سرسوں جمائی تھی، آمنہ اور فاروق بیٹیوں سمیت نکاح کے لئے فائزہ کو منا کر گئے تھے، نکاح کے لئے عید کا دن مقرر کیا گیا تھا، خزیمہ نکاح کے فوراً بعد اپنے کمرے میں چلا گیا تھا،

عزمی کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی، اس نے اپنی محبت کو پالیا تھا، اس کے زندگی سے بھرپور قہقہے فضا میں بکھر رہے تھے۔

انشال نے پورے دل سے عزمی کی رفاقت قبول کی تھی، عزمی کافی سلجھا ہوا اور نفیس طبیعت کا مالک تھا، انشال اس کی بے حد عزت کرتی تھی اور جن لوگوں کی دل میں عزت ہو دل آپوں آپ انہیں چاہنے لگتا ہے، انشال کا حسن بن سنور کر دو آتشہ ہو گیا تھا، وہ ڈیپ ریڈ کلر کے بھاری کامدار لہنگے میں ہم رنگ جیولری پہنے کسی حسین شہزادی سے کم نہ لگ رہی تھی، عزمی کی وارفتہ نگاہیں بار بار اس کے چہرے کا طواف کرتیں تو اس کا دل خوشگوار نے میں مدھر انداز میں دھڑک اٹھتا، اسے عزمی کی محبت سکون دے رہی تھی، عزمی اس کا مان تھا اور اسے یقین تھا کہ عزمی اس کا مان کبھی نہ توڑے گا۔

نورین خالہ بھی فیملی سمیت آئی تھیں، فائزہ نے بطور خاص انہیں انوائیٹ کیا تھا، نورین خالہ نے فائزہ سے کوئی گلہ شکوہ یا جواب طلبی نہ کی تھی غالباً شائزہ انہیں سب کچھ بتا چکی تھی وہ انشال کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھیں، انہیں عزمی بہت پسند آیا تھا، دراز قد گندمی رنگت والے عزمی کی سج دھج ہی نرالی تھی۔

اگر محبتوں کے سفر میں یقین ہمراہ ہو تو دل بے فکری سے محبت کی راہ پر قدم رکھ دیتا ہے، انشال کا دل بھی یقین کے ساتھ دھیرے دھیرے محبت کی راہ پر گامزن تھا، جہاں عزمی کی حسین سنگت اس کی خوشیوں کو دوبالا کرنے والی تھی۔

☆☆☆

آندھیوں کے سفر میں شکستہ ہیں ہم
کون جوڑے ہمیں
کوئی اپنا مسیحا نہیں
جس کی زندہ صدا گرد آلود چہروں کو تازہ کردے
کوئی ایسا شناسا نہیں
جس کا اک لمس ہی جسم وجاں کے اندھیرے
میں روشن ستارہ بنے
اک مدت سے ہم
اپنے ہاتھوں پر حرف دعا لکھ کے پیاسے
کھڑے ہیں
کہ بارش کا موسم
کہیں دور صحرا میں گم ہو گئے ہیں

گھر میں خوب رونق تھی، ہر چہرہ خوش تھا اور اپنی خوشی میں مگن تھا حتیٰ کہ مما بھی، تقدیر جن پر مہربان ہو وہی منزل پا لیتے ہیں جیسے عزمی نے پالی تھی، عزمی اس کا دوست تھا، اسے خبر نہ ہوئی کہ وہ نجانے کب انشال کو چاہنے لگا تھا، اس نے ہمیشہ اپنی ذات کو فوقیت دی تھی، اگر وہ اپنے نام نہاد سوشل سرکل کی پرواہ کیے بغیر انشال کو اپنا لیتا تو خوشیاں اس کی جھولی میں ہوتیں، آج انشال بے حد حسین لگ رہی تھی، حالانکہ اس کی ڈریسنگ ویسی ہی تھی، اس نے لہنگے کے ساتھ فل سلیو والی لانگ اوپن شرٹ پسند کی تھی، شرٹ کا گلہ بھی مناسب تھا، اس کی جیولری بھی منفرد نہ تھی۔

خزیمہ سوچوں میں گم کمرہ میں تنہا تھا اسے دوبارہ مما بلا کر گئی تھیں انشال کا نکاح ہونے والا تھا اور اس نے گواہ اور بطور ولی اس کے نکاح نامے پر دستخط کرنا تھے، مگر دل...... دل یوں اچانک دغا دے جائے گا یہ اس کے سان وگمان میں بھی نہ تھا، وہ تو مما سے بات کرنا چاہتا تھا کہ وہ شادی کے لیے رضامند ہے لیکن اس سے پہلے مما نے اسے اطلاع دی کہ وہ عزمی اور انشال کا رشتہ طے کر رہی ہیں، وہ سن دماغ وخالی ویران آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہ گیا، وہ انہیں روک بھی نہ سکا اور وہ اسے بتا کر چلی گئیں، وہ اسے

صرف بتانے آئی تھیں جبھی تو اس کی رائے یا مرضی نہ پوچھی تھی، خزیمہ کا اندر خالی پن اور تنہائی بڑھنے لگی۔

''نہیں میں ژالے سے شادی کروں گا وہ مجھے سمیٹ لے گی۔'' خزیمہ نے دھیمے سے خود کلامی کی تھی، باہر شور وہنگامہ رونق عروج پر تھا، مما تیسری بار اسے بلانے آئیں تو اسے چاروناچار جانا پڑا۔

''کاش خزیمہ تم نے پہلے اتنی سنجیدگی سے انشال کے متعلق سوچا ہوتا۔'' فائزہ ماں تھیں وہ اس کا دل حال پڑھ چکی تھیں ماں کا دل تو اولاد کا دکھ بنا کہے بوجھ لیتا ہے، انہوں نے خزیمہ کی سرخ آنکھوں سے نظریں چراتے ہوئے دکھ سے سوچا، ان کے اختیار میں تو اب کچھ بھی نہ تھا۔

وہ نکاح میں شامل ہو کر کچھ دیر بعد دوبارہ کمرے میں آ گیا اور جب تک مہمان نہ چلے گئے وہ کمرے سے نہ نکلا تھا، تنہائی اور محرومی نے دل کا احساس زیاں بڑھا دیا تھا۔

''میں کل ژالے سے ملوں گا۔'' اس نے دل میں مصمم ارادہ کیا تھا لیکن دل کی بے کلی کم ہونے کا نام نہ لے رہی تھی۔

☆☆☆

وہ کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوا تو سارا لان لوگوں سے بھرا ہوا تھا، وہ حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے لوگوں کو دیکھنے لگا، اس کے اندر کہیں خطرے کی گھنٹی بجی تھی، ژالے کے پپا مردوں کے درمیان بیٹھے زاروقطار رو رہے تھے کچھ مرد انہیں دلاسا دے رہے تھے ان کے آنسو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے۔

''تم نکل جاؤ میرے گھر سے، تم نے میری بچی کو مارا ہے۔'' یکایک ژالے کے پپا کی نظر ساکت متحیر کھڑے خزیمہ پر پڑی تو وہ بھرے شیر کی مانند غرائے خزیمہ پر پل پڑے، انہوں نے دو زوردار طمانچے اس کے وجیہہ چہرے پر رسید کر دیے تھے، خزیمہ کی حیرت بڑھ گئی، اسے انکل کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا، دو افراد نے بمشکل انہیں کنٹرول کیا۔

''بیٹا تم چلے جاؤ، ان کی اکلوتی بیٹی کی ڈیتھ ہو گئی ہے یہ صدمے سے بے حال ہیں۔'' ان میں سے ایک فرد نے خزیمہ کو مخاطب کیا، خزیمہ دکھ کی گہرائیوں میں بے یقینی سے غوطے کھانے لگا۔

''ژالے مر گئی۔'' اس کے لبوں سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے، انہی افراد نے ساکت کھڑے خزیمہ کو گیٹ سے باہر نکال دیا، وہ نجانے کب تک وہاں کھڑا رہا، احساس زیاں اور پچھتاوے اس کی ذات کو ناگ کی مانند ڈسنے لگے تھے، وہ تو کہیں کا نہ رہا تھا، اس کا دل بھی اجڑا تھا اور ضمیر بھی بے سکون تھا، وہ خود کو ژالے کی موت کا ذمہ دار سمجھ رہا تھا۔

''آہ۔'' سڑک کنارے فٹ پاتھ پر اجڑے مسافر کی طرح لڑکھڑا کر گر پڑا تھا، اس نے سب کچھ کھو دیا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، محبت سے جدائی اور ضمیر کی چبھن نے آنسوؤں میں شدت پیدا کر دی تھی۔

''خزیمہ! مجھے مت چھوڑنا، میں تمہارے بغیر جی نہ پاؤں گی۔'' اس کے کانوں میں ژالے کا جملہ گونجا تو آنسوؤں میں مزید شدت آ گئی، وہ درد دل سے بے حال دونوں گھٹنوں میں منہ چھپائے روئے جا رہا تھا، اب یہی آنسو اور درد اس کا مقدر تھا، اسے تمام عمر اسی چبھن کے ساتھ زندہ رہنا تھا۔

☆☆☆

محبت لامحدود ہوئی رے

کنول ریاض

"کرم داد...... او کرم داد...... کدھر مر گیا ہے......؟" چوہدری صاحب کی تیز آواز پہ کرم داد دوڑتا دوڑتا پاس آیا۔

"جی سائیں حکم!" دونوں ہاتھ جوڑتے وہ چوہدری جی سے مخاطب ہوا۔

"اور کدھر تھا کمبخت، کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔" چوہدری جی نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"وہ سائیں اندر تھا، روٹی پانی دینے گیا تھا۔" کرم داد نے چوہدری جی کی ناراضگی محسوس کرتے دور سامنے بنے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا حال ہے اب اس کا، قابو میں آیا کہ نہیں۔" گہری نظروں سے دیکھتے چوہدری صاحب کے سوال پہ کرم داد نے ایک بار پھر سے ہاتھ باندھے۔

"اتھرا تو بہت تھا سائیں پر اب آہستہ آہستہ قابو میں آ رہا ہے، پر سائیں بندہ بڑا جی دار لگتا ہے، کل خیرو کے ساتھ تو اچھی خاصی ہاتھا پائی ہو گئی اس کی اسی لئے آج میں خود روٹی دینے گیا تھا۔" کرم داد نے ایک اور اطلاع دی۔

"اوئے تجھے پہلے بھی کہا تھا کہ اس کے کھانے میں نیند کی دوا ملا دیا کر۔" چوہدری جی نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

کھاتا تو تب ہی ہے جب بے حد بھوک ستائے، ورنہ بھوکا پیاسا بیٹھا رہتا ہے۔"

مکمل ناول

"چلو خیر کتنے دن اڑی کرے گا، یہاں تو بڑے بڑے جی دار آ کر سدھر گئے ہیں یہ تو پھر بڑا پر امن بندہ ہے، لڑائی جھگڑے سے کوسوں دور رہنے والا۔" چوہدری صاحب نے سن کر رائے دی۔

"آپ بہتر جانتے ہو سائیں۔" کرم داد نے نظریں جھکائے کہا۔

"چلو خیر بڑا دھیان رکھنا اس کا مصیبت تو یہ ہے کہ بندہ اس پہ ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکتا اور دیکھو، حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں اس کا ہر حال میں زندہ سلامت رکھنا ہے سمجھے، ابھی تو خیر اس کا ہونا نہ ہونا پچھلوں کے لئے برابر ہی ہے لیکن ہاتھی مرا ہوا بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے سمجھے، شاید بھی کھوٹے سکے کی طرح کام آ ہی جائے، کوشش کرو کسی سے منہ ماری کم سے کم ہو اور اس کو جذباتی طور پر بلیک میل کرو، اس کی بیوی اور بچی مارنے کی دھمکی دینا جب قابو سے باہر ہوتا نظر آئے، خود تو شاید مرنا بھی پسند کرلے لیکن کبھی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کی پسندیدہ ہستیاں مشکل کا شکار ہوں۔" چوہدری جی نے بات کے اختتام پہ کرم داد کو کافی گر کی بات بتائی تھی، جبھی وہ مسلسل سر ہلاتا چوہدری صاحب کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

"چنگا فیر میں چلتا ہوں اور خبردار جو غلطی سے بھی تم لوگوں کے منہ سے کبھی یہ نکلا کہ اس کو اغواء کرنے والا کون ہے، ورنہ یاد رکھنا تم لوگوں کی اگلی سات نسلوں کو بھی نہیں بخشوں گا میں۔" چوہدری صاحب کی دھمکی پہ کرم داد کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

"مر جائیں گے سائیں پر کبھی غلطی سے بھی آپ کا نام نہیں لیں گے۔" کرم داد نے لرزتے ہوئے یقین دہانی کروائی تو چوہدری صاحب سر ہلاتے اپنی جیپ کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

کمیشن کا امتحان پاس کرنے کے بعد اپنے لئے پولیس ڈیپارٹمنٹ چننے والے ان نوجوان لڑکوں میں اس بار ایک چھوڑ تین لڑکیاں شامل تھیں، یہ بات جہاں لڑکوں کے لئے مضحکہ خیز تھی وہیں ان کے لئے چیلنجنگ بھی تھی، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ان میں سے دو کے ابا آرمی کے کرنل تھے اور تیسری کے ابا پولیس کمشنر سو وہ تینوں پہلے سے ہی ذہنی و جسمانی طور پر ہر قسم کے مقابلے کے لئے تیار تھیں، ایسے میں اسفند یار اور فرحان وغیرہ کے لئے اس صورتحال کو قبول کرنا تھوڑا مشکل تھا، اگرچہ اسفند یار اور فرحان دونوں کا تعلق بیورو کریٹس فیملی سے تھا مطلب یہ کہ ان کے خاندان میں بیورو کریٹس بھرے پڑے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ دونوں وڈیرا شاہی نظام کی پیداوار بھی تھے ایسے میں اول تو لڑکیوں کا پولیس ڈیپارٹمنٹ چننا ہی انہیں ہضم نہیں ہو رہا تھا اوپر سے برابری کی سطح پر جسمانی ٹریننگ لینا اور برابر کی چوٹ، ان جیسے میل شاؤنزیہ بآسانی سہہ نہیں پائے تھے، جبھی ہر ہر قدم پہ ان کی نوک جھوک عروہ، حنا اور ایمن سے چلتی رہتی تھی، یہ الگ بات کہ اکثر منہ کی کھانا پڑتی اور آج بھی شاید ان کے ستارے گردش میں تھے جبھی لنچ ٹائم میں پھر ان سے متھا لگا بیٹھے۔

"ویسے مس عروہ آپ کو نہیں لگتا کہ آپ نے غلط ڈیپارٹمنٹ چنا ہے۔" ٹریننگ کے چوتھے دن گھما پھرا کے بلا مبالغہ کوئی بیسویں دفعہ یہ سوال کیا گیا تھا، یہ الگ بات کہ کل ملا کر تینوں سے پوچھتے تعداد بیس بنی تھی، حنا اور ایمن تو کافی کرارے جواب دیتی تھیں لیکن عروہ خاصی کم گو تھی اور اکثر اس قسم کے فضول سوال ان سنا کر

دیتی لیکن آج شاید اس کا صبر بھی جواب دے گیا تھا، جبھی ہاتھ میں پکڑا چمچ واپس پلیٹ میں رکھتے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے جانچتی نظروں سے اسفند یار کو دیکھا۔

"مسٹر اسفند یار چوہدری آپ کو کیسے یقین دلایا جائے کہ ڈیپارٹمنٹ کی سلیکشن کا فیصلہ درست تھا؟" سخت لہجے میں کہی گئی بات اور عروہ کے انداز پر اسفند یار نے تپی تپی نگاہ سے گھورا۔

"یقین دلانے کی کیا بات ہے یہ تو صاف ظاہر ہے کہ پولیس ڈیپارٹمنٹ میں صرف دماغی طور پر حاضر اور لائق فائق ہونا ضروری نہیں بلکہ جسمانی طاقت اور بہادری کا مظاہرہ بھی اہمیت رکھتا تھا، بندوق اٹھا کر چلانے کی ٹریننگ لینا الگ بات ہے لیکن اگر کبھی نہتے خطرناک غنڈوں کا مقابلہ کرنا پڑ گیا تو ایک جھٹکے کی مار ہوں گی آپ اس کی۔"

اسفند یار کا لہجہ کافی تلخ ہو گیا تھا ایمن اور حنا کی پٹر پٹر چلتی زبان کے برعکس عروہ کا محتاط اور دھیما لہجہ اسفند یار کو کچھ کچھ اپیل کرنے لگا تھا اور شاید دل میں کوئی جذبہ بھی پروان چڑھ ہی جاتا اگر آج یوں عروہ احمد لگی لپٹی رکھے بغیر اس سے الجھ نہ پڑتی اور اب جب کہ عروہ نے کوئی لحاظ نہ رکھا تو وہ بھی مصلحت کے تقاضوں کو نظر انداز کرتا میدان میں کود پڑا۔

"کیوں بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن وہ کیا ہے کہ آپ کا واسطہ اب تک جن لڑکیوں سے پڑا ہے وہ ضرور چھوئی موئی سی ہوں گی لیکن میں ذرا منفرد عادات کی مالک ہوں، آپ چاہیں تو آزما سکتے ہیں؟" موبائل پر پڑی نادیدہ گرد جھاڑتے اس نے گویا اسفند یار کو چیلنج کیا تھا۔

"اوہ ویری سٹرینج، لیکن مس افسوس میں آپ کی آزمائش کر نہیں سکتا کیونکہ میرا خیال ہے کہ آپ مقابل کے پہلے وار کو بھی برداشت نہیں کر پائیں گی اور اپنی ہڈیاں تڑوا بیٹھیں گی۔" اسفند یار نے حظ اٹھائے لہجے میں کہا انداز ایسا تھا گویا کہ عروہ کو طیش دلانا چاہتا ہو، لیکن سامنے بیٹھی عروہ ابھی کوئی جواب بھی نہ دے پائی تھی کہ عباس حیدر جو کافی دیر سے یہ سب برداشت کر رہا تھا بول اٹھا۔

"اسٹاپ اٹ اسفند، بہت ہو گیا، ہم سب ایجوکیٹڈ ہیں اور سب ہی ایک سخت امتحان پاس کر کے یہاں تک پہنچے ہیں ایسے میں مرد عورت کی تخصیص چہ معنی دارد؟ ہمیں ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا احترام کرنا چاہیے اور ان لیڈیز کو تو زیادہ عزت دینی چاہیے کہ وہ ایک اہم مقصد لے کر اس فیلڈ میں آئی ہیں اور تم لوگ انہیں بجائے خوش آمدید کہنے کے ان کی مورل سپورٹ بڑھانے کے الٹا ان کے حوصلے پست کرنا چاہ رہے ہو۔" عباس حیدر کے خفگی بھرے لہجے پہ اسفند ابھی کوئی ردعمل ظاہر نہ کر سکا تھا کہ حنا بول پڑی۔

"ارے نہیں نہیں مسٹر حیدر، یہ بالکل حق بجانب ہیں اب دیکھیں ناں اتنے ٹف امتحان کو پاس کر کے اور اتنی مہنگی سرکاری ٹریننگ کے بعد اگر ہم لوگ غنڈوں کے ڈر سے میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں تو یہ تو بہت غلط بات ہے، ظاہر ہے ایسے میں اسفند جیسے لوگ کہیں گے کہ دیکھا ہم ٹھیک کہتے تھے اگر یہاں لڑکے ہوتے تو کبھی ہار نہ مانتے، اب اس بات کو غلط ثابت کرنے کے لئے ہمیں اپنی قابلیت تو دکھانی پڑے گی ناں؟"

"بالکل اسی لئے تو مسٹر اسفند میں نے آپ سے کہا ہے کہ آپ آزمائیں پنجہ لڑانا سے لے کر کشتی لڑنے تک جو جسمانی طاقت آپ آزمانا چاہیں۔" ابرو اوپر چڑھاتے عروہ نے پھر

سے اسفند کو چیلنج کیا، اس کے "کشتی لڑنا" کہنے پہ کہیں دبی دبی مسکراہٹیں کھلیں تو بعض لوگ عباس حیدر جیسے بھی تھے جنہوں نے رنج اور خفگی کی ملی جلی کیفیات کے ساتھ عروہ احمد کو گھورا تھا، بھلا لڑکیوں کو کہاں زیب دیتا ہے اس طرح کے الفاظ وہ بھی لڑکوں سے مقابلے کے لئے کہنا......؟ ان کی سوچ شاید ان کے چہروں سے جھلکی تھی جبھی ایمن نے بغور ان کے چہروں پہ نظر دوڑاتے الفاظ ذہن میں ترتیب دیئے۔

"ویل گائز شاید آپ کو کشتی لڑنا کا لفظ نامناسب محسوس ہوا ہو لیکن جس ڈیپارٹمنٹ کا انتخاب ہم لوگوں نے کیا ہے وہاں کے مجرم اس بات سے نا آشنا ہیں کہ اگر آفیسر ایک لڑکی ہو تو اس پہ ہاتھ نہیں اٹھانا، اب ظاہر ہے وہ خود کو ہمارے حوالے کرنے سے تو رہے اور انہیں پکڑنے کے لئے ہمیں ان سے لڑائی تو کرنا ہی پڑے گی خواہ وہ کسی بھی قسم کی ہو۔"

ایمن کی بات نے اتنا اثر نہیں کیا تھا کیونکہ سب لوگ اس بات کو بھول بھال اسفند یار کو عروہ کے سامنے کرسی سنبھالتا دیکھ چکے تھے اور کسی کے کچھ بھی کہنے سے پہلے عروہ نے اپنی کہنی ٹیبل پہ رکھ کر مقابلے کا آغاز کیا، اسفند کے ہاتھ نے ایک پل کو عروہ کا ہاتھ تھاما اور دوسرے لمحے اسے جھٹکا دے کر گرانا چاہا، لیکن یہ اس کی بھول تھی، اسفند کے ہاتھ کی گرفت ہلکی پڑتے ہی عروہ نے ایک خاص زاویے سے جھٹکا دیا اور اسفند یار چوہدری گویا چاروں شانے چت پڑا تھا، وہ جو ڈیپارٹمنٹ کا سب سے سخت جاں آفیسر بن کر سامنے آنے والا تھا یوں...... ہار گیا......؟

"Unblive able ----- o God۔" (نا قابل یقین)

"Great۔"

"واؤ...... کیا بات ہے۔" ایک ساتھ کئی توصیفی جملے ابھرے تھے، جو جہاں عروہ کے چہرے پہ مسکراہٹ کھلانے کا سبب بنے تھے وہیں اسفند کے چہرے کے نقوش تن گئے تھے۔

"Please don,t mind mrs asfand its just friendly bet۔"

"اسفند پلیز ناراض مت ہونا یہ صرف ایک دوستانہ شرط تھی۔" عروہ نے اسفند کو نرمی سے کہا۔

"عروہ نے شرط جیت کر ثابت کیا ہے کہ ہم لڑکیاں لڑکوں سے کسی طور کم نہیں ہیں اب آپ کو بھی یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ اس بات کو انا کا مسئلہ نہیں بنائیں گے خاص طور سے ایک لڑکی سے ہارنے کو کیونکہ اگر آپ اپنے کسی اور میل کولیگ سے ہارتے تو آپ شاید اس بات کو فیل نہ کرتے۔" حنا نے اسفند کے بدلتے رنگ کو دیکھتے فوراً سے پیشتر مدافعانہ تدبیر اختیار کی اور اس کی بات سن کر اسفند یار کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"مس حنا آپ نے تو فرار کی ساری کوششیں مسدود کر دیں، لیکن خیر بات آپ کی بالکل صحیح ہے، میں اپنے گزشتہ دنوں کے الفاظ واپس لیتا ہوں، واقعی عروہ نے ثابت کر دیا ہے کہ اس ڈیپارٹمنٹ میں آنے والی لڑکیاں عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہیں لیکن مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ ہوا کیسے؟" اسفند نے اپنی سوچ کو الفاظ کا پیرہن اوڑھا ہی دیا۔

"عروہ بلیک بیلٹ ہے مسٹر چوہدری اور حنا اور میں بھی۔" ایمن نے ان سب کی حیرانگی دور کرنا چاہی۔

"اچھا...... تبھی آپ کشتی لڑنے کی بات بھی اتنے آرام سے کہہ رہی تھیں جیسے لوڈو کھیلنے کی

دعوت دے رہی ہوں۔" فرحان نے کھسیانے لہجے میں کہا تو سب کے قہقہے ابل پڑے۔

☆☆☆

"اسوہ، چندا تھوڑا سا کھا لو بیٹا، ایسے تو تم خود کو بیمار کر لو گی۔" خدیجہ بیگم نے اپنی آنکھوں میں آئے آنسو اندر اتارتے اسوہ کو پکارا۔

"امی ...... بابا......" رو رو کر لال انگارہ آنکھوں سے پھر سے چشمے پھوٹ بہے۔

"نہ میری بچی، یوں رو رو کر خود کو ہلکان مت کرو، بس اللہ سے دعا کرو کہ تمہارے بابا ٹھیک ہوں اور جلد گھر واپس آ جائیں۔" خدیجہ بیگم نے اسوہ کو بانہوں میں بھرتے دلاسہ دیا۔

"کب آئیں گے بابا، ایک ماہ ہو گیا ہے انہیں گئے ہوئے، لیکن ابھی تک ان کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔"

"آ جائیں گے بیٹا، انشا اللہ جلدی آئیں گے تمہارے تایا ابو اسی سلسلے میں کام کر رہے ہیں ناں، کل بھی بڑے بھائی صاحب کہہ رہے تھے کہ پولیس میں رپورٹ درج کروائی ہوئی لیکن وہ خود بھی اپنے کارندوں کے ہمراہ تمہارے بابا کو تلاش کر رہے ہیں جیسے ہی کوئی سراغ ملا وہ ضرور تمہارے بابا تک پہنچ جائیں گے۔" خدیجہ بیگم نے اس کے آنسو پونچھے اور پھر کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھی۔

"چلو شاباش جلدی سے کھانا کھاؤ، تمہارے بابا آ گئے تو مجھے ناراض ہوں گے کہ میری اتنی پیاری بیٹی کو کیوں اتنا کمزور کر دیا ہے۔" اپنے ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر اسوہ کے منہ میں ڈالتے ہو محبت اور فکرمندی سے اسے دیکھے گئیں۔

"آپ کہاں ہیں احمد، کوئی سراغ نہیں آپ کا، میں کیسے تنہا آپ کی بیٹی کو دشمنوں سے بچا سکتی ہوں اور دشمن بھی وہ جو کھل کر وار نہیں کر رہے ان نقاب زدہ چہروں میں سے کیسے میں شناخت کر سکتی ہوں آپ کے مجرم کو...... نہ تاوان کا مطالبہ اور نہ کوئی اور مانگ......؟" اپنی سوچوں میں بری طرح غرق وہ احمد حسن کے اچانک غائب ہونے کی وجہ تلاش کر رہی تھیں کہ ملازمہ دروازہ بجا کر اندر داخل ہوئی۔

"بی بی جی، چھوٹی بی بی کا فون ہے۔" ہاتھ میں پکڑا کارڈلیس اس نے خدیجہ کی طرف بڑھانا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی اسوہ نے پکڑ لیا اور کان سے لگا کر دوسری طرف موجود ہستی سے بات کرنے لگی، دوسری طرف اس کی دوست سندس تھی، جلد ہی بات چیت ختم کر کے اس نے فون واپس ملازمہ کو تھما دیا۔

"کون تھی؟" خدیجہ بیگم نے اسوہ کے ستے ہوئے چہرے پہ نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"سندس تھی بتا رہی تھی کہ کل سے فرسٹ ائیر کی کلاسز شروع ہو جائیں گی۔" دھیمے لہجے میں اسوہ نے خدیجہ بیگم کو بتایا اسے اس دم اپنے بابا بہت شدت سے یاد آئے تھے، انہیں کتنا شوق تھا اسوہ کو ڈھیر سارا پڑھانے کا اور اپنے اغواء سے تین دن پہلے ہی وہ اسوہ کا داخلہ قریبی کالج میں کروا کر آئے تھے۔

"چلو یہ اچھی بات ہے اس طرح سے تمہارا دل بھی بہل جائے گا، اب اٹھو اور کالج جانے کی تیاری کر لو، تمہارے بابا بھی انشا اللہ جلد ہمارے ساتھ ہوں گے۔" ام اسوہ کو تیار ہونے کا کہتے آخر میں انہوں نے دلاسہ دیا اور باہر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

فزیکل ٹریننگ کے بعد اب سائیکالوجیکل ٹریننگ کا آغاز شروع ہو گیا تھا، جس میں مجرموں سے اگلوانے کے لئے مختلف پوائنٹس بتائے اور

سمجھائے جارہے تھے اس ٹریننگ میں دنیا بھر کی پولیس فورس کے آزمائے ہوئے طریقوں کو اپلائی کیا جارہا تھا، تاکہ مزید بہتر نتائج حاصل ہوسکیں اور ٹریننگ کے اختتام تک وہ سب لوگ جولا ابالی اور کھلنڈرے معلوم ہوتے تھے یکدم ایک ذمہ دار اور فرض شناسی کے جذبے سے سرشار آفیسر بن کر ابھرے تھے، اختتامی دن کمشنر صاحب بذات خود تشریف لائے اور وہاں موجود آفیسر کو توصیفی کلمات کے ساتھ ان کی اسناد تقسیم کیں، ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اپنی تقریر میں ان سب کو اپنی ذمہ دارانہ سرگرمیوں کو اچھے انداز میں انجام دینے پہ زور دیا اور اس بات کا وعدہ لیا کہ وہ سب اپنے فرائض کی انجام دہی میں کسی بھی رکاوٹ کو درخو اعتنا نہیں جانیں گے خواہ اس کے لئے انہیں اپنی جان سے ہی کیوں نہ ہاتھ دھونا پڑیں، تقریب کا اختتام ہلکی پھلکی ریفریشمنٹ کے ساتھ ہوا اور وہ سب ایک دوسرے کو گڈ لک کہتے الوداع ہونے لگے کیونکہ وہ سب سی ایس پی آفیسرز ہم منصب ضرور تھے لیکن سب کی تعیناتی پنجاب کے مختلف شہروں میں ہوئی تھی اور ایسے میں ان کا ملنا ملانا شاید سالوں میں ہوتا، لیکن بہرحال ہر ایک کے پاس آپس میں رابطے کے لئے موبائل کی سہولت موجود تھی جو نہ صرف آپس میں حال احوال پوچھنے کا ذریعہ تھا بلکہ مختلف کیسز میں ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرنے میں بھی معاون ہوتا۔

☆☆☆

"لیجئے گرلز منہ میٹھا کیجئے۔" ام اسوہ کو کالج آئے چوتھا روز تھا جب کلاس کے اختتام پر فرداً فرداً ہر ایک کے سامنے ماہا نے مٹھائی کا ڈبہ کیا، سندس ماہا کی کزن تھی یوں سندس کے ساتھ ام اسوہ بھی ان کے ساتھ گئی۔

"ارے واہ تمہاری منگنی ہوگئی؟" ردا نے گلاب جامن اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں یار، ابھی تو ایسا سوچنا بھی مت، مجھے ڈھیر سارا پڑھنا ہے پھر اس کے بعد جاب۔" ماہا نے فوراً سے پیشتر ردا کا خیال رد کر دیا۔

"تو پھر یہ مٹھائی کس خوشی میں کھلا رہی ہو۔" سندس نے برفی کا ٹکڑا منہ میں رکھتے پوچھا۔

"وہ میرے بڑے بھائی بطور سی ایس پی تعینات ہوئے ہیں ہمارے ہی شہر میں۔"

"واؤ......" کی لڑکیوں کے منہ سے بیک وقت توصیفی انداز میں نکلا۔

"سنو ماہا، وہ کیا ہے کہ میری اماں ایف ایس سی کے بعد میری شادی کرنا چاہ رہی ہیں اور مجھے آفیسرز بڑے پسند ہیں آرمی آفیسر نہ سہی پولیس آفیسر ہی سہی، تم...... تم اپنے بھائی کے ساتھ میری سیٹنگ کروا دو پلیز۔" مونا نے اپنے دوپٹے کا کونا انگلی پر مروڑتے شرمانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا، تو ماہا نے ایک زور دار دھپ اس کے کندھے پر رسید کی، جبکہ باقی لڑکیوں کے قہقہے ابل پڑے۔

"شرم کرو، میں عباس بھائی سے پورے دس برس چھوٹی ہوں اور اتنا ہی گیپ تمہارا بھی ہو گا۔" ماہا نے اسے گھرکتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں بلکہ بڑی عمر کے مرد اپنی بیویوں کی زیادہ کیئر کرتے ہیں۔" مونا کے ساتھ بیٹھی کنزا نے شرارت سے آنکھیں نچاتے ہوئے کہا۔

"کوئی نہیں جی، تمہیں اگر اتنا پتا ہے تو تم ہی بن جاؤ ماہا کی بھابھی، میں اپنے فیصلے سے دستبردار ہوتی ہوں۔" ماہا کی عمر والی بات پہ شرم

کی ایکٹنگ چھوڑ چھاڑ مونا نے فوراً کنزا کو رگیدا اور اس کی اس بات پہ کنزا سمیت سب ہنس پڑی تھیں۔

"تم لوگ میری بھابھی کی فکر میں ہلکان مت ہو، اتنی زبردست لڑکیاں ان کے ساتھ ہی آفیسر بنی ہیں وہ یقیناً ان میں سے ہی کسی کو لائف پارٹنر کے طور پر چنیں گے۔" ماہا نے بات کے اختتام پہ اپنے بیگ میں سے البم نکالی، جس میں عباس حیدر کی ٹریننگ کے دوران اور اختتامی تقریب کی کئی تصاویر تھیں اور گروپ فوٹوز میں حنا، ایمن اور عروہ بھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھیں، پولیس یونیفارم میں سنجیدگی اور وقار کے ساتھ کھڑے تمام آفیسرز ہی ایک خاص تاثر دیکھنے والے پر طاری کر رہے تھے دور بھی حال ان ینگ گرلز کا بھی تھا، جو ایک ایک تصویر کو نہایت غور سے دیکھتے ہوئے اپنے ستائشی تبصرے بھی فرما رہی تھیں، ایسے میں ام اسوہ ہی تھی جو خاموشی سے ان کی باتیں سنتی دھیمی سی مسکان ہونٹوں پہ سجائے اس محفل میں خود کو حاضر رکھنے کی کوشش کر رہی تھی، بہت باتونی تو وہ پہلے بھی نہ تھی لیکن اس حادثے کے بعد مزید خاموش ہوگئی تھی، شروع دن سے اس کا یہی رویہ تھا جبھی گروپ کی باقی لڑکیوں نے اس بات کو محسوس نہ کیا تھا، رہی سندس تو وہ باقی لڑکیوں کی موجودگی میں اس بات کو زیادہ محسوس نہ کر پائی تھی۔

☆☆☆

"شیداں...... اسوہ کو بلا لاؤ کھانے پہ۔" خدیجہ بیگم نے کھانا لگاتی شیداں کو مخاطب کیا۔

"بڑی بی بی میں نے چھوٹی بی بی جی کو پہلے ہی کہہ دیا تھا، وہ کپڑے بدل کر آ رہی ہیں۔" پانی کا گلاس اور جگ رکھتے شیداں نے بتایا تو خدیجہ بیگم سر ہلاتی پلیٹ میں کھانا نکالنے لگیں۔

"اوہو امی، بڑی بھوک لگ رہی ہے آج تو میرے بغیر ہی کھانا شروع کر دیا۔" اندر داخل ہوتی اسوہ نے انہیں کھانا نکالتے دیکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"ارے نہیں بیٹا، یہ تو میں نے تمہارے لئے نکالا ہے، میں نے سوچا میری بیٹی کالج سے تھکی ہاری آئی ہوگی بھوک لگ رہی ہوگی۔"

"تھینک یو امی، لیکن آپ تکلیف مت کیا کریں، میں خود اب نکال لیا کروں گی۔" اس نے محبت سے جواب دیتے پلیٹ اپنے سامنے کی۔

"کیسا رہا کالج میں دن تمہارا؟" خدیجہ بیگم نے کھانا کھاتے سرسری لہجے میں پوچھا، وہ روزانہ یوں ہی اس سے سارے دن کی روداد سنتی تھیں اور ام اسوہ بھی انہیں تفصیلاً ہر ایک بات بتاتی۔

"امی ماہا کے بھائی سی ایس پی تعینات ہوئے ہیں ہمارے ہی شہر میں۔" ام اسوہ نے پرسوچ انداز میں انہیں بتایا۔

"اچھی بات ہے۔" خدیجہ بیگم نے سر ہلاتے سرسری انداز میں کہا۔

"امی میں سوچ رہی تھی کہ ہم اگر ماہا کے بھائی سے بابا کے سلسلے میں بات کریں تو؟" اسوہ کی بات پہ خدیجہ بیگم نے جھٹکے سے سر اوپر اٹھایا اور اسوہ کو ساتھ لیے اپنے کمرے میں آگئی۔

"آپ کو میں نے منع بھی کیا تھا اسوہ کہ اسی ٹاپک پہ اب دوبارہ بات مت کرنا؟" انہوں نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"امی میں نے کسی سے بات نہیں کی۔" اسوہ نے خفگی بھرے لہجے میں کہا اور اس کی خفگی کو خدیجہ بیگم نے بھی محسوس کر لیا تھا۔

"بیٹا میں نے آپ کو مصلحت کے تحت سے

یہ کہا تھا کہ کالج میں اپنی کسی دوست کو بابا کے غائب ہونے کا مت بتانا، بیٹا ہم لوگ اس وقت دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں، ایسے میں مزید کسی اور مصیبت میں پڑنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔'' انہوں نے رسان سے سمجھانا چاہا۔

''میری دوستوں سے ہمیں کیا خطرہ ہے امی۔'' خدیجہ بیگم کی بات سے بھی اسوہ کی ناراضگی دور نہ ہوئی تھی۔

''بیٹا جیسے آپ ہر بات مجھ سے شیئر کرتی ہو ایسے ہی آپ کی دوستیں بھی گھر میں جا کر کرتی ہو گی اور کب کسی کے کان میں پڑے کہ ہم دونوں ماں بیٹی اکیلی ہیں، تو ایسے میں بیٹا ایمان بدلتے دیر نہیں لگتی۔'' خدیجہ بیگم کی بات پہ اسوہ نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

''ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا اسوہ، سوائے میرے، کبھی کسی سے بھی کچھ بھی ڈسکس مت کرنا، اپنے اندر ایک اور دنیا بسالو من کی من میں رکھنے والی، دنیا میں رہتے صرف دنیاداری کرو، دوسروں کی سنو اور ان سے متعلق ہی گفتگو دوسروں سے کرو، اپنی ذات اپنے گھریلو حالات ہم جیسے زمینداروں کو دوسروں سے نہیں ڈسکس کرنے چاہیں، آبلہ پائی کے سفر میں کانٹوں بھری راہ گزر سے گریز ممکن نہیں بیٹا لیکن جہاں تک ہو سکے خود کو بچانے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے، اپنے اندر کے دکھ اور باتیں صرف اور صرف اس ذات باری سے کرو جو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے جس نے ہمیں دولت اور زمین کی آزمائش میں ڈالا ہے، لوگوں کی نظر میں ہماری بے پناہ دولت اور زمینیں باعث رشک ہیں اور اکثر اس کی تمنا کرتے ہیں لیکن یہ تو کوئی ہم سے پوچھے، ہمارے لئے تو یہ سر پہ لٹکی ننگی تلوار کی مانند ہیں جس کے ہر لمحہ گرنے کا خطرہ رہتا ہے اور ایسے میں جان کا ہتھیلی پہ رکھنے والا محاورہ ہم جیسوں پہ بھی صادق آتا جو حالت امن میں بھی اندرونی خانہ جنگی کا شکار ہیں۔'' خدیجہ بیگم نے آنکھوں میں آئی نمی پونچھتے ہوئے ماہا کو دیکھا تھا جو بغور انہیں سن رہی تھی۔

''سوری امی میں نے آپ کو اداس کر دیا، میں نے پہلے بھی کبھی کسی کو کچھ نہیں بتایا اور آئندہ بھی کوشش کروں گی کہ کسی کو بھی کچھ نہ بتاؤں۔''

''ارے نہیں بیٹا، یہ دکھ تو ہمارے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے اسے تو ہر حال میں سہنا ہی ہے، اچھا سنو اپنے تایا کے سامنے مت ذکر کرنا اس بات کا کہ تمہاری دوست کا بھائی ایس پی ہے۔'' خدیجہ بیگم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''وہ کیوں؟'' اسوہ ان کی بات کا مطلب نہ سمجھ پائی۔

''اسوہ میری جان مجھے شک ہے کہ تمہارے تایا...... نے ہی......'' خدیجہ بیگم نے سرگوشی میں بات کرتے ادھوری چھوڑ دی اور اسوہ ہکا بکا ان کی شکل دیکھے گئی۔

''امی......!'' بمشکل اس کے منہ سے نکلا تھا، بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھی، اس کی کیفیت پہ خدیجہ بیگم سر ہلاتے رسان سے گویا ہوئیں۔

''میں نے کہا تھا نہ بیٹا، کسی پہ بھی اعتبار مت کرنا اور یہ تو دنیا کا دستور ہے اپنے ہی مار آستین ثابت ہوتے ہیں اور وہ تو پھر تمہارے ابو کے کزنز ہیں، ایسے میں ان کا یقین کرنا مجھے تو یہ بھی شک ہے کہ انہوں نے ابھی تک پولیس میں رپورٹ ہی درج نہیں کروائی، اگر ایسا ہوتا تو پولیس کی تفتیش کے لئے ہم سے رابطہ ضرور کرتیں اور اگر پیشہ ور اغواء کار ہوتے تو تاوان کا مطالبہ کرتے۔'' خدیجہ بیگم آج سارے راز افشا کر رہی

تھیں۔

''تو پھر تو ہمیں ضرور پولیس کو انفارم کرنا چاہیے۔'' ام اسوہ کے کہنے پہ خدیجہ بیگم نے فوراً اس کے منہ پہ ہاتھ رکھا۔

''آہستہ، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں بیٹا، رہی ملازمین کی وفاداریاں تو وہ یا تو تبدیل ہو چکی ہوں گی نہیں تو جلد ہی کروالی جائیں گی، اگر تمہارے تایا کو اس کی سن گن بھی مل گئی تو وہ ہمیں بھی غائب کروا دیں گے یا پھر شاید مار ہی دیں اور مجھ میں تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں ہے اسوہ۔'' ام اسوہ کو خود میں بھینچے گھٹے گھٹے لہجے میں خدیجہ بیگم نے کہا۔

''اور بابا......؟'' اسوہ کے لہجے میں اندیشے بول اٹھے۔

''اتنی جلدی تو یہ کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے صرف اپنے مطالبات منوانے کے لئے زور ڈال رہے ہیں تم بس دعا کرو اور آئندہ گھر میں بھی محتاط رہنا میرے بچے، اللہ ہم سب کو اس آزمائش میں سرخرو کرے۔'' دھیرے دھیرے اسوہ کو تھپکتے انہوں نے خلوص دل سے دعا کی۔

☆☆☆

''السلام علیکم، ایوری ون کیا حال ہیں بھئی ہماری پرنسس (شہزادی) کے۔'' ماہا اور زاہدہ بیگم ڈائننگ ہال میں بیٹھیں، کھانا کھا رہی تھیں جب تھکا ہارا عباس حیدر اندر داخل ہوا، ہاتھ میں پکڑی کیپ ٹیبل پہ رکھتے وہ فریش ہونے واش روم کی طرف مڑ گیا، واپسی پہ یونیفارم تبدیل کیے بغیر کرسی کھینچ کر کھانے کے لئے بیٹھ رہنا اس کی شدید بھوک کو ظاہر کر رہا تھا تبھی زاہدہ بیگم نے فوراً اس کے سامنے کھانے کی پلیٹ اور ڈونگا رکھا، سالن نکال کر اس ٹرے میں رکھی چپاتی اور کھانے لگا۔

''بھائی آپ نے بسم اللہ تو پڑھی ہی نہیں۔'' ماہا نے شرارتی انداز میں اسے دیکھا۔

''بیٹا جی میں نے دل میں پڑھ لی تھی۔'' محبت سے اسے دیکھتے عباس نے نرمی سے کہا۔

''ہنہ بھائی کو آرام سے کھانا کھانے دو کوئی سوال جواب نہیں۔'' زاہدہ بیگم نے اسے سرزنش کی۔

''ماما اب ہمیں بھائی کی شادی کر دینی چاہیے۔'' ماہا نے بھائی کو محبت سے دیکھتے نئی فرمائش کی۔

''یہ دیکھو ابھی تھکا ہارا ایک کیس کی کاروائی مکمل کروا کے آ رہا ہوں اب تم مزید میرا دماغ مت پکاؤ۔'' کھانا ادھورا چھوڑ چھاڑ عباس حیدر دونوں ہاتھ ماہا کے سامنے باندھتے گویا معافی کا خواستگار تھا۔

''ماہا کی بات بالکل درست ہے عباس اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے، یہی تو عمر ہوتی ہے اب میں مزید تمہاری ایک نہیں سنوں گی، اگر کوئی لڑکی تمہیں پسند ہے تو بتا دو ورنہ میں خود کوئی پسند کر لوں گی اب تو ماشاءاللہ تمہاری ترقی بھی ہو گئی ہے اب اس کام میں دیر کیسی؟'' زاہدہ بیگم نے گویا اسے دھمکی دی۔

''پسند تو خیر آپ نے پہلے سے ہی کی ہوئی ہے مجھے تو بس رسمی کاروائی کے لئے شامل کر رہی ہیں۔'' عباس حیدر نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ زاہدہ بیگم کو چھیڑا۔

اس کی بات پہ زاہدہ بیگم نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا، بیٹے کا پرسکون چہرہ اور مسکراتے لب انہیں اثباتی پیغام دے رہی تھیں لیکن وہ آج کھل کر بات کرنا چاہ رہی تھیں۔

''اس کا مطلب ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں اگر میں ہادیہ کو بہو کے طور پر پسند کروں

تو......؟" زاہدہ بیگم کی بات پہ عباس کی آنکھوں کے سامنے ہادیہ کا سراپا لہرایا، نازک، کھلی کھلی رنگت والی ہادیہ اس کی ماموں زاد تھی اور زاہدہ بیگم بھتیجی سے بے پناہ محبت کرتی تھیں، نجانے کب سے ان کی آنکھیں اسے بہو کے روپ میں دیکھ رہی تھیں لیکن وہ عباس کے کسی مقام پر پہنچنے سے پہلے بھائی سے دست سوال کرنے کے حق میں نہ تھیں، عباس چھوٹا سا تھا جب ہادیہ پیدا ہوئی شادی دو ڈھائی برس کا تب سے ہی ان کے دل میں اس خواہش نے پہننا شروع کر دیا تھ، لیکن پھر حالات ایسے ہوئے کہ عباس کے نو برس کی عمر میں اس کے والد کی وفات ہو گئی، ماہا نے والد کی وفات کے آٹھ ماہ بعد پیدا ہوئی تھی، بچوں کی پرورش میں اس بات کو دل میں دبائے وہ عباس کے کچھ بننے کی منتظر تھیں اور اب جب کہ ان کے قابل بیٹے کو ایس پی کا چارج سنبھالے چھ ماہ ہو چکے تھے، تو وہ اپنی خواہش کی تعبیر پانے کے لئے بے چین تھیں۔

"مجھے کیوں اعتراض ہو گا ماما، کسی نہ کسی سے تو شادی کرنا ہی ہے تو پھر وہ کیوں نہیں جو آپ کی پسند ہے۔" عباس کی بات پہ زاہدہ بیگم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"تم نے میرا مان رکھ لیا عباس بس یہ یاد رکھنا کہ تم نے ہادیہ کو ہمیشہ خوش رکھنا ہے، مجھے کبھی تمہارے ماموں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔" عباس کے والد کی وفات کے بعد ان کے بھائی نے بہت ساتھ دیا تھا اور اب جب وہ ان سے نیا رشتہ بنانے جا رہی تھی تو چاہتی تھیں کہ عباس حیدر ابھی ان کے بھائی کو شکایت کا موقع نہ دے اور ایک اچھا داما بن کر دکھائے، ان کی بات پہ عباس نے دھیرے سے ان کے ہاتھ کو تھپکا تھا۔

"آپ کی ہر بات میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے امی، آپ کیوں پریشان ہیں میں انشا اللہ اس رشتے کو ہر طرح سے نبھانے کی کوشش کروں گا، خواہ آپ ساس بہو گھر میں پانی پت کا محاذ ہی کیوں نہ کھول لیں، لیکن پہلے آپ ماموں سے رشتہ تو مانگیے نجانے ان کی کیا سوچ ہو۔" شرارت سے کہتے اس نے آخر میں اہم بات کی، اس کی بات پہ زاہدہ بیگم نے دھیرے سے سر ہلایا، جبکہ ماہا نے دمکتی آنکھوں کے ساتھ اپنے خوبرو بھائی کو دیکھا۔

"کوئی بات نہیں بھائی، اگر ہادیہ آپی نے انکار کر دیا تو میری دوستوں میں سے کسی کو بطور بھابھی پسند کر لیجئے گا جب سے انہوں نے آپ کے سی ایس پی بننے کا سنا ہے پاگل ہو رہی ہیں وہ۔"

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا، میں کوئی بے وقوف ہوں جو بیوی کی بجائے بچی کو گود لے لوں، ارے بابا مجھے ایک سمجھدار اور پڑھی لکھی بیوی چاہیے جو میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے نہ کہ تمہارے جیسی چھٹکی جو دن میں کم از کم چار بار تو ضرور ناراض ہوتی اور میں اگر اسے راضی کرنے بیٹھ گیا ناں تو پھر میری نوکری کا اللہ ہی حافظ ہے۔" عباس کی بات پہ ماہا کا خفگی سے منہ بن گیا تھا اور اسے دیکھتے عباس کی ہنسی نکل گئی، اب یقیناً اسے ماہا کو منانے میں اچھا خاصا ٹائم لگنا تھا، جبھی زاہدہ بیگم کو چائے کے لئے کہتا وہ ماہا کی منتیں کرنے میں جت گیا تھا۔

☆☆☆

"دیکھو خدیجہ ہماری بات مانو اور گاؤں چلو، یہاں کب تک بیٹھی رہو گی، تم اکیلی ماں بیٹی لوگ سو طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔" چوہدری اکبر نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا تو خدیجہ بیگم پہلو بدل کر رہ گئیں۔

"بھائی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں تمہیں اور اسوہ کو اب گاؤں چل کر رہنا چاہیے، احمد حسن کا کچھ پتا نہیں کب آئے اور نجانے آئے بھی یا نہ۔" چوہدری اصغر نے بے رحمی سے کہا تو خدیجہ بیگم تڑپ اٹھیں۔

"اللہ نہ کرے بھائی صاحب، اللہ انہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے، اپنی بیٹی کو خود اپنے ہاتھوں بیاہیں گے انشا اللہ اور میرے جنازے کو کندھا دینا ہے ابھی انہیں۔" ان کے آنسو روانی سے گالوں پہ بہہ نکلے، ان کی بات پہ دونوں بھائی بھی ذرا نرم پڑ گئے۔

"اوئے، اللہ چنگا کرے گا تو کیوں دل تھوڑا کرتی ہے اصغر کا مطلب یہ تھا کہ دھی جوان ہو رہی ہے اب احمد کے انتظار میں اسے تو بوڑھا نہیں نہ کر سکتے، چھ ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے اور ابھی تک احمد کا پتا نہیں چل سکا، ہم تو یہ چاہ رہے تھے کہ تو اسوہ کی بات کم از کم طے کر دیتی اور پھر سال چھ مہینہ میں شادی کر دیتی اپنے فرض سے فارغ ہو جاتی۔" چوہدری اکبر کی بات پہ خدیجہ بیگم پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔

"آپ کی بات سر آنکھوں پہ بھائی جی، اسوہ کا جہاں مقدر ہے وہیں بیاہی جائے گی تو پھر جلدی کا ہے کی ابھی وہ پڑھ رہی ہے دو ماہ بعد اس کے پرچے ہیں میری خواہش ہے کہ وہ ایف اے تو ضرور ہی کر لے، تب تک احمد کا بھی کچھ پتا چل جائے گا، اللہ نے چاہا تو اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی کو رخصت کریں گے۔" خدیجہ بیگم نے رسان سے بات کی، ابھی ان لوگوں سے بگاڑ کی پوزیشن میں نہیں تھی وہ۔

ان کی بات پہ چوہدری اکبر نے چوہدری اصغر کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا، ابھی خدیجہ بیگم نہیں مان رہی تھیں انہیں مزید انتظار کرنا تھا۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی، اسوہ ہماری بھی دھی ہے، جہاں اتنا انتظار کیا سال ڈیڑھ سال اور سہی، لیکن دیکھو اسوہ کے ایف اے کرتے ہی تم نے اس کا بیاہ کر دینا ہے ہم اس سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتے نعمان اور ایمن کی شادی کے ساتھ ہی سلمان اور اسوہ کی شادی بھی ہو جائے تو بہتر ہے، یا پھر اگر تم تنویر کے ساتھ کرنا چاہو تو بھی ہمیں اعتراض نہیں۔" چوہدری اصغر نے گویا بات ختم کی تو خدیجہ بیگم سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جیسے آپ کی مرضی بھائی صاحب لیکن رشتے کی بات تو احمد ہی کریں گے مجھے جیسا سلمان ہے ویسا ہی تنویر ہے میرے لئے دونوں بچے برابر ہیں۔" ان کی بات پہ چوہدری اکبر نے سر ہلایا۔

"چلو خیر وقت آیا تو دیکھی جائے گی اب ہم چلتے ہیں۔" انہوں نے بات ختم کر کے اٹھنا چاہا تھا۔

"ارے نہیں نہیں بھائی صاحب ایسے کیسے کھانا کھائے بغیر جانے دوں گی، بس میں شیداں سے کہہ کر کھانا لگواتی ہوں آپ فریش ہو کر آ جائیں، خدیجہ بیگم کہتی باہر کی طرف لپکیں تو دونوں بھائی بھی ان کے پیچھے باہر ڈائننگ ہال کی طرف آ گئے۔"

☆☆☆

"لو بھئی لڑکیوں منہ میٹھا کرو۔" ماہا ایک بار پھر مٹھائی کا ڈبہ کھولے سب کے سامنے رکھ رہی تھی۔

"یہ کس خوشی میں بھئی؟" ردا نے استفسار کیا۔

"میری آپی اور عباس بھائی کی بات پکی ہو

گئی ہے، جلد ہی منگنی کی تقریب ارینج کریں گے اور تم سب کو آنا ہے اس لئے اپنی تیاری کر رکھو بعد میں مت کہنا کہ پہلے سے نہیں بتایا۔'' ماہا کی بجائے سندس نے تفصیل سے بتایا۔

''ارے واہ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے لیکن اس کے لئے یہ مٹھائی کافی نہیں ہے بلکہ ہمیں تو ٹریٹ چاہیے وہ بھی زبردست سی۔'' کنزا نے مٹھائی کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''چہ...... چہ...... تو تم نے ایک بار بھی مونا کے بارے میں نہیں سوچا ماہا حالانکہ بیچاری کا کتنا دل تھا تمہاری بھابھی بننے کا۔'' ردا نے مونا کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا تو اس کی بات پہ مونا تڑپ اٹھی۔

''اے خبردار جو تم نے ایسا سوچا بھی اب وہ میرے بہنوئی ہیں اور میری آپی بہت پسند کرتی ہیں عباس بھائی کو اس لئے اب کہیں اور قسمت آزمائی کرو۔'' مونا کے کچھ کہنے سے بھی پہلے سندس بول اٹھی تھی اور مونا جو پہلے ہی ردا کی بات پہ تپی بیٹھی تھی اور گلاب جامن منہ میں رکھے جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی اسے سندس کی بات نے مزید پتنگے لگا دیئے۔

''میرا دماغ خراب نہیں ہے جو میں ابا جی کی عمر کے بندے سے شادی کروں تمہیں ہی مبارک ہو ایسا کھڑوس بہنوئی، ایک سال ہونے والا ہے ان کو پولیس میں بھرتی ہوئے، اب تک تو پکے پولیسے بن چکے ہوں گے، مجھے کیا ضرورت ہے اتنے ان رومینٹک بندے سے متھا لگانے کی میں تو کوئی رومینٹک سا بندہ ڈھونڈوں گی اپنے لئے جو صبح شام میرے حسن کے قصیدے پڑھے۔'' مونا نے سندس کی کھنچائی کرتے ہوئے آخر میں اتراتے ہوئے کہا۔

''ارے میرے بھائی کے بارے میں کچھ مت کہنا اچھا، وہ عام پولیس والوں کی طرح نہیں ہیں۔'' حیرت زدہ سی ماہا نے آخر میں اسے تنبیہ کی تھی۔

''اُفوہ، کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو وہ سب ایک مذاق تھا اور بس، اب جبکہ عباس بھائی کی منگنی ہو رہی ہے تو ہمیں اس کی تیاری ڈسکس کرنی چاہیے نہ کہ فضول کی نوک جھوک میں ٹائم ضائع کریں۔'' کنزا نے ان سب کی لڑتی چونچوں کے آگے بند باندھے۔

''ہاں یار اصل بات تو یہ ہی ہے ناں ویسے کب تک ہے منگنی؟'' مونا بھی لڑائی چھوڑ چھاڑ اصل موضوع کی طرف آئی۔

''ہفتہ دس دن تک شاید نیکسٹ فرائیڈے (اگلے جمعے)۔'' ماہا نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ایسے کیسے فائنل کیوں نہیں کیا تم لوگوں نے۔'' ردا نے پوچھا تھا۔

''وہ عباس بھائی نے چھٹی کے لئے اپلائی کیا ہے تو جیسے ہی ان کی چھٹی منظور ہو گی بس وہ دن رکھ لیں گے دوستوں رشتہ داروں کو فون پہ اطلاع کر دیں گے اور قریبی رشتہ داروں کے گھروں میں ماما اور ماموں خود جا کر دعوت دے آئیں گے۔'' ماہا نے تفصیلاً بتایا۔

''چلو پھر سب دعا کرو کہ انہیں جلد چھٹی مل جائے اور اس سے پہلے تم دونوں ہمیں اچھی سی پارٹی دینے کا سوچو۔'' ام اسوہ نے بھی بالآخر زبان کھولی تھی۔

''واہ بھئی اسوہ بولی بھی تو کیا خوب بولی ہے، صحیح کہتے ہیں کم بولنا عقلمندی کی نشانی ہے جبھی اسوہ جب بھی بولتی ہے سوچ سمجھ کر اور دانائی بھرا بولتی ہے۔'' کنزا نے اسوہ کے بولنے پہ کہا تھا اور باقی سب کے ساتھ ام اسوہ بھی ہنس پڑی۔

☆☆☆

''امی آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟'' ام اسوہ نے خدیجہ بیگم کی طرف چائے کا کپ بڑھاتے بالآخر پوچھ ہی لیا، وہ جب سے کالج سے آئی تھی انہیں یوں ہی پریشان دیکھ رہی تھی لیکن پھر خاموش رہی کہ شاید اس کا وہم ہو، لیکن اب جبکہ شام کا وقت ہونے کو تھا وہ ہنوز کسی گہری سوچ میں گم تھیں اور پھر شیداں نے بتایا تھا کہ دونوں تایا آئے تھے ایسے میں اس کا خدیجہ بیگم کی پریشانی کے بارے میں جاننا مزید ضروری ہو گیا تھا۔

''ارے نہیں بیٹا، تمہارا وہم ہے۔'' خدیجہ بیگم نے بات کو ٹالنا چاہا۔

''شیداں بتا رہی تھی کہ دونوں تایا آئے تھے آج اور کھانا کھا کر گئے ہیں۔'' ام اسوہ کا آج پریکٹیکل تھا جبھی کالج سے دیر سے لوٹی تھی اور یوں وہ تایا صاحبان سے ملاقات سے محروم رہی تھی۔

''تمہارے تایا چاہتے ہیں کہ ہم دونوں گاؤں شفٹ ہو جائیں۔'' خدیجہ بیگم نے بالآخر اسے آدھی ادھوری بات بتا ہی دی۔

''کیا...... لیکن کیوں؟'' ام اسوہ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''اب تمہارے بابا ہمارے ساتھ نہیں ہیں تو ان کا خیال ہے کہ ہمیں وہیں چل کر رہنا چاہیے۔'' اس کے چہرے کو بغور دیکھتے خدیجہ بیگم نے بتایا، تو اک سایہ سا ام اسوہ کے چہرے پہ آ کر گزر گیا۔

''پھر آپ نے کیا کہا؟'' اس نے دھیمے لہجے میں استفسار کیا۔

''میں نے کہا ہے کہ تمہارا ایف اے ہونے تک ہمیں یہیں رہنے دیں، تو وہ مان گئے ہیں اب دعا کرو کہ اس وقت تک تمہارے بابا مل جائیں ورنہ، ہمارا مقدر وہی حویلی ہو گی جہاں چند گھنٹے گزارنا دوبھر ہو جاتا ہے ہمارے لئے۔''

خدیجہ بیگم کی آواز بے بسی کے احساس تلے دبی مزید دھیمی ہو گئی اور اسوہ ان کے چہرے سے نظریں ہٹانا بھول گئی تھی۔ اس کی اب تک کی زندگی میں احمد حسن نے اسے ایک رات بھی گاؤں میں نہیں گزارنے دی تھی، جتنا وقت بھی بیت جاتا وہ خدیجہ اور ام اسوہ کو ساتھ لے کر نکل آتے اور اپنے گھر آ کر ہی آرام کرتے، انہیں اپنے تایا زاد بھائیوں کا ماحول سخت ناپسند تھا، خود انہوں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے ننھیال میں تعلیم کی غرض سے ڈیرے جما لئے تھے جبھی جب وہ بی اے کے بعد کالج گئے تو وہاں دل نہ لگا اور انہوں نے شہر میں ہی گھر بنا لیا، خدیجہ بیگم ان کی سگی ماموں زاد تھیں، جیسے احمد حسن اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے ایسے ہی خدیجہ بیگم بھی اپنے والدین کی ہزاروں ایکڑ جائیداد کی اکلوتی وارث تھیں، بچپن کا ساتھ کب پسندیدگی میں ڈھلا دونوں کو ہی خبر نہ ہو سکی، بڑے تو پہلے سے ہی ان کے رشتے کے حق میں تھے، یوں بغیر کسی رکاوٹ کے ان کا رشتہ طے ہو گیا اور خدیجہ بیگم کے میٹرک کرتے ہی ان کی شادی کر دی گئی قدرت خدا کی ام اسوہ کے بعد ان کے ہاں مزید کوئی اولاد نہ ہوئی اور یوں ام اسوہ بھی اپنے والدین کی اکلوتی وارث تھی اور ماں اور باپ دونوں سے ورثہ میں ملنے والی بے انداز زمین و جائیداد کی اکلوتی وارث اب ایسے میں جب کوئی قریبی ننھیال اور ددھیالی رشتہ دار نہ تھے تو احمد حسن کے تایا زاد چوہدری اکبر اور چوہدری اصغر ہی ان کے بھائی بنتے تھے اور وہ احمد حسن سے محبت بھی کرتے تھے، احمد حسن کے شہر آ کر شادی کر لینے کے بعد اور ان کے اماں ابا کی وفات کے بعد بھی انہوں نے احمد حسن سے رابطہ نہ توڑا اور اکثر دوسرے چوتھے

ہفتے ملنے آتے رہتے تھے یوں احمد حسن کو بھی ایک ڈیڑھ ماہ بعد ان کے ہاں جانا پڑتا اور کچھ وہ اپنی زمینوں وغیرہ کا حساب کتاب بھی دیکھنے جاتے تھے سو یوں ان کا آپس میں تعلق ابھی تک قائم تھا، ایسے میں اب احمد حسن کی غیر موجودگی میں خدیجہ اور ام اسوہ کے سرپرست وہی تھے جبھی انہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے جبکہ خدیجہ بیگم کا خیال دوسرا تھا، انہیں لگتا تھا کہ وہ اصل میں اسوہ کی بے اندازہ جائیداد کے لالچ میں تھے، اب یہ تو وقت گزرنے پہ ہی ثابت ہونا تھا کہ وہ ان کے ساتھ مخلص تھے یا نہیں۔

☆☆☆

''افوہ ماہا ایک بجنے والا ہے اور تمہارے بھائی کا کوئی پتا نہیں فون کرواسے کہ جلد پہنچے ابھی اسے تیار بھی ہونا ہے، اب اپنی منگنی پہ بھی کیا یونیفارم پہن کر شرکت کرے گا۔'' خدیجہ بیگم خفگی بھرے لہجے میں ماہا سے مخاطب تھیں۔

''ماما بھائی کا فون آگیا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ آپ مہمانوں کے ساتھ ہال میں پہنچ جائیں وہ وہیں آجائیں گے آدھے گھنٹے تک۔'' ماہا نے کان میں جھمکیاں ڈالتے ڈالتے ایک جھٹکے کو مڑ کر دیکھا اور پھر سے آئینے میں دیکھنے لگی۔

''حد ہوگئی اس لڑکے کی تو زمانے بھر سے نرالی نوکری ہے، اچھا سنو اسے کہو کہ ہم اس کے کپڑے ساتھ لے جارہے ہیں وہیں ہال میں ہی ڈریس اپ ہوجائے گا اب کیا پہلے گھر میں آکر تیار ہوگا اور پھر تو ہال پہنچتے پہنچتے نواب صاحب شام کردیں گے۔''

''چلو بچیوں تم سب یہ سامان اپنی نگرانی میں گاڑی میں رکھواؤ شاباش۔'' ماہا سے بات کرتے کرتے انہوں نے کنزا، ردا اور سونا کو وہ سب سامان سنبھالنے کی ذمہ داری سونپی جو انہیں عباس حیدر کی دلہن ہادیہ کے لئے لے کر جانا تھا اور خود عباس کے کمرے کی طرف مڑ گئیں تاکہ اس کا سامان لے جاسکیں، ہادیہ چونکہ سندس کی بہن تھی اس لئے سندس نے تو اپنے گھر سے ہی فنکشن میں شریک ہونا تھا لیکن چونکہ ام اسوہ کی سندس سے زیادہ دوستی تھی اسی لئے وہ بھی ہادیہ کی طرف سے شرکت کررہی تھی، بہت عرصے بعد خدیجہ بیگم اور ام اسوہ کسی ایسی گھریلو تقریب میں شریک ہوئی تھیں، اسوہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی اور خدیجہ بیگم مطمئن تھیں کہ اسوہ کے لئے یہ تبدیلی خوش آئند تھی کچھ گھنٹوں کے لئے ہی سہی وہ اپنے خول سے باہر تو نکلی تھی لڑکے والے پہنچ گئے تھے اور ان کا استقبال پھولوں کی پتیوں سے کیا گیا تھا۔

''ارے واہ...... عباس بھائی کی یہ سالی نمبر دو تو ہم سے پہلے ہی پہنچ گئی ہے۔'' کنزا نے ام اسوہ کو سندس کے ساتھ پھولوں کی پلیٹ پکڑے دیکھا تو کھلکھلاتے ہوئے چھیڑا۔

''نمبر دو یعنی کہ دال میں کالا ہے۔'' ردا نے کنزا کی بات اچکی، وہ سب گپ شپ کرتی راستے سے ہٹ کر ایک طرف آکھڑی ہوئیں۔

''کیا مطلب بھئی؟'' ماہا نے استفسار کیا۔

''ارے بھئی دو نمبر یعنی کہ فراڈ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اوپر سے تو عباس بھائی کی سالی ہے لیکن اندر سے کچھ اور ہے۔'' کنزا نے کھلکھلاتے ہوئے کہا تو سندس نے ایک زوردار جھانپڑ اس رسید کیا۔

''جی نہیں جیسے تم چاروں ہادیہ آپی کی نندیں ہو اسی طرح ہم دونوں عباس بھائی کی سالیاں ہیں اور بس......'' سندس کی بات پہ ابھی وہ کوئی کمنٹ نہ دے پائیں تھیں کہ ویٹر ان سب کو کولڈ رنک سرو کرنے وہیں آپہنچا سو سب شرافت کے چولے اوڑھے خاموشی سے کولڈرنک لینے لگیں۔

''عباس بھائی کہاں ہیں نظر نہیں آرہے۔'' سندس نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے سوال کیا۔

''وہ ابھی آئے ہی نہیں تو نظر کیسے آئیں گے۔'' سونا نے ترنت جواب دیا۔

''وہ کیوں؟'' ام اسوہ نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ ابھی آفس میں ہی تھے آدھے گھنٹے تک پہنچنے کا کہہ رہے تھے بیس منٹ کو ہمیں آئے ہوگئے، دس پندرہ منٹ تک پہنچ جائیں گے۔'' ماہا نے تفصیلی جواب دیا۔

''توبہ ہے ویسے عباس بھائی سے ایسی ہی کیا فرض شناسی کہ بندہ اپنی زندگی کے اتنے اہم دن یہ بھی وقت نہ نکال پائے۔'' کنزا نے تپے لہجے میں کہا، وہ سب جتنی عباس حیدر سے ملنے کی مشتاق تھیں اتنا ہی وہ دیر کیے دے رہا تھا۔

''تم اپنے لئے کوئی بے روزگار ڈھونڈنا تاکہ ہر وقت تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا رہے۔'' ردا نے اسے چڑایا۔

''اللہ نہ کرے ایسی بد دعا تو نہ دو۔'' کنزا نے ردا کو ہلکا سا دھکا دیتے کہا، ردا لڑکھڑا کر ساتھ کھڑی ام اسوہ سے ٹکرائی تو اسوہ کے ہاتھ میں پکڑی بوتل اس کے اوپر آگری۔

''او...... تو......'' اپنے کپڑوں کو جھاڑتے اسوہ پیچھے ہٹی۔

''کبھی تو انسانوں کی جون میں آجایا کرو تم لوگ، جاؤ اسوہ وہ سامنے واش روم ہے تم پانی سے صاف کرلو۔'' ماہا نے انہیں گھرکتے اسوہ سے کہا تو اسوہ سر ہلاتی واش روم کی طرف بڑھ گئی، واش روم سے واپسی پہ اچانک اس کے قدم پیچھے سے آتی پکار پہ تھم پڑ گئے۔

''ایکسکیوز می مس...... پلیز ذرا ماہا کو تو بلا دیجئے گا اگر آپ اسے جانتی ہیں تو یا پھر سندس کو پلیز۔'' اسوہ کے مڑنے تک وہ حقیقتاً اس کے سر پہ آرکا تھا۔

فل یونیفارم میں چھ فٹ سے نکلتے قد اور کسرتی جسم کے مالک اس شخص کے سامنے ام اسوہ ایک دم گڑبڑا سی گئی تھی وہ فوراً دو قدم پیچھے ہٹی اور سر ہلاتی اندر کی طرف بڑھ گئی جبکہ عباس حیدر بے ارادہ ہی اسے دیکھے گیا۔

''کتنا حزن تھا اس چھوٹی سی لڑکی کی آنکھوں میں جیسے کوئی بڑا دکھ چھپانے کی سعی میں ہو نجانے ہے کون؟'' وہ ماہا کے آنے تک اسوہ کی اداس آنکھوں کے بارے میں سوچ گیا۔

''افوہ بھائی کہاں تھے آپ اور موبائل کیوں بند کر رکھا تھا۔'' ماہا نے خفگی سے اسے گھرکتے پوچھا۔

''سوری سس موبائل کی بیٹری ختم ہوگئی تھی۔'' اس نے فوراً سے پیشتر معذرت کی۔

''اچھا چلیں آپ فریش ہوں میں آپ کے کپڑے لاتی ہوں۔'' ماہا کہہ کر اندر کی طرف لپکی تو وہ بھی فوراً واش روم کی طرف لپکا، واش روم کے ساتھ ملحقہ ڈریسنگ روم خالی تھا، ماہا دروازہ ناک کرکے اسے بتا گئی تھی کہ کپڑے باہر رکھے ہیں، نہانے کے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازے کے ساتھ لٹکا باتھ ٹاول کھینچا، تو ساتھ ہی پینٹ اور بنیان بھی اس کے ہاتھ میں تھی، لیکن شرٹ ندارد، پینٹ پہ بنیان چڑھائے وہ جیسے ہی باہر نکلا تو سامنے والا دروازہ کھول کر وہی اداس آنکھوں والی لڑکی ایک پاؤں اندر اور دوسرا باہر رکھے شرم سے لال ہوتی اسے دیکھ کر نظریں چرا گئی۔

''ایم سوری...... میں سمجھی اندر کوئی نہیں ہے

وہ میرا موبائل......" بات ادھوری چھوڑ چھاڑ وہ فوراً باہر کی طرف مڑی تھی جب عباس حیدر نے آواز دی۔

"اٹس او کے، آپ اپنا موبائل لے سکتی ہیں۔" شرٹ پہن کر اس کے بٹن بند کرتا وہ مڑ کر کوٹ پہننے لگا، سامنے لگے آئینے میں ام اسوہ صاف نظر آ رہی تھی، اس کی دودھیا گلابی رنگت میں شرم کی سرخی گھل کر مزید نکھار پیدا کر رہی تھی، عباس حیدر نے ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی اور اپنے بال بنانے لگا، جبکہ اسوہ تیزی سے اپنا موبائل اٹھا کر باہر نکل گئی۔

"پتا نہیں کون ہے شاید ماہا کا کوئی کزن ہے لیکن شکل دیکھی دیکھی لگ رہی ہے بڑا ہینڈسم ......مونا وغیرہ دیکھ لیں تو پاگل ہی ہو جائیں اس کے پیچھے۔" ام اسوہ بلا ارادہ ہی اس کے بارے میں سوچے گئی، جب کنزا کی چیخ نما آواز پہ حیرانی سے اس کی سمت دیکھا۔

"ارے یہ ہیں عباس بھائی، مائی گاڈ یہ تو کہیں سے بھی ماہا سے دس سال بڑے نہیں لگتے، بمشکل چار، پانچ سال کا گیپ لگتا ہے اپنی ٹریننگ والی تصاویر کے بعد سے اور بھی سمارٹ ہو گئے ہیں سال بھر میں۔" سامنے اسٹیج کی طرف رخ کیے وہ تبصرہ کر رہی تھی۔

"بھائی اپنی فٹنس کا خاص خیال رکھتے ہیں جبکہ میں شروع سے ہی پیٹو ہوں۔" ماہا نے ہنستے ہوئے کہا تو ام اسوہ نے بھی سامنے اسٹیج کی طرف نظر اٹھائی، اور اگلے ہی لمحے دل گویا اچھل کر حلق میں آ رہا، وہ تو وہی شخص تھا جسے وہ کچھ دیر پہلے ایالو قرار دے چکی تھی، ہادیہ احسان کے ہمراہ بیٹھے ہنستے مسکراتے عباس حیدر نے ایک ہی پل میں ام اسوہ کو اندر تک خالی کر دیا تھا۔

"نہیں، یہ وقتی کشش ہے یا پھر کنزا، مونا کی باتوں کا اثر ہو گیا ہے مجھ پہ، ویسے بھی ہم وڈیروں کے مقدر میں صرف عیاش وڈیروں کا ساتھ ہی لکھا ہے ایسا نہ ہو تو پرکھوں کی زمین جائیداد بٹ جائے پھر کون ہماری چودھراہٹ کو مانے گا۔" تلخی سے سوچتے اس نے آنکھوں میں آئی نمی کو اندر ہی اتارا اور خود کو کنزا اور ردا وغیرہ کی باتوں میں الجھانے کی کوشش کی۔

☆☆☆

"دیکھو بابا، اب کھا لو کچھ تین دن سے بھوکے ہو ڈیڑھ سال ہونے کو آیا ہے اور تم ابھی تک ادھر کا عادی نہیں ہوا، ہزار بار بولا ہے کہ اب بھول جاؤ واپس جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے، کم از کم اس وقت تک جب تک چوہدری صاحب نہ چاہیں، پھر کیوں خود کو ہلکان کرتے ہو، اپنی جوانی پہ ترس کھاؤ۔" کرم داد نے اس بے نام قیدی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اب تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گا، مجھے تم صرف یہ بتاؤ کیوں مجھے یہاں قید کر رکھا ہے اور کس کی اجازت سے؟" اس نے کرم داد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"نہ سائیں ہمیں نہ تو کچھ بتایا جاتا ہے اور اس پہ بھی یہ دھمکی الگ کہ کچھ مت بتانا اب دیکھ لو ہمیں تو یہ تک معلوم نہیں کہ تمہارا نام کیا ہے باقی کیا خاک معلوم ہو گا۔" کرم داد نے خفگی بھرے لہجے میں کہا، کسی بھی شخص کے متعلق اتنی راز داری پہلی بار برتی جا رہی تھی ورنہ ہر شخص کے بارے میں جو بھی چوہدری صاحب کو آنکھیں دکھاتا کرم داد کو بتا کر اٹھوا لیا جاتا تھا، لیکن اس بار معاملہ دوسرا تھا اس دفعہ کرائے کے اٹھائی گیروں سے اٹھوایا گیا تھا شاید......؟ لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید بات کرتا باہر سے گاڑی رکنے کی آواز پہ فوراً باہر کی طرف لپکا اس شخص نے دروازے کی درز

سے آنکھ لگا کر سامنے دیکھنا چاہا لیکن اس طرف کوئی موجود نہ تھا، کمرے کے اکلوتے روشن دان کو حسرت سے دیکھتے اس نے بے بسی سے ہاتھ ملے روشن دان اتنا اونچا تھا کہ وہاں تک اس کی رسائی نہ تھی، اچانک اسے پچھلی طرف دیوار میں بنے اس سوراخ کا خیال آیا جو اس نے کمرے کی ایک اینٹ بجاتے ہوئے ملا تھا، وہ فوراً سے پیشتر اس کی طرف لپکا اور احتیاط سے اینٹ باہر کھینچی لیکن افسوس اس طرف بھی کوئی نہ تھا، پنجوں کے بل اونچا ہوتے اس نے ادھر ادھر جہاں تک ممکن تھا نگاہ دوڑائی، زمین پہ گاڑی کے ٹائروں کے نشان نے اسے چونکا دیا، اوہ، یقیناً وہ شخص واپسی پہ اسی طرف سے گاڑی نکال لے جائے گا، سوچتے ہوئے اس نے اپنی نگاہیں باہر کے راستے پہ جما دیں، چار پانچ منٹ بعد گاڑی کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی اور ساتھ ہی زن کی آواز کے ساتھ گاڑی اس کے سامنے سے گزری، لینڈ کروز کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے شخص کو دیکھ کر وہ کچھ لمحوں کے لئے گویا ساکت ہو گیا۔

"چوہدری اصغر؟" وہ گومگو کی کیفیت میں وہیں کھڑا تھا، کہ کرم داد دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

"اوئے تو ادھر کیا کر رہا ہے اور یہ اینٹ کیوں نکالی ہے اوئے تو نے۔" کرم داد نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا، نجانے کون ہے اگر اسے چوہدری صاحب کا معلوم ہو گیا تو سمجھو میں تو گیا کام سے۔

"کرم داد میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں، میں چوہدری احمد حسن، چوہدری اصغر کا سگا چچا زاد ہوں، چوہدری حشمت کا اکلوتا بیٹا اور چوہدری انعام اللہ کا اکلوتا داماد۔"

کرم داد کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا چند لمحوں کے لئے تو اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

"سائیں آپ۔" دونوں ہاتھ باندھے وہ اب احترام سے نظر نیچی کیے کھڑا تھا، بے شک احمد حسن نے بیشتر وقت شہر میں گزارا تھا لیکن چوہدری حشمت مرتے دم تک گاؤں میں ہی رہے تھے اور وہیں دفن ہوئے تھے انہیں اپنے گاؤں تو کیا آس پاس کے سارے گاؤں کے لوگ جانتے تھے۔

"پر سائیں آپ سے کیا دشمنی ہے ان کی......؟ میری اور میری بیوی کے ساتھ ساتھ ہماری اولاد کی بدقسمتی بھی یہ ہے کہ وہ بھی اکلوتی ہے ایک ہی بیٹی ہے میری، میری ذاتی اور سسرالی جائیداد کی اکلوتی وارث اس کا ہاتھ مانگا تھا اپنے آوارہ اور نالائق بیٹے کے لئے چوہدری اصغر نے لیکن میں نے انکار کر دیا، اسی کی سزا ہے ہی، اب یہ میرے پیچھے میری بیوی کو دباؤ میں لا کر میری بچی کو زنداں میں قید کرنے کے چکروں میں ہو گا یقیناً، لیکن تمہیں اس سب سے کیا سروکار تم چوہدری اصغر کے کارندے ہو، جاؤ جا کر اس سے کہو کہ مرد ہے تو مردوں کی طرح سے بات کرے، میں اپنی ساری دولت اور جائیداد اسے لکھ کر دینے کو تیار ہوں لیکن خدا کے لئے میری معصوم بچی کو بخش دے، میں نے اسے بڑے ناز و نعم میں پالا ہے ان کے ماحول میں وہ رچ بس نہ سکے گی اور مرجھا جائے گی۔" آنکھوں میں آئی نمی کو جھٹکتے اس نے تلخی سے کہا۔

"سائیں جیسے وہ میرے بڑے ہیں ایسے آپ بھی میرے بڑے ہو، میرے دادا نے برسوں آپ کے دادا کی خدمت کی ہے پھر میرے باپ نے شہر کا رخ کیا تو میں بھی وہیں کی گلیوں میں پلنے بڑھنے لگا، باپ کے مرنے کے بعد بھی

کافی عرصہ آوارہ پھرتا رہا پھر میرے تایا زاد بھائیوں کے کہنے پر پچھلے دو سالوں سے چوہدری اصغر کے ساتھ ہوں چوریوں چکاریوں میں ایک دو بار جیل بھی جا چکا ہوں جبھی چوہدری اصغر ان کاموں میں مجھے ملوث رکھتا ہے، لیکن سائیں، اگر ہم دونوں مل کر ایک دوسرے کی مدد کریں تو دونوں بچ کر نکل سکتے ہیں۔"

اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو گھماتے کرم داد نے رازدرانہ لہجے میں کہا، اسے اپنا مستقبل بدلتا نظر آ رہا تھا۔

"کیا مطلب......؟" احمد حسن نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے پاس دوسری کوئی پناہ گاہیں ہے سائیں جہاں میں جا کر چوہدری اصغر اور پولیس دونوں سے بچ جاؤں، اگر آپ مجھے وہ پناہ گاہ دینے کا وعدہ کریں تو میں کوشش کر کے آپ کو یہاں سے بھگانے کی کوشش کروں گا۔" کرم داد نے سرگوشی میں بات کرتے ہوئے کہا۔

"اگر میں نے تم جیسے کارندے پالے ہوتے تو آج یہاں نہ ہوتا یہ میرا شریفانہ طرز زندگی ہی تھا جو مجھے آج یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے، اگر میں بھی عام وڈیروں کی طرح ہوتا تو کسی کی جرأت نہ تھی کہ یوں میرے گھرانے کا تماشا بناتا۔" دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملتے چوہدری احمد حسن کی بے بسی عروج پہ تھی۔

"دیکھو سائیں آج کل یہی اصول ہے کچھ دو اور کچھ لو، آپ کے پاس طاقت نہ سہی پیسہ تو ہے آپ مجھے کسی دوسرے ملک میں سیٹ کروا سکتے ہیں کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کروا سکتے ہو تو پھر بھی ٹھیک ہے، ساٹھ ستر لاکھ آپ کے لئے کچھ معنی نہیں رکھتے لیکن میری زندگی بدل دیں گے ابھی میرے آگے اک عمر پڑی ہے، پینتیس کا ہو رہا ہوں لیکن ابھی تک شادی نہیں بنا سکا اب اگر مجھے یہ گولڈن چانس آپ میسر کر دو تو میں آپ کے لئے راہ ہموار کر سکتا ہوں۔" کرم داد نے چوہدری احمد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے لئے تمہیں میری زبان پہ اعتبار کرنا ہو گا، ابھی میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" چوہدری احمد کی بات پہ کرم داد نے گہری سانس بھری ایک آزاد اور پر تعیش زندگی کے لئے یہ سودا مہنگا تو نہ تھا۔

"مجھے منظور ہے۔" کرم داد نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن دھیان رکھنا یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔" چوہدری احمد نے اسے تنبیہ کی۔

"فکر نہ کریں سائیں، میں پورا دھیان رکھوں گا۔" کرم داد نے بات ختم کی اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے، دروازے کے پاس کھڑے ہو کر اس نے سامنے دیکھا۔

آس پاس دور دور تک کوئی نہ تھا، اس نے گہری سانس بھرتے دروازے کو تالا لگایا اور کام کا بہانہ بنا کر باہر نکل آیا، اب سب سے پہلا کام اسے تالے کی ڈوپلیکیٹ چابی بنوانے کا کرنا تھا اور یقیناً اس کے لئے اسے کسی کی مدد درکار تھی خود اس پہ تو نجانے کتنے افراد نگرانی پہ مامور تھے، وہ اگر یہ لوگوں کی تعداد نہ جانتا تھا لیکن نگرانی سے تو واقف تھا ناں جبھی اس رازدرانہ کام کو مزید رازداری سے سرانجام دینا چاہتا تھا اور اس کے لئے اسے کم از کم تین سے چار ماہ کا عرصہ درکار تھا، چوہدری اصغر کی یہ خفیہ جیل فرار کے لفظ سے نا آشنا تھی اور اس کا حوصلہ صرف اور صرف کرم داد ہی کر سکتا تھا جو یہاں کا دادا تصور کیا جاتا تھا۔

☆☆☆

فرسٹ ائیر کے ایگزامز کے بعد ان سب نے سیکنڈ ائیر کی تیاری کے لئے اکیڈمی جوائن کر لی تھی اور اب جب کے سیکنڈ ائیر کے داخلہ ٹیسٹ شروع تھے تو وہ سب شوخیاں چھوڑ چھاڑ سنجیدگی سے پڑھائی کی طرف متوجہ تھی فرسٹ ائیر کی طرح سیکنڈ ائیر بھی اچھے نمبروں سے پاس کرنے کا عزم لئے ہوئے تھیں، داخلہ ٹیسٹ کے کچھ دنوں بعد ہی ان سب کو تیاری کے لئے فری کر دیا گیا تھا اور یوں وہ سب گھروں میں بیٹھی دن رات تیاری میں جتی ہوئی تھیں۔

"اسوہ بیٹا کچھ دیر آرام کر لو پھر پڑھ لینا۔" خدیجہ بیگم نے اسے مسلسل کئی گھنٹوں سے پڑھتے دیکھ کر کہا۔

"بس امی تھوڑی دیر اور...... پھر اٹھنے لگی ہوں۔" اسوہ نے نرمی سے کہہ کر دوبارہ خود کو کتاب کی طرف متوجہ کر لیا۔

"یا اللہ میری اس بچی کی مدد فرمائی مولا اسے دینی و دنیاوی ہر امتحان میں کامیاب کرنا آمین۔" اسوہ کے امتحانات تک خدیجہ بیگم کے لبوں پر ایک ہی دعا تھی، آخری پیپر دے کر جب وہ گھر آئی تو چھوٹے تایا انہیں لینے آ پہنچے تھے، بیگ میں اپنے اپنے چند جوڑے اور ضرورت کی چند چیزیں لیے دونوں ماں بیٹی گاؤں آ گئی، اگرچہ پریکٹیکل کے لئے اسوہ کو ابھی جانا تھا لیکن بقول چوہدری اصغر ایک ہی دن کی تو بات ہے گاؤں سے ہی آ کر دے جائے گی اور یوں ان کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ بچا تھا۔

☆☆☆

"اشفاق حسین۔" یونیفارم کیپ سر پہ جماتے، ریوالور پیٹی میں رکھتے اس نے زوردار آواز میں کہا تو سیلوٹ مارتا اشفاق حسین فوراً حاضر ہوا۔

"جی سر!"

"گاڑی تیار کرواو، ایک جگہ ریڈ کے لئے جانا ہے۔" اشفاق حسین کو حکم دیتا وہ سامنے پڑی فائل پہ آخری نظر ڈال کر اسے دراز میں رکھنے لگا۔

"کتنی گاڑیاں سر جی؟" اشفاق حسین نے جانے سے پہلے پوچھا۔

"تین...... اور جلدی...... اگلے تیس منٹ میں ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔" اس کے کہنے پر اشفاق حسین سلیوٹ مار کر "جی سر" کہتا باہر نکل گیا۔

"سر جی گاڑیاں تیار ہیں۔" پانچ منٹ بعد اشفاق حسین نے اطلاع دی تو وہ سر ہلاتا اس کے ہمراہ ہو لیا، اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی تمام گاڑیاں حرکت میں آ گئیں اور آگے پیچھے تیزی سے محو سفر ہوئیں۔

تقریباً بیس منٹ کے سفر کے بعد گاڑیاں ایک درمیانے درجے کے رہائشی علاقے کے پاس پہنچ گئیں جب عباس حیدر نے ہاتھ بڑھا کر وائرلیس پکڑا اور اپنے پیچھے آتی گاڑیوں کو ہدایات جاری کیں۔

"08 آپ اگلے موڑ پہ گاڑی روک کر گلی میں پھیل جائیں، گلی کے آخری دو مکان ہمارا فوکس ہیں اس کے علاوہ بھی دھیان رہے آس پاس کے گھروں سے بھی کوئی مشتبہ فرد بھاگنے نہ پائے۔"

"یس سر...... جو حکم۔" عباس حیدر کے حکم پہ دیسی پڑتی گاڑی جس کا آخری نمبر 08 تھا زن سے ان دونوں گاڑیوں کے بیچ میں سے نکل آگے بڑھ گئی۔

"09 آپ یہیں رک کر ہمارا انتظار کریں اگر ضرورت پڑی تو آپ کو بلا لیں گے۔" عباس حیدر نے کہنے کے ساتھ اپنی گاڑی بھی سائیڈ پہ

روکنے کا اشارہ کیا، ڈرائیور نے فوراً گاڑی روکی اور ساتھ ہی 09 نے بھی ان سے چند فٹ کے فاصلے پہ بریک لگا دیا، گاڑی کے رکتے ہی عباس حیدر اور اس کے ساتھ موجود افراد تیزی سے باہر نکلے اور محتاط قدموں سے گلی میں داخل ہو گئے، اپنے ساتھ آئے افراد کو مختلف پوزیشنز پہ کھڑا کر کے ایس پی عباس حیدر نے اپنی جگہ کا تعین کیا اور آگے بڑھ کر دروازے پہ دستک دی، تھوڑی دیر بعد اندر سے کسی کے باہر آنے کی آہٹ سن کر وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ کر فوراً سائیڈ پہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

''کون......؟'' اندر سے سوال کیا گیا اور کوئی جواب نہ پا کر دروازہ کھول کر گلی میں جھانکنے کی کوشش کرتا شخص اگلے ہی لمحے عباس حیدر کی مضبوط گرفت میں تھا، منہ پہ جمے مضبوط ہاتھ کی بدولت وہ کوئی بھی آواز نکالنے سے قاصر تھا۔

''کل رات جو نئے کرایہ دار آئے ہیں وہ چاہیے ہمیں بس اس لئے آواز نکالنے کی کوشش مت کرنا۔'' غراتے لہجے میں کہی گئی عباس حیدر کی بات اس کی رہی سہی مزاحمت بھی دم توڑ گئی، اشارے پہ ساتھ موجود پولیس اہلکار تیزی سے اندر داخل ہوئے اور با آسانی مطلوبہ افراد کو حراست میں لے لیا، ان تینوں مجرمان کے پاس سے اسلحہ بھی کافی مقدار میں برآمد ہوا تھا، مالک مکان کو بھی پوچھ گچھ کے لئے ساتھ لیے وہ واپس ہوئے تو راستے میں ہی عباس حیدر نے اعلیٰ افسران کو ان افراد کی گرفتاری کی خبر دی، مطلوبہ افراد کی تلاش میں پولیس پچھلے ایک سال سے خوار ہو رہی تھی اور اب جا کر ان کی گرفتار عمل میں آئی تھی جس کا سہرا عباس حیدر کے سر تھا اور اپنی اس کامیابی پر وہ بے تحاشا خوش تھا۔

☆☆☆

''رضیہ......!'' چوہدری اصغر نے دودھ کا گلاس لے جاتی رضیہ کو پکارا۔

''جی سائیں!'' رضیہ فوراً ان کے سامنے آ موجود ہوئی۔

''یہ دودھ کس کے لئے لے جا رہی ہو؟''

''سائیں خدیجہ بیگم کے لئے۔'' رضیہ نے جواب دیا۔

''اچھا سنو انہیں کہنا کہ آ کر میری بات سن جائیں۔'' چوہدری اصغر کہہ کر آگے بڑھ گئے اور رضیہ کے پیغام دینے پر تھوڑی دیر بعد خدیجہ بیگم ان کے سامنے تھیں۔

''دیکھو خدیجہ اب احمد حسن کا تو کچھ پتا نہیں چل سکا، اس لئے اب میرا اور بھائی صاحب کا خیال ہے کہ تمہیں اب فیصلہ کر لینا چاہیے کسی ایک بچے کو اپنا بیٹا بنا لو جس کو چاہو اور اب بچی کی شادی کر دو تا کہ تم اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤ۔'' چوہدری اصغر کی بات پہ چوہدری اکبر نے بھی سر ہلایا گویا وہ بھی اس سے متفق تھے اور اب صاف بات کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

''بھائی جی اسے آپ میری درخواست سمجھیں یا منت، لیکن خدارا میری بچی پہ ترس کھائیں، میں جس بچے کو آپ چاہو سرپرستی میں لینے کو تیار ہوں لیکن اسوہ کا بھائی بنا کر اور اسے زمین جائیداد کا وارث بھی بنا دوں گی لیکن اس کے بدلے آپ اسوہ کو آزاد کر دیں وہ اپنی زندگی کے فیصلے میں آزاد ہو۔'' خدیجہ بیگم نے گویا آخری بازی پر اپنی تمام جمع پونجی لگا دی تھی۔

''تم ہمیں برادری میں ذلیل کروانا چاہتی ہو یہ کسی صورت ممکن ہے خدیجہ تمہیں ہر حال میں بچی کو ہمارے بیٹوں میں سے کسی ایک سے بیاہنا ہو گا ورنہ دوسری صورت میں ہر نفع نقصان کی تم خود ذمہ دار ہو گی۔'' چوہدری اصغر کی بات میں واضح دھمکی پہ خدیجہ بیگم کپکپا کر رہ گئی اور فوراً مصالحت کی راہ اختیار کی۔

''ٹھیک ہے بھائی صاحب جیسے آپ کی مرضی آپ کی بچی ہے آپ کا خون ہے میں کون ہوتی ہوں کچھ کہنے والی۔'' خدیجہ بیگم کی بات پہ دونوں بھائیوں کے چہرے کھل اٹھے۔

''اب کی ہے ناں عقل والی بات اور دیکھو اسوہ ہماری بیٹی ہے اسے اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کرنے کا پورا اختیار ہے تم اس سے مشورہ کر لو پھر چاہے وہ تنویر کی زندگی کا ساتھی چنے خواہ سلمان کو ہمیں اس کا ہر فیصلہ قبول ہو گا۔'' چوہدری اکبر کے کہنے پر خدیجہ بیگم اثبات میں سر ہلاتی اٹھ آئیں ان کا ذہن تیزی سے جوڑ توڑ میں مصروف تھا اور جلد ہی انہیں ایک راہ فرار میسر آ گئی۔

☆☆☆

''امی اگلے ہفتے میرا پریکٹیکل ہے اور کل سے تیاری کے سلسلے میں ٹیچرز نے بلوایا ہوا ہے، تایا ابو جانے دیں گے مجھے؟'' ام اسوہ نے آس و بیم میں ڈوبے ماں سے سوال کیا تو خدیجہ بیگم کی پرسوچ نگاہیں اس کے چہرے پر ٹک گئیں۔

''اسوہ میری بات غور سے سنو۔'' خدیجہ بیگم نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا وہ دونوں ماں بیٹی اس وقت حویلی کے دالان میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں اور آس پاس کوئی نہ تھا، مرد حضرات اپنی روزمرہ مصروفیات میں گھرے گھر سے باہر تھے ایمن اپنی ماں کے ساتھ ننھیال گئی ہوئی تھی رہی ثمینہ بھابھی تو وہ اپنی نگرانی میں کھانا پکوا رہی تھیں اور اس سے سنہری موقع ان ماں بیٹی کو میسر نہ آتا بات کرنے کو، ان کے انداز پہ اسوہ نے استفساریہ انداز میں انہیں دیکھا۔

''اسوہ حالات اس نہج پہ آ پہنچے ہیں کہ اب ہمیں کوئی حتمی فیصلہ کر لینا چاہیے تمہارے تایا چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی سلمان یا تنویر میں سے کسی ایک سے کر دی جائے۔'' خدیجہ بیگم کے کہنے پر ام اسوہ سکتے کی سی کیفیت میں آ گئی۔

''میں نے پوری کوشش کی ہے کہ تمہارے تایا اس شرط کو چھوڑ دیں لیکن وہ کسی صورت اس کے لئے آمادہ نہیں ہیں اور یہ سب کچھ صرف زمینوں کے لئے کر رہے ہیں اور زمیندار زمینوں سے کتنی محبت کرتے ہیں تمہیں اچھی طرح پتا ہے، تمہارے تایا نے بات نہ ماننے کے چکر میں ہر قسم کے نفع نقصان سے خود کو بری قرار دیا ہے اور اس کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیں کسی بڑے نقصان سے دوچار کر سکتے ہیں تمہیں تو وہ کچھ نہیں کہیں گے لیکن مجھے یقین ہے کہ کسی روز میرے کھانے میں زہر ملا کر مجھے راستے سے ہٹا دیا جائے گا اور پھر تم ان کے لئے کچھ مشکل نہ کھڑی کر سکو گی۔'' خدیجہ بیگم کے کہنے پر ام اسوہ نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

''نہیں امی، بابا کے بعد اب مجھے آپ کو کسی صورت نہیں کھونا، آپ تایا ابو سے کہیں مجھے ان کا ہر فیصلہ منظور ہے شاید، اس ذریعے بابا بھی ہمیں واپس مل جائیں۔'' اسوہ کے کہنے پہ خدیجہ بیگم نے فخر اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں اسے دیکھا، ان کی بیٹی اپنے ماں باپ سے اتنی محبت کرتی تھی کہ ان کی خاطر اپنی ساری زندگی داؤ پر لگانے کو تیار تھی، انہوں نے اسوہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا اور دھیرے سے اس کا گال تھپتھپا کر مسکرائیں۔

''میں نے یہ سب تمہیں اس لئے نہیں بتایا بیٹا کہ تم خود کو پابند سلاسل کر لو، میری بات غور سے سنو اسوہ، تم صرف پریکٹیکل والے دن کالج جاؤ گی۔'' بات کرتے کرتے خدیجہ بیگم کی آواز

مزید دھیمی ہو گئی اور ان کی بات سنتے سنتے کبھی اسوہ نفی میں سر ہلانے لگی اور کبھی اثباتی انداز میں لیکن بالآخر خدیجہ بیگم نے اسے اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیا تھا، اب انہیں طے شدہ دن کا انتظار تھا۔

☆☆☆

''بھائی...... کہاں ہیں آپ......'' ماہا کمرے کا دروازہ ناک کرتی اندر آئی اور کمرے میں عباس حیدر کو موجود نہ پا کر آواز دی اور پھر بالکونی کا دروازہ کھلا پا کر ادھر ہی آ گئی، جہاں عباس حیدر دونوں کہنیاں ریلنگ پہ ٹکائے سامنے سڑک پہ نظریں جمائے کھڑا تھا، آہٹ پہ مڑ کر ماہا کو دیکھا تو دھیمے سے مسکرا دیا۔

''بھائی! اگر آپ فارغ ہیں تو مجھے اور ماما کو ماموں کے ہاں لے چلیں۔'' ماہا کے کہنے پر اس نے ہاتھ موڑ کر گھڑی پہ ٹائم دیکھا، ڈیوٹی سے واپسی پر یہ گھنٹہ اب جم جانے کا تھا مگر ماہا کی فرمائش۔

''خیریت، آج کیا خاص ہے بھئی۔'' اس نے استفسار کیا۔

''کل شب برات ہے ناں تو اس لئے ہادیہ آپی کو چیزیں دینے جانی ہیں۔'' ماہا کے کہنے پر اس نے حیرت سے ماہا کو دیکھا۔

''کیوں بھئی، ہادیہ کیا شب برات پہ کھانے پینے کا اسٹال لگانے لگی ہے۔'' عباس حیدر کی بات پہ ماہا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ارے نہیں بھائی یہ دراصل رسم ہوتی ہے منگنی کے بعد خاص مواقع پہ لڑکے والے لڑکی کے لئے چوڑیاں کپڑے وغیرہ لے کر جاتے ہیں۔'' ماہا نے مدبرانہ انداز میں کہنا چاہا تو عباس حیدر نے کندھے اچکائے۔

''جو مرضی آئے رواج بنا لیتے ہیں ہمارے ملک میں، حالانکہ اسلام میں تو ایسی کوئی رسم نہیں ہے۔'' عباس کی بات پہ ماہا نے شرارت سے سر اٹھایا۔

''آپ خرچے کی وجہ سے کہہ رہے ہیں، بتاؤں گی میں ہادیہ آپی کو۔'' ماہا کی بات پہ عباس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''تمہاری ہادیہ آپی ڈی آئی جی ہیں جو مجھے ڈرا وا دے رہی ہو، خیر خرچے کی بات نہیں میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔'' عباس نے ماہا کے انداز میں کہتے ہوئے بات ختم کی۔

''چلیے تو پھر ہمیں چھوڑ آئیں پہلے ہی کافی ٹائم ہو گیا ہے۔'' ماہا کے کہنے پہ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''او کے تم چلو میں آ رہا ہوں۔'' بالوں میں برش کرتا گاڑی کی چابی اٹھائے وہ باہر نکل آیا، نیچے آیا تو ماہا اور ماما تیار کھڑی تھیں۔

''تم بھی چلو ناں عباس۔'' ماہا نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔

''نہیں ماما، مجھے ابھی جم جانا ہے اس کے بعد ایک دوست کی طرف جانا ہے کافی عرصے بعد اس سے ملاقات ہو گی۔'' عباس کے کہنے پر انہوں نے خفگی سے اسے گھورا۔

''کبھی تو تھوڑا ٹائم ہمیں بھی دے دیا کرو، ہر وقت بھاگ دوڑ، مصروفیت۔'' انہوں نے گلہ کیا تو عباس نے محبت بھرے انداز میں انہیں دونوں کندھوں سے تھام لیا۔

''ماما اب ایسے تو نہ کہیں جب بھی ٹائم ملتا ہے آپ کے پاس ہی ہوتا ہوں۔'' اس نے محبت سے کہا۔

''بس رہنے دو تم، جتنا وقت تم ہمارے ساتھ گزارتے ہو اچھی طرح سے علم ہے مجھے۔'' زاہدہ بیگم نے پیار بھری خفگی سے کہا اور اس سے

پہلے کہ عباس کچھ بول پاتا ماہا فوراً بیچ میں کود پڑی۔

''اوہو...... ماما...... بس کریں اب نہ تو بھائی مانیں گے نہ ہی آپ پھر فائدہ، ایسا نہ ہو کہ ماموں کے گھر جانے کا پروگرام کینسل ہو جائے۔'' ماہا کے یاد دلوانے پر زاہدہ بیگم بھی سر ہلاتی چادر اوڑھنے لگیں۔

''ارے ہاں چلو عباس ہمیں جلدی سے چھوڑ آؤ واپسی پہ بھائی خود چھوڑ جائیں گے اور اگر کوئی انتظام نہ ہوا تو تمہیں کال کر دوں گی ٹھیک ہے۔'' ان کے کہنے پر عباس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اگر ماموں گھر نہ ہوئے یا کوئی اور مسئلہ ہوا تو فون کر دیجئے گا میں پک کر لوں گا۔''

گاڑی کا دروازہ کھولتے اس نے کہا تو زاہدہ بیگم سر ہلاتی گاڑی میں بیٹھ گئیں جبکہ ماہا پہلے سے ہی بیٹھ چکی تھی، عباس نے اپنی سیٹ سنبھالتے گاڑی اسٹارٹ کی اور چوکیدار کے پہلے سے وا کیے گیٹ میں سے زن سے نکال کر لے گیا۔

☆☆☆

''السلام علیکم تایا جی!'' کالج یونیفارم میں تیار کھڑی ام اسوہ نے اندر داخل ہوتے چوہدری اکبر کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام کہاں کی تیاری ہے۔'' انہوں نے اچنبھے سے اسے دیکھا اور ام اسوہ کو گیٹ تک خدا حافظ کہنے آئی ہوئی خدیجہ بیگم نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

''وہ بھائی جی اسوہ کا آج پریکٹیکل ہے ناں آپ کو پتا تو ہے بس دو گھنٹے کا پرچہ ہے پھر اس کے بعد سیدھی گھر اور میری بچی ایف ایس سی کر لے گی اور بھائی جی میں نے اسوہ سے پوچھ لیا ہے، جاؤ اسوہ تم دیر ہو رہی ہے۔'' انہوں نے جلدی جلدی بات کرتے آخر میں چوہدری اکبر کے مطلب کی بات کر کے ان کا دھیان ہٹایا اور اسوہ کو تیزی سے باہر کھڑی گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا جو ان کے کہنے پہ ڈرائیور باہر نکالے کھڑا تھا۔

''ہوں تو کیا کہا پھر اسوہ نے؟'' چوہدری اکبر بے دھیانی میں اسوہ کی طرف دیکھتے خدیجہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اس نے کہا ہے کہ جو آپ کو مناسب لگے اسے وہی فیصلہ منظور ہوگا جو آپ دونوں بھائیوں کی باہمی مشورے سے ہوگا۔''

''ہوں چلو پھر آج اصغر آتا ہے تو فائنل بات کرتے ہیں اور پھر ویاہ کی تیاری کرو تم لوگ ان کڑیوں کے تو ہزاروں بکھیڑے ہوتے ہیں اچھا ہے وقت پہ سب تیار ہو۔''

چوہدری اکبر کہتے اندر کی طرف بڑھ گئے اور خدیجہ بیگم آنکھ میں آئی نمی غیر محسوس انداز میں صاف کرتیں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں، ان کے لب مسلسل ورد کر رہے تھے اور دل ایک انجانے خدشے کے تحت معمول سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا، یا اللہ میری بچی کی حفاظت فرمائیں مولا، انہوں نے اندرونی خلفشار سے نظریں چرا کر دعا کی اور بے چینی سے کمرے کے چکر کاٹنے لگیں۔

☆☆☆

''ماہا پلیز مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' ماہا جیسے ہی کالج میں داخل ہوئی ام اسوہ نے بغیر سلام دعا کے اس کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے درختوں کی قطار کے پیچھے لے گئی جہاں وہ پہلی نگاہ میں کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھیں۔

''خیریت ام اسوہ، ایسی کیا افتاد آن پڑی جو تم یوں بغیر سلام دعا کے اور باقی سب کہاں

ہیں؟'' ماہا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئی ہوں اور تمہارا یہیں کھڑے ہو کر انتظار شروع کر دیا۔'' اسوہ نے اس کے سوالوں کے جواب دیئے۔

''ماہا میں تم سے ایک دوست کی حیثیت سے اگر مدد مانگوں تو کیا تم میری مدد کرو گی؟'' ام اسوہ کے غیر متوقع سوال پہ ماہا نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''ہاں ضرور اگر میرے لئے ممکن ہوا تو ہر طرح سے تمہاری مدد کروں گی انشااللہ، کیا آج پریکٹیکل کی تیاری نہیں تمہاری؟'' ماہا کے جواب پہ ام اسوہ دھیرے سے مسکرائی۔

''یہ تو ایک عام سا پریکٹیکل ہے ماہا جبکہ مجھے اپنے ایک اور امتحان میں تمہاری مدد چاہیے، زندگی کے امتحان میں۔'' ام اسوہ کے جواب پہ ماہا ناسمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھے گئی اور ماہا کے کچھ نہ پوچھنے پہ ام اسوہ نے خود ہی اسے دھیرے دھیرے تمام احوال کہہ سنائے اور اس کی باتیں سن کر ماہا گم صم گویا سکتے کی سی کیفیت میں آ گئی۔

''اوہ مائی گاڈ تم پچھلے دو سال سے یہ اذیت سہہ رہی ہو اور ہمیں بتانا تک گوارا نہیں کیا؟'' ماہا بے ساختہ چیخی تھی۔

''دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے ماہا، ہمیں جب اپنوں کا ہی یقین نہیں تھا تو پھر کسی اور پر کیا بھروسہ کرتے اور پھر ہماری نئی نئی دوستی تھی میں کیسے کسی پہ اعتبار کر لیتی۔'' آنکھوں میں آئی نمی جھٹکتے ہوئے ام اسوہ نے جواب دیا تو ماہا سر ہلا کر رہ گئی۔

''چلو خیر کوئی بات نہیں اب یہ بتاؤ مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتی ہو؟'' ماہا نے کہا تو ام اسوہ نے ایک لمحے کا توقف کیا۔

''ماہا تمہارے بھائی پولیس میں ہیں اگر وہ میری کوئی مدد کر سکیں؟ لیکن یہ سب کچھ آف دی ریکارڈ ہو گا، کیونکہ اگر میرے تایا کو بھنک بھی پڑ گئی تو آئی جی تو کیا وہ بڑے سے بڑے آفیسر کے ذریعے سے تمہارے بھائی کو پریشرائز کر سکتے ہیں، لیکن اگر میں کچھ عرصے تک تمہارے گھر میں روپوش ہو جاؤں تو کسی کو بھی شک نہیں گزرے گا، میری اور تمہاری دوستی کے بارے میں کوئی نہیں جانتا اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو بھی تمہارے بھائی کچھ تو معاملہ سنبھال ہی لیں گے۔'' ام اسوہ نے کہا تو ماہا نے گہری سانس بھری۔

''ہوں مجھے تو بظاہر اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آ رہی تھی لیکن مجھے یہ سب بھائی سے پوچھنا پڑے گا شاید وہ ہمیں کوئی بہتر مشورہ دے سکیں۔'' ماہا کے کہنے پہ اسوہ نے سنجیدگی سے اسے ایک نظر دیکھا۔

''ماہا تمہیں یقین ہے ناں کہ تمہارے بھائی عام پولیس آفیسرز کی طرح سے نہیں ہیں ایسا نہ ہو کہ میرے تایا کے دباؤ میں آ کر وہ مجھے تایا کو واپس دے آئیں، اگر ایسا ہوا تو یقین کرو وہ ایک لمحہ نہیں لگائیں گے مجھے قتل کرنے میں کیونکہ ایک معقول وجہ ان کے ہاتھ آ جائے گی۔'' ام اسوہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں اسوہ ایسا بالکل نہیں ہو گا میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں لیکن تم اطمینان رکھو میرے بھائی ایک بہت ایماندار آفیسر ہیں اور پھر میرے حوالے سے تم انہیں بھی عزیز ہو گی۔'' ماہا کے تسلی دینے پہ اسوہ کچھ پرسکون ہو گئی، تھوڑی دیر میں سندس، ردا اور کنزا بھی آ گئیں تو وہ سب باتوں میں مشغول ہو گئیں پریکٹیکل کے اختتام پہ ردا اور کنزا تو اپنی وین پہ چلی گئیں، جبکہ سندس، ماہا کے گھر جانے کا پروگرام بنائے بیٹھی تھی، ماہا ان دونوں کو باتوں میں مشغول چھوڑ کر باہر گئی اور

تھوڑی دیر بعد جب اس کی واپسی ہوئی تو ہاتھ میں کسی کے بھٹے تھے جو اس نے ایک ایک ان دونوں کو پکڑا دیا۔

''سندس پلیز ذرا کینٹین سے بوتلیں تو پکڑ لا۔'' ماہا نے سندس سے کہا تو وہ سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی سندس کے جاتے ہی ماہا نے تیزی سے اپنے بیگ سے اپنی چادر نکال کر ام اسوہ کو تھمائی۔

''باہر کالے رنگ کی گاڑی کھڑی ہے پولیس ہوٹر والی یہ چادر اوڑھو اور بھائی کو جا کر ساری بات بتاؤ، میں نے انہیں بتایا تو وہ کہنے لگے کہ وہ تم سے بھی کچھ سوال جواب کرنا چاہتے ہیں، وہ خود ہی تمہیں بتائیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے، میں سندس کے ساتھ رکشے میں گھر چلی جاؤں گی، جلدی کرو سندس آنے والی ہو گی۔'' ماہا کے تیزی سے کہنے پر وہ بھی جلدی جلدی چادر اوڑھتی باہر نکل آئی جہاں عباس حیدر گاڑی کا دروازہ کھولے اس کا منتظر تھا، اسوہ کے بیٹھتے ہی اس نے ایک گہری نظر اسوہ پہ ڈالی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پہ لے آیا۔

''جی مس مجھے ماہا نے آپ کے بارے میں بتایا ہے، لیکن میں آپ سے بھی سب جاننا چاہوں گا۔'' عباس حیدر کے کہنے پر ام اسوہ نے دھیرے دھیرے اسے ساری بات کہہ سنائی۔

''لیکن آپ دونوں ماں بیٹی قانونی مدد کیوں نہیں حاصل کرتیں، اگر آپ کو شک ہے کہ آپ کے تایا آپ کے والد کے اغواء میں ملوث ہیں تو پھر آپ کو ان پہ مقدمہ درج کروانا چاہیے۔'' عباس حیدر کے کہنے پہ اسوہ نے آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''امی کا خیال ہے کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو وہ کہیں بابا کو نقصان نہ پہنچائیں یا پھر مجھے؟ بس اسی ڈر سے اور یہی حقیقت ہے وہ لوگ جائیداد کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں اگرچہ امی نے کہا تھا کہ سب جائیداد لے لیں لیکن مجھ سے شادی والی بات رہنے دیں، مگر اس پہ تایا نے امی کو اچھی خاصی دھمکیاں دی تھیں، آپ پلیز مجھے کچھ دنوں کے لئے اپنے گھر پناہ دے دیں ہو سکتا ہے کہ میری گمشدگی کی صورت میں وہ میرے بابا کو رہا کر دیں اور پھر بابا ساری جائیداد ان کے حوالے کر کے مجھے خاموشی سے آپ کے گھر سے لے جائیں گے۔'' ام اسوہ نے منت بھرے لہجے میں کہا تو عباس حیدر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''لیکن یہ تو ایک مفروضہ ہے ناں ضروری تو نہیں آپ کے بابا انہوں نے ہی قید کیے ہوں اور اگر ایسا ہی ہو تو پھر بھی خدانخواستہ آپ کے بابا کو وہ......'' عباس حیدر نے بات ادھوری چھوڑ دی، مگر ام اسوہ کی تڑپ نے جتلا دیا کہ وہ اس کا مفہوم سمجھ گئی ہے۔

''اللہ نہ کرے ایسا ہو اور اگر ہوا بھی تو بھی آس تو ختم ہو جائے گی ناں، حقیقت لاکھ تلخ سہی مجھے ہر حال میں اس کا سامنا تو کرنا ہی ہے۔'' اسوہ کی بات پہ عباس اسے دیکھ کر رہ گیا اتنی چھوٹی سی عمر میں یہ لڑکی کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار تھی، اس لمحے اسے جی بھر کے ان لوگوں پر غصہ آیا تھا جو اس معصوم کی خوش رنگ آنکھوں میں اداسی اور خوف پھیلانے کا سبب بنے تھے، اگر اس کا بس چلتا تو وہ شاید انہیں زندہ درگور کر دیتا کہ ایسے لالچی لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا لیکن وہ قانون کا رکھوالا تھا اور قانون کی پاسداری اس کا اولین فرض۔

''چلیں ٹھیک ہے پھر ایسا بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں لیکن معذرت کے ساتھ میں آپ کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا کیونکہ تفتیش کی صورت میں

ماہا کی آپ سے دوستی سامنے آجائے گی۔" عباس کی بات پہ اسوہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور بے ساختہ بول اٹھی۔

"میرے واپس جاتے ہی میرا نکاح کر دیا جائے گا اور میرے فرار کے سارے راستے بند ہو جائیں گے۔" اسوہ کے کہنے پہ عباس دھیرے سے مسکرایا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ واپس چلی جائیں بلکہ میں اپنے ایک دوست کے گھر آپ کو چھوڑ آؤں گا وہ بھی میری طرح ایس پی ہیں اور ہیں بھی لڑکی آپ کو وہاں رہنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔" عباس کے کہنے پہ اسوہ کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی اور وہ اثبات میں سر ہلاتی رخ موڑ گئی جبکہ عباس نے فون نکال کر عروہ کی گھر میں موجودگی کی تصدیق کی اور پھر گاڑی کا رخ عروہ کے گھر کی طرف موڑ دیا۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم بے چینی سے کمرے کے چکر کاٹ رہی تھیں، ام اسوہ کو گھر سے گئے چار گھنٹے ہو گئے تھے اور اب تک اسے گھر واپس پہنچ جانا چاہیے تھا اور اگر پلان کے مطابق وہ ماہا کے ساتھ جا چکی تھی تو پھر اسے فون تو کر دینا چاہیے تھا جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ان کی پریشانی بڑھ رہی تھی، ٹھیک آدھے گھنٹے بعد ان کے ہاتھ میں پکڑے موبائل نے وائبریٹ کرنا شروع کر دیا انہوں نے تیزی سے سبز بٹن دبا کر فون کان سے لگایا۔

"ہیلو۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"امی۔" اسوہ کی آواز نے ان کے اندر توانائی بھر دی۔

"میری جان۔" خدیجہ بیگم کے منہ سے بمشکل نکل سکا اور دوسری طرف اسوہ بھی ماں کی کیفیت سمجھ گئی تھی جبھی دھیرے دھیرے انہیں عباس حیدر سے کی گئی ساری باتیں اور آخر میں عروہ کے ہاں ٹھہرنے کا بتایا ابھی اسوہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھی کہ اچانک چوہدری اکبر کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آنے لگیں انہوں نے تیزی سے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو کھول کر سم نکالی اور بیٹری دوبارہ موبائل میں ڈال کر موبائل دراز میں پھینک دیا اور خود تیزی سے واش روم کی طرف بڑھ گئیں، سم کے دو ٹکڑے کر کے اسے فلش میں بہا دیا اور خود باہر آ کر کمرے سے باہر نکلی ہی تھیں کہ چوہدری اصغر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"ام اسوہ کہاں ہے؟" ٹھنڈے لہجے میں پوچھے گئے سوال نے ان کی ریڈھ کی ہڈی میں سنسناہٹ جگا دی۔

"ک...... ک...... کالج ...... گئی ہے...... کیوں...... خیریت؟" باوجود کوشش کے بھی ان کی زبان لڑکھڑا سی گئی، ان کی بات ادھوری ہی رہ گئی کیونکہ چوہدری اصغر کے بھاری ہاتھ کا تھپڑ پوری شدت سے ان کے گال پر پڑا اور وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئیں، تکلیف کی شدت سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"الو کی پٹھی، وہ حرامزادی کالج میں نہیں ہے پچھلے دو گھنٹوں سے ڈرائیور وہاں کھڑا خوار ہو رہا تھا اور وہ منحوس اسے چکما دے کر بھاگ گئی، بتا کہاں بھیجا ہے تو نے اسے؟" خدیجہ بیگم کو بالوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے چوہدری اصغر نے پوچھا تو خدیجہ بیگم کے ساتھ ساتھ ثمینہ کی بھی چیخیں نکل گئیں۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے کچھ پتا نہیں مجھے تو اس نے خود کہا تھا کہ جس سے چاہیں اس کی شادی کر دیں، کہیں میری اسوہ اغواء......" خدیجہ بیگم کی بات چوہدری اصغر کے جھٹکے سے بال چھوڑنے پہ پھر ادھوری رہ گئی تھی۔

"کوئی اغواء نہیں ہوئی تمہاری بیٹی، ضرور اپنے کسی یار کے ساتھ بھاگ گئی ہو گی لیکن تم یاد رکھنا چھوڑوں گا تو میں بھی نہیں اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا، اتنی کروڑوں کی زمین ہمارے پرکھوں کی نشانی یوں وہ نیچ کسی اور کی جھولی میں ڈال دے یہ چوہدری اصغر کی غیرت گوارا نہیں کر سکتی، چاہے بیوہ کر کے ہی سہی ایک بار تو ضرور اسے اپنے بیٹے کی دولہن بناؤں گا اور اس کے بعد اگر میرا غیرت مند پتر اسے گولی بھی مار دے تو بھی کوئی اسے کچھ نہیں کہہ سکتا اور تم دیکھنا اس کے ساتھ ہو گا بھی یہی......" چوہدری اصغر منہ سے کف اڑاتا اپنی بات کہہ کر باہر کی طرف چلا گیا جبکہ خدیجہ بیگم وہیں زمین پہ بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں اور ثمینہ بیگم انہیں گلے سے لگائے خاموشی سے تھپکے جا رہی تھیں کہ اک حرف تسلی بھی تو ان کے دامن میں نہ تھا وڈیروں کی بیٹیاں وڈیروں کے طور طریقے اچھے سے جانتی تھیں اب اسوہ کی واپسی گویا اس کی موت ہی تو تھی۔

"یا اللہ میں نے تیرے آسرے پہ اتنا بڑا رسک لیا ہے میرا میرے شوہر اور میری بیٹی کی حفاظت فرمائیں مولا۔" پھوٹ پھوٹ کر روتے انہوں نے دل ہی دل میں اپنے پیاروں کی خیریت کی دعا مانگی۔

☆☆☆

"کرم داد...... کرم داد......" چوہدری اصغر کی زوردار آواز پہ کرم داد بھاگتا بھاگتا اس کے پاس آیا۔

"جی سائیں...... حکم......" دونوں ہاتھ جوڑے۔

"اس کی آنکھوں پہ پٹی باندھو اور اسے بکھیر روڈ تک چھوڑ آؤ، آگے سے خود ہی گھر پہنچ جائے گا۔" چوہدری اصغر غیر متوقع بات سن کر کرم داد حیران رہ گیا، چوہدری اصغر اور کسی اغواء شدہ کو رہا کرے؟

"جی سائیں!" حیرت کی زیادتی سے اس کی آواز کپکپا گئی۔

"اوئے اک واری کا کہا ہوا تجھے سمجھ نہیں آتا جا جلدی کر اسے پہنچا کر آ۔" چوہدری اصغر کے غصے سے کہنے پر کرم داد تیزی سے اندر کی طرف مڑ گیا۔

"صحیح کہتے ہیں ہاتھی مرا بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے، اب بیٹی کی یاریوں کے قصے سنے گا تو خود ہی غیرت کے مارے زمینیں ہمارے نام کر دے گا پھر دونوں باپ بیٹی جائیں بھاڑ میں ہماری بلا سے۔" مونچھوں کو تاؤ دیتے چوہدری اصغر نے خود کلامی کی اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا آج پورے دس دن بعد جب تمام تر کوشش کے باوجود بھی اسوہ کا کچھ پتا نہ چل سکا تو چوہدری اصغر نے چوہدری اکبر سے مشورہ کر کے چوہدری احمد حسن کو رہا کر دیا تھا تا کہ اسوہ کی غیر موجودگی کو غلط رنگ میں پیش کر کے تمام زمینیں ہتھیا لیں اور برداری کی ذلت و خواری سے بھی بچت ہو جاتی، چوہدری اصغر نے بہت سوچ سمجھ کر بساط بچھائی تھی اور اب اپنی جیت کا منتظر تھا۔

☆☆☆

"چلو سائیں۔" کرم داد نے دروازے کے دونوں پٹ وا کرتے چوہدری احمد کو باہر نکلنے کا عندیہ دیا۔

"کیا مطلب، تم نے کر لیا انتظام؟" چوہدری احمد نے سوال کیا۔

"نہیں سائیں اس کی تو نوبت ہی نہیں آئی چوہدری اصغر نے خود ہی آپ کو بکھیر روڈ چھوڑنے کا کہا ہے۔" کرم داد کے کہنے پر چوہدری احمد

نے پرسوچ انداز میں سر اٹھایا۔
"لیکن...... کیوں......؟" کرم داد نے چوہدری کے سوال پر لاعلمی میں کندھے اچکائے۔
"کیا کہہ سکتا ہوں سرکار، شاید ان کا مقصد پورا ہو گیا ہو، ورنہ چوہدری اصغر اور بندہ چھوڑ دے، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ تو تڑپا تڑپا کے مارنے کا قائل ہے آپ سے رشتہ داری کا لحاظ کر گیا شاید۔" کرم داد کی بات پہ چوہدری احمد تڑپ اٹھے۔
"نہیں۔" سر کو نفی میں ہلاتے انہوں نے زور سے کہا۔
"او میرے خدا کہیں انہوں نے اسوہ کی شادی اپنے نکموں میں سے کسی کے ساتھ تو نہیں کر دی۔" چوہدری احمد نے ماتھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔
"ہو سکتا ہے سائیں ایسا ہی ہو۔"
"لیکن یہ تو آپ کو گھر جا کر ہی پتا لگے گا ناں، اللہ سب خیر کرے سائیں پر سائیں ہے تو آپ مشکل میں پریشانی میں لیکن مجھ نمانے کی عرض یاد رکھنا اللہ نے اگرچہ خود ہی چوہدری اصغر کے دل میں آپ کے لئے رحم ڈال دیا ہے لیکن پھر بھی کوشش کر کے چند لاکھ میں اگر مجھ غریب کو اس گناہوں کی دلدل سے نکال دو تو تمام عمر دعائیں دوں گا۔" کرم داد کے کہنے پہ چوہدری احمد نے گہری سانس بھری۔
"تم کاغذات بنواؤ کرم داد میں تمہارا تمام خرچہ اٹھاؤں گا، حالات خواہ کچھ بھی ہوں تم سے کیا وعدہ ضرور نبھاؤں گا۔" چوہدری احمد نے کرمداد کو جواب دیتے باہر کی طرف قدم بڑھائے تو کرم داد بھی اس کے ساتھ ہو لیا، راستے بھر ان میں کوئی بات چیت نہ ہوئی تھی چوہدری احمد اپنی سوچوں میں گم تھا اور کرم داد نے اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا، گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو چوہدری احمد کی سوچوں کو بھی بریک لگ گیا، انہوں نے آنکھوں پر بندھی پٹی کھولی اور گاڑی سے باہر نکلنے لگے۔
"سائیں اللہ آپ کی مشکل آسان کرے اور آپ کی دھی کو ہر مصیبت سے بچائے۔" کرم داد نے دل سے دعا دی، چوہدری احمد اس کے خلوص پہ دل ہی دل میں مشکور ہوئے۔
"سنو کرم داد اپنا موبائل نمبر مجھے دے دو میں نیا موبائل لے کر تم سے ضرور رابطہ کروں گا۔" چوہدری احمد کے کہنے پہ کرم داد نے جلدی سے سامنے پڑی کاپی اٹھائی اور نمبر لکھ کر چٹ پھاڑی اور چوہدری احمد کی طرف بڑھا دی، چوہدری احمد نے چٹ جیب میں رکھ کر ہاتھ ہلایا اور کالونی کی طرف جانے والے راستے کی طرف مڑ گیا، تقریباً تین منٹ بعد وہ اپنے گھر کے سامنے تھا۔

☆☆☆

"ارے سائیں آپ، کہاں تھے آپ جی، دونوں بیبیوں نے تو رو رو کر کوئی کسر نہ چھوڑی، شکر سائیں آپ مل گئے جی۔" گیٹ پہ اونگھتے چوکیدار نے جیسے ہی چوہدری احمد کو دیکھا تیزی سے اس کے پاس آ کر بے ربط الفاظ میں بولا خوشی کے مارے اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ کون سی بات پہلے کرنی ہے اور کون سی بعد میں، چوہدری احمد نے دھیرے سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔
"سائیں بڑا عرصہ بڑی بی بی اور چھوٹی بی بی نے آپ کا انتظار کیا اور پھر بڑے سائیں انہیں اپنے ساتھ گاؤں لے گئے، کہ جب آپ آؤ گے تو دونوں بیبیاں بھی گھر آ جائیں گی۔" چوکیدار کے تفصیلاً بتانے پہ وہ سر ہلاتے اندر کی طرف بڑھ گئے۔
ٹھنڈے پانی کا جگ اور گلاس لئے چوکیدار کی بیوی شیداں فوراً باہر آئی اور تقریباً اپنے میاں کے ہی الفاظ میں خوشی کا اظہار کیا۔
"سائیں آپ نہا کر کپڑے بدل لو میں اتنے میں آپ کے لئے کھانا پکا دیتی ہوں، آپ بتاؤ آپ کا کیا کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔" شیداں کی بات پہ چوہدری احمد نے نفی میں سر ہلایا۔
"نہیں شیداں میں بس نہا کر گاؤں چلا جاؤں گا تم زحمت مت کرو۔" چوہدری احمد بات کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے اچھی طرح نہا کر کپڑے بدل کر باہر آئے اور سائیڈ ٹیبل کی دراز سے گاڑی کی چابی نکالی، ان والٹ شناختی کارڈ اور دوسرے وزیٹنگ کارڈز اندر ہی موجود تھے، لیکن نہ تو چیک بک تھی اور نہ ہی اے ٹی ایم کارڈ۔
"خدیجہ نے سنبھال لئے ہوں گے۔" خود کلامی کے انداز میں کہتے انہوں نے والٹ جیب میں رکھا اور باہر نکل آئے انہیں گاؤں پہنچنے کی جلدی تھی، وہاں کی صورتحال سے وہ زیادہ دیر بے خبر رہتے تو یقیناً انہیں کچھ ہو جاتا ان کی عزیز از جان بیٹی اور بیوی اس وقت کس مشکل میں گرفتار تھیں وہ اس حقیقت سے جلد باخبر ہو کر اس مشکل سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کرنا چاہتے تھے راستے بھر انجانے وسوسوں نے انہیں گھیرے رکھا، ایسے میں وہ کب گاؤں پہنچے انہیں خود بھی معلوم نہ ہو سکا۔

☆☆☆

"اُف...... عروہ اب جلدی سے آ جاؤ، پچھلے ایک ہفتے سے اس اضافی ڈیوٹی نے تھکا دیا ہے مجھے۔" عباس حیدر خود کلامی کے انداز میں کہتا آگے بڑھا اور دروازے پہ دستک دی، ہمیشہ کی طرح آج بھی ام اسوہ نے دروازہ کھولا تھا بنا پوچھے اور اب ادھ کھلے دروازے میں کھڑی عباس حیدر کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرائی اور فوراً سلام کیا۔
"السلام علیکم!"
"وعلیکم السلام! تمہیں کیا الہام ہوتا ہے کہ یہ میرے آنے کا ٹائم ہے؟" عباس نے بھی مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا تھا، اچانک کسی طرف سے دھیمی روشنی نے ایک پل کو انہیں فوکس کیا اور اگلے ہی پل نیم تاریکی چھا گئی، عباس نے چونک کر سامنے دیکھا، لیکن وہاں کوئی نہ تھا تیز قدموں سے تقریباً بھاگتے ہوئے اس نے اپنا شک دور کرنا چاہا لیکن مطلوبہ جگہ پہ کوئی نہ تھا اور نہ ہی قریب میں کوئی نظر آیا تھا، جبھی عباس واپسی کے لئے مڑ گیا اور حیران کھڑی ام اسوہ کو ایک طرف کرتا اندر داخل ہو گیا، یہ جانے بغیر کہ اس کے پیچھے دروازہ بند ہوتے ہی سامنے والے فلیٹ کا دروازہ کھلا تھا اور کوئی بہت تیزی سے وہاں سے رفو چکر ہوا تھا۔
"خیریت ہے کیا ہوا، اس طرح سے کیوں بھاگے آپ؟" ام اسوہ نے پریشانی سے پوچھا تو عباس نے نفی میں سر ہلایا۔
"نہیں...... کچھ نہیں...... تم بتاؤ کوئی پریشانی وغیرہ تو نہیں، ویسے عروہ پرسوں تک آ جائے گی آج تو اس وقت ان کی منگنی کی تقریب ہو رہی ہو گی۔" گھڑی پہ نگاہ دوڑاتے اس نے کہا۔
"آپ میری وجہ سے نہیں گئے ناں حالانکہ آپ کی اتنی دوستی ہے عروہ آپی سے۔" اسوہ نے شرمندگی سے کہا۔
"ارے نہیں، بلکہ مجھے آف نہیں مل سکا، ایک ہی ڈویژن میں، دو دو ایس پی چھٹی پہ چلے

جائیں، تو پھر تو کام ہو گیا۔" ہلکے پھلکے انداز میں عباس نے کہا تو نہ چاہتے ہوئے بھی ام اسوہ ہنس پڑی۔

"اچھا تمہارے لئے ایک اچھی خبر ہے ابھی ایک گھنٹہ پہلے تمہارے بابا گاؤں والی حویلی پہنچ گئے ہیں۔" عباس حیدر کے کہنے پہ ام اسوہ گویا اچھل پڑی۔

"کیا...... تھینک گاڈ، اس کا مطلب ہے کہ اب میں جلد ہی اپنے امی بابا کے ساتھ ہوں گی۔" خوشی کے مارے ام اسوہ کی آواز کپکپا گئی اس کے انداز پہ عباس دھیمے سے مسکرا دیا۔

"انشا اللہ...... ایسا ہی ہوگا۔" نرمی کے کہتے وہ اٹھ کھڑا ہوا اس کا ذہن ابھی تک اس فلش والی بات میں الجھا ہوا تھا، جبھی ام اسوہ کے بارہا روکنے پہ بھی معذرت کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے عباس صاحب آپ اتنی جلدی جا رہا ہے۔" عروہ کو ملازم نفیسہ خاتون ہاتھوں میں چائے کی ٹرے اٹھائے باہر نکلیں تو بے ساختہ بول اٹھیں۔

"نفیسہ خاتون، آپ کی چائے ادھار رہی، پھر آ کر پی لوں گا بلکہ ساتھ میں عروہ کی منگنی کی مٹھائی بھی کھاؤں گا۔" نفیسہ خاتون سے وعدہ کرتا وہ باہر کی طرف بڑھ گیا، دروازے تک پہنچ کر اچانک واپس مڑا تو اس کے پیچھے اسے خدا حافظ کہنے آنے والی اسوہ بھی رک گئی۔

"تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" اسوہ کی طرف متوجہ ہوتے اس نے سوال کیا۔

"نہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں شکریہ، آنٹی ماہا اور سندس کیسی ہیں؟" ام اسوہ نے جواب دیتے اپنی دوستوں کا پوچھا تھا۔

"دونوں ٹھیک ہیں، ماہا بھی تمہیں بہت یاد کرتی ہے اکثر تمہارے بارے میں پوچھتی رہتی ہے امی کو بھی بہت فکر تھی تمہاری اس بات پہ کافی ناراض ہوئیں کہ تمہیں یہاں کیوں رکھا اپنے ہی گھر میں ٹھہرا لیتے لیکن پھر میرے سمجھانے پہ مان گئیں، وہ بار بار کہہ رہی تھیں کہ اسوہ کو کہنا پریشان نہ ہو اللہ تعالٰی ضرور بہتری کرے گا، فون کرنے اور ملنے کو بے چین تھیں لیکن میں نے احتیاط کے باعث منع کر دیا۔" عباس حیدر نے تفصیلاً تمام احوال کہہ سنایا۔

"میں بھی انہیں بہت یاد کرتی ہوں اب میرے بابا آ گئے ہیں تو انشا اللہ جلد ہی مجھے یہاں سے لے جائیں گے تب ضرور آؤں گی آپ کے گھر ماہا اور آنٹی سے ملنے اور شکریہ ادا کرنے اور سندس کے ہاں بھی جاؤں گی آپ کی منگنی کے بعد سے تو اب ہادیہ آپی سے بھی آشنائی ہو گی ہے بہت نائس ہیں وہ، آپ کا کپل ایک پرفیکٹ کپل ہو گا۔" ام اسوہ بات کرتے کرتے رکی تھی، اگرچہ اب عباس حیدر اور اچھا لگنے لگا تھا لیکن ہادیہ سے منگنی کے بعد وہ کسی کی امانت تھا خود عباس اسے چھوٹے بچوں کی طرح ٹریٹ کرتا تھا ایسے میں دل میں پنپتی محبت کو دل میں ہی دبائے اس نے ہادیہ اور عباس کے بارے میں بڑے حقیقت پسندانہ کمنٹس دیئے تھے، اس کی تعریف پہ عباس بے ساختہ مسکرایا۔

"تعریف کا شکریہ، اچھا اب مجھے اجازت اللہ حافظ۔" الوداعی کلمات کہتے عباس حیدر واپسی کے لئے مڑ گیا تو ام اسوہ نے بھی دروازہ بند کیا اور اندر کی طرف بڑھ گئی، اپنے گھر واپس جانے کا خوش کن احساس اسے مسحور کیے دے رہا تھا۔

☆☆☆

"مے آئی کم ان؟" اطلاعی دستک کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھلا اور مشہود رضا نے اندر جھانک کر رسمی انداز میں پوچھنے کا فریضہ ادا کیا اور اندر چلا آیا۔

"آؤ آؤ مشہود بیٹھو، کہو کیا کام، ویسے پولیس کے بارے میں اتنے مزے کی خبر عوام کو بڑی اچھی لگے گی۔" سامنے کرسی پہ بیٹھے فواد خان نے مسکراتے ہوئے کہا تو مشہود رضا گہری سانس بھر کر کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"او سر جی یہ تو معاملہ ہی کچھ اور نکلا ہے، اپنے پولیس والے اور کوئی رومینٹک خبر عوام کی جھولی میں ڈالیں، ناممکن۔" مشہود رضا نے مایوس انداز میں کہا تو فواد خان چونک کر آگے جھک آیا۔

"ہونا کیا ہے سر جی، میں تو سمجھا تھا کہ مس عروہ اور اپنے عباس حیدر کے درمیان کوئی چکر وکر ہے اور دونوں جلد ہی کسی بندھن میں بندھے نظر آ رہے تھے لیکن یہ سب ظاہری طور پہ تھا اصل میں تو وہ لڑکی ہی اور نکلی، یہ دیکھیں تصویر۔" مشہود رضا نے اپنا ڈیجیٹل کیمرہ فواد خان کی طرف بڑھایا۔

"اوئے یہ کیا چکر ہے بھئی؟" فواد خان نے تصویر دیکھتے حیرت سے کہا، ایس پی عباس حیدر ایک ادھ کھلے دروازے کے سامنے تھا اور دروازہ نیم وا کیے لڑکی کا سائیڈ پوز نظر آ رہا تھا اگرچہ پہلی نظر میں لڑکی کی پہچان مشکل تھی لیکن اس کے خدوخال سے یہ واضح تھا کہ وہ لڑکی ایس پی عروہ قطعاً نہ تھی۔

"میں نے مزید تحقیقات کیں تو پتا چلا کہ یہ لڑکی ایس پی عباس حیدر ہی لے کر یہاں آیا تھا اور عروہ کے ہاں ٹھہرائی ہوئی ہے، اس کے علاوہ ایس پی اسفند یار بھی پچھلے دنوں کافی چکر لگاتا رہا ہے مس عروہ کے گھر کے، میری سمجھ سے تو معاملہ باہر ہے۔" کندھے اچکاتے مشہود رضا نے کہا تو فواد خان نے زور سے ٹیبل پہ ہاتھ مارا۔

"اور سمجھ سے باہر بھی کچھ ہوا ہے ہم صحافیوں کے لئے صاف سیدھی بات ہے کہ عیاشی کا اڈہ بنایا ہوا ہے ان افسروں نے اس جگہ کو ابھی تک یہ ایک لڑکی ہے جو تصویر میں نظر آئی ہے نجانے اور کتنی ہوں گی چلو لگاؤ خبر چٹ پٹی سی بنا کر اگر لگ گئی تو تیر نہ لگی تو تکا، خبر کے آخر میں سوالیہ انداز بنا کے پوچھو کہ اصل حقیقت کیا ہے، قانون کے رکھوالے عوام کی عزت کی حفاظت کرنے والے کیا کرتے پھر رہے ہیں جواب دیں؟ بس دیکھنا تم کیسی تھرتھلی مچ جائے گی اگر کوئی مضبوط دفاعی جواب آ گیا تو معذرت کر لیں گے اللہ اللہ خیر صلہ۔" فواد خان نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے گویا بات ختم کی صدر، چیف جسٹس اور اعلیٰ افسران کے پرخچے اڑانے والے ان نجی نیوز چینلز کے لئے عام ایس پیز کے بارے میں کچھ کہنا کیا مشکل تھا، ہاں مشکل تھی تو ان کے لئے جن کی کردار کشی ہونے جا رہی تھی اور جو اعلیٰ افسران کی عدالت میں پیش ہونے والے تھے۔

عباس حیدر، ام اسوہ، عروہ اور اسفند یار کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ اگلے چند گھنٹوں میں ان کی زندگی کس بڑے اسکینڈل سے مشکلات میں پڑنے والی تھی اس کا انہیں قطعاً اندازہ نہ تھا۔

☆☆☆

"احمد بھائی، آپ......؟" رضوانہ بھابھی نے احمد حسن کو گاڑی سے اتر کر حویلی میں داخل ہوتے دیکھا تو بے ساختہ چلا اٹھیں، ان کی آواز سن کر اردگرد سے بے ساختہ کئی چہرے سامنے ابھرے اور انہیں اپنے سامنے پا کر حیران رہ گئے۔

"خدیجہ چاچی، احمد چاچو آ گئے ہیں۔" ایمن اونچی آواز میں چلاتی خدیجہ بیگم کے کمرے

کی طرف بڑھی تھی اور اس کی آواز سن کر خدیجہ خاتون جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئیں۔

''تو میرا شک صحیح نکلا، الٰہی ہمیں اس مشکل سے نکال مولا، میری بچی کے آسامیاں پیدا فرما۔'' ان کے دل سے بے ساختہ ام اسوہ کے لئے دعائیں نکلی تھیں، ایمن کے ساتھ وہ بھی باہر آ گئیں جہاں رضوانہ اور ثمینہ بھابھی، ایمن اور خادمائیں احمد کو گھیرے بیٹھی تھیں۔

''کہاں تھے احمد آپ اتنے عرصے تک؟'' ثمینہ بھابھی نے سوال کیا تو چوہدری احمد حسن نے ایک نظر ان کے چہرے پہ ڈالی اور بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

''پتا نہیں بھابھی کون لوگ تھے شاید کسی اور شخص کے مغالطے میں مجھے اغواء کر لیا تھا جب پتا چلا تو چھوڑ دیا۔'' احمد حسن نے دھیمے لہجے میں جواب دیا اور پھر چند ایک باتوں کے بعد سب ادھر ادھر ہو گئے ثمینہ اور رضوانہ بھی کھانا پکوانے کی غرض سے کچن میں چلی گئیں، جبکہ ایمان کی کسی کزن کا فون آ گیا تو وہ فون سننے چل دی، اب اتنے بڑے صحن میں خدیجہ اور احمد اکیلے رہ گئے، مرد حضرات گھر سے باہر تھے۔

''آپ کو بھائی جی نے اغواء کروایا تھا ناں احمد؟'' سرگوشی میں پوچھے گئے سوال پہ احمد حیران رہ گئے۔

''تمہیں کیسے پتا؟'' انہوں نے الٹا سوال کیا۔

''ہم وڈیروں میں یہ کون سا نئی بات ہے، دولت اور جائیداد کے لالچی باہر سے نہیں آتے خود اپنے ہی قریبی عزیز ہوتے ہیں، مجھے اسی لئے ان پہ شک ہوا تھا اور میں نے اسوہ کو ساتھ ملا کر ایک چھوٹا سا ڈرامہ کیا جس کے نتیجے میں آپ ہمارے سامنے ہیں۔'' خدیجہ کی بات پہ چوہدری احمد چونک پڑے اسوہ کی غیر موجودگی سے وہ یہ سمجھے تھے کہ وہ کالج گئی ہوئی ہے لیکن خدیجہ کے انداز سے لگتا تھا کہ بات کچھ اور ہے۔

''اسوہ کہاں ہے، خدیجہ؟'' انہوں نے بے ساختہ اسوہ کا پوچھا اور جواب میں محتاط انداز سے ادھر ادھر دیکھتے خدیجہ بیگم نے انہیں تمام کتھا کہہ سنائی۔

''احمد ہماری بیٹی اس وقت محفوظ ہاتھوں میں ہے آپ ان کے مطالبات مان کر جان چھڑائیں اور پھر ہم اپنی بیٹی کو یہاں سے لے کر دور کسی دوسرے ملک جا بسیں گے۔'' خدیجہ بیگم کے کہنے پہ احمد حسن نے بے ساختہ اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

''اف تم عورتوں کی جذباتیت، تمہیں پتا ہے کہ اب یہ لوگ اسوہ کی کردار کشی کس طرح سے کریں گے۔'' احمد حسن نے خفگی بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

''معذرت کے ساتھ احمد مجھے اپنی بیٹی کی سلامتی اور خوشیاں زیادہ عزیز ہیں آپ کی اس نام نہاد عزت سے، زیادہ سے زیادہ یہ لوگ آپ کے حصے کی جائیداد ہی اپنے نام کروائیں گے ناں تو کروانے دیں میری تمام جائیداد آپ کا بزنس اور بینک میں پڑا لاکھوں روپیہ ہمارے لئے کافی ہے، ہم اپنی بیٹی کی سلامتی کے صدقے میں یہ جائیداد اس سے وار کر پھینک سکتے ہیں پلیز احمد ایسا کچھ نہیں ہو گا جیسا آپ سوچ رہے ہیں لوگ بہت جلد اس بات کو بھول جائیں گے اور جب ہم شفٹ ہی بیرون ملک ہو جائیں گے تو پھر یہ قصہ یہیں رہ جائے گا۔'' خدیجہ بیگم کے التجائی انداز پہ احمد حسن بے ساختہ گہری سانس بھر کر رہ گئے۔

''پتا نہیں کیسے لوگ ہیں وہ...... ہم تمہیں یوں انجانے لوگوں میں اسوہ کو نہیں بھیجنا چاہیے تھا

خدیجہ۔'' احمد نا چاہتے ہوئے بھی اپنا خدشہ کہہ گئے۔

''انجان نہیں ہیں احمد وہ دو سال سے ہم انہیں جانتے ہیں اور لڑکے کی ماں بہن سے بھی میں ملی ہوں سلجھی ہوئی شریف فیملی ہے آپ تسلی رکھیں اور بس اب یہاں سے جان چھڑوائیں اور خدارا کسی کو بھی شک مت پڑنے دیجئے گا کہ آپ اپنے مجرموں کو جانتے ہیں احمد میرے لئے آپ اور اسوہ دونوں کل کائنات ہیں؟'' خدیجہ بیگم نے احمد حسن کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس طرح تو یہ اور شیر ہو جائیں گے مجھے کم از کم باتوں باتوں میں تو انہیں جتلانا ہی ہو گا کہ مجھے اغواء کروانے والے کون ہیں؟'' احمد حسن نے کہا تو خدیجہ بیگم تڑپ اٹھیں۔

''نہیں احمد آپ پہلے کی طرح لاعلم ہی محسوس کروائیے گا خود کو جیسے بھابھی کو کہا تھا اور یہ یاد رکھیں کہ ہمیں ہر قیمت پہ یہاں سے جانا ہے خواہ کوئی بھی بہانہ بنائیں، ہماری بیٹی کی پاکدامنی پہ شک بھی مت کیجئے گا جب ہمیں خود معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے احمد تو پھر...... باقی کیا رہ جاتا ہے۔'' خدیجہ بیگم نے جب گواہ کے طور پہ اللہ کو شامل کیا تو احمد حسن کی رہی سہی مزاحمت بھی دم توڑ گئی، وہ شک کا بیج جو احمد حسن کے رشتہ داران کے دل میں بوتے خدیجہ بیگم نے اس کو پنپنے سے پہلے ہی نکال باہر کیا تھا اور ہوا بھی یہی، چوہدری اکبر اور چوہدری اصغر نے پہلے تو احمد کی واپسی پہ مصنوعی خوشی کا اظہار کیا اور پھر اسوہ کے عمل پہ اظہار افسوس کرتے اپنی غیرت کی باتیں کرنے لگے۔

''اسوہ میری منگ تھی چاچو، اس نے میری غیرت کو للکارا ہے۔'' سلمان مونچھوں کو تاؤ دیتا بولا تو چوہدری احمد کا دل چاہا کہ اس کا منہ نوچ لیں لیکن خدیجہ بیگم کے ہلکے ہاتھ کے دباؤ نے انہیں مصالحت آمیز رویہ اپنانے پہ مجبور کر دیا، آج اگر میرے بھی جوان بیٹے ہوتے تو میں دیکھتا کہ یہ کیسے مجھے آنکھیں دکھاتے ہیں اک پل کو احمد حسن کے دل میں خیال آیا تھا اور دوسرے پل اس کو جھٹکتے وہ سلمان کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن ابھی وہ کچھ کہہ نہ پائے تھے کہ چوہدری اکبر بول پڑے۔

''احمد حسن اگرچہ تمہارا دکھ بڑا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ اب پنچائیت کی رو سے تمام جائیداد کا وارث سلمان ہی بنتا ہے۔'' چوہدری احمد حسن نے بغور انہیں دیکھا۔

''بھائی جی، آپ سے کب میں نے ام اسوہ کے رشتے کے سلسلے میں ہاں کی تھی؟ آپ نے دست سوال ضرور پھیلایا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔'' احمد حسن کے جواب پہ وہاں موجود تمام افراد چونک پڑے ثمینہ، رضوانہ اور خود سلمان بھی جسے یہی بتایا گیا تھا کہ اسوہ اس کی منگیتر ہے۔

''تمہارے نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے احمد جب یہ طے ہے کہ ہم لوگ جائیدائیں غیر خاندان میں نہیں جانے دیتے تو اپنے پرکھوں کی اس روایت کو تم کیسے ختم کر سکتے ہو، تنویر یا سلمان کیسی ایک سے ہی تمہاری بیٹی کو بیاہا جانا تھا تو اب پھر یہ آنا کانی کیوں؟ تمہاری بیٹی جو گل کھلا چکی ہے اس کے بعد بھی اگر تم چاہو تو ہم اسے ڈھونڈ کر اپنے بیٹے سے بیاہنے کو تیار ہیں۔'' چوہدری اصغر ایک دم گرج کر بولے تھے، احمد نے گہری سانس بھر کر اپنے غصے کو کنٹرول کیا۔

''میری بیٹی کی بات رہنے دیں بھائی صاحب آپ کو اصل مسئلہ زمینوں کا ہے تو میں آپ کو اپنی جائیداد لکھ کر دینے کو تیار ہوں میں

اسوہ کو عاق کرتا ہوں اور اپنی جائیداد میں سے آدھی تنویر اور سلمان کے نام کرنے کو تیار ہوں، میری جائیداد میں سے خدیجہ کے نام جو کچھ ہے وہ میں کسی صورت واپس نہیں لوں گا اور رہا اسوہ کے نام کچھ جائیداد کا ہونا تو وہ قانوناً ان کی ملکیت کے لئے جب کیس دائر کرے گی تو میں خود ہی اس سے نپٹ لوں گا۔“

احمد کے جواب پہ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا بیٹھے بٹھائے اچھی خاصی جائیداد ہاتھ لگنے لگی تھی انہیں اور کیا چاہیے تھا، لیکن پھر بھی کچھ اور پانے کی چاہ میں چوہدری اصغر بول ہی پڑے۔

”پھر بھی احمد تم سوچ لو اگر اسوہ سال چھ ماہ بعد واپس آ کر سلمان سے شادی پہ تیار ہو جائے تو ہم مان جائیں گے۔“ چوہدری اصغر کی بات سے سلمان نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں ابو جی ام اسوہ کو بھی پتا تو چلے کہ اتنی دولت اور جائیداد کو اور مجھ جیسے وڈیرے کو انکار کر کے وہ کسی ٹٹ پونجیے کے ساتھ کیسے گزارا کرتی ہے، اچھا ہے ساری زندگی جوڑ توڑ میں گزارے۔“

چوہدری سلمان کو اپنی ماموں زاد پسند تھی اور اب جبکہ خود اسوہ نے اس کو موقع دیا تھا تو وہ کیوں گنواتا جبکہ تھوڑی بہت غیرت وہ دکھا چکا تھا اب مزید کچھ کہنا خود کو پھنسانے کے مترادف تھا جبھی وہ صاف ہاتھ جھاڑتے ایک طرف ہو رہے، سلمان کے کہنے پہ خدیجہ بیگم اور احمد حسن نے سکھ کی سانس لی، اگر سلمان اپنی غیرت کا مسئلہ بناتے اسوہ کو ڈھونڈنے اور پھر جان سے مارنے کی بات کرتا تو بھی کچھ نیا نہ تھا کہ یہ تو عام بات تھی لیکن شکر خدا کا کہ وہ صرف دولت کا لالچی نکلا اور ہڈی ملنے پہ دم ہلاتا ایک طرف ہو رہا تھا،

باقی کی کارروائی محض دو چار روز میں نمٹا کر وہ دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس حویلی سے نکل آئے تھے اور اب کی بار انہیں کسی نے بھی نہیں روکا تھا۔

☆☆☆

”آج ہمارا بھی کوئی بیٹا ہوتا تو خدیجہ جو ہمیں یوں بزدلی سے بھاگنا نہ پڑتا۔“ احمد حسن نے دکھ سے کہا تو خدیجہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”کیسی باتیں کرتے ہیں احمد یہ بزدلی نہیں وقت کا تقاضا ہے اور احمد ہم سب جب ایک ساتھ ہیں تو ان زمینوں کی کیا اوقات، ہماری بیٹی ہی ہمارا اصل اثاثہ ہے اگر خدانخواستہ آپ کو یا اسوہ کو کچھ ہو جاتا اور یہ زمینیں ہمارے پاس رہتیں تو پھر ہم ان کا کیا کرتے؟ مجھے ان کا غم نہیں اب بس اسوہ سے رابطہ کرنا ہے اور وہیں اسے مل آئیں گے گھر لانے کی ضرورت نہیں آپ ہم تینوں کے پاسپورٹ بنوائیں اور جلد از جلد یہاں سے نکلیں ان لالچیوں کا کچھ پتا نہیں کہ مزید کے لالچ میں کچھ اور ہی نہ کر بیٹھیں۔“ خدیجہ کی بات پہ سر ہلاتے احمد حسن خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرنے لگے، دونوں اپنی اپنی جگہ اسوہ کو ہی سوچ رہے تھے اور اس سے ملنے کے لئے بے چین تھے۔

☆☆☆

عباس حیدر کچھ دیر قبل ہی گھر پہنچا تھا اور ابھی فریش ہو کر باتھ روم سے نکلا ہی تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا، موبائل پہ عروہ کالنگ جگمگا رہا تھا۔

”ہیلو۔“ بالوں میں ہاتھ چلاتے اس نے موبائل دوسرے ہاتھ سے کان سے لگایا۔

”ہیلو عباس، کہاں ہو؟“ عروہ نے بعجلت پوچھا۔

”ابھی ابھی گھر پہنچا ہوں کیوں خیریت......؟“ عباس نے پوچھا۔

”خیریت کے بچے ذرا ٹی وی لگاؤ اور دیکھو، ہم لوگوں کے متعلق کیا بکواس کی جا رہی ہے کیریئر کے شروع میں ہی اس قسم کے سکینڈل ہمیں کہاں لے جائیں گے وہ سب ایک طرف بلکہ میرے ابا کو اپنی کمشنری اور اسفند کے ابا اور چچاؤں کو اپنی بیورو کریسی پہ اٹیک لگ رہا ہے۔“ عروہ کے تپے تپے لہجے میں کہی گئی بات نے عباس کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

”ایسا کیا ہے ٹی وی پہ ان کے متعلق جوان کے ساتھ ساتھ ان کے بڑوں کے لئے بھی باعث شرمندگی تھا۔“ عباس نے سوچتے سوچتے عروہ کا بتایا ہوا نیوز چینل لگایا اور خود اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے غصے اور تاسف سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

کل رات کے فلش والا عقدہ اب کھلا تھا اس پہ ایک لمحے کو تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کچھ اٹھا کر ٹی وی کو ہی دے مارے لیکن یوں کرنے سے کیا یہ خبر چلنا رک جاتی، اس جیسے عزت و کردار پہ جان دینے والے انسان کے لئے یوں اس طرح سے اپنے ہی وقار اور کردار کی دھجیاں بکھرتے دیکھنا بہت مشکل تھا، ابھی وہ اپنا آئندہ کا لائحہ عمل بھی سوچ نہ پایا تھا کہ اسفند کی کال آ گئی۔

”کہاں ہو عباس؟“

”گھر پہ ہی ہوں۔“ اسفندیار کے استفسار پہ اس نے جواب دیا۔

”چلو ٹھیک ہے پھر میں تمہارے گھر ہی آ جاتا ہوں۔“ اسفند نے کہہ کر کال ڈسکنیکٹ کر دی اور تھوڑی دیر بعد وہ اس کے کمرے میں موجود تھا۔

”ابا کو شوکاز مل بھی چکا ہے کہ وضاحت دیں اور وہ مجھ پہ چڑھ دوڑے ہیں کہ تم اور عباس دونوں الو کے پٹھے ہو، بغیر کسی رشتہ داری کے خواہ مخواہ کی ہمدردی جتانا کتنا مہنگا پڑا ہے اب بھگتو اس سب کو۔“ اسفند کی بات پہ عباس کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

”کتنی بڑی غلطی ہو گی ہم سے اور کچھ نہیں تو رپورٹ ہی درج کروا دیتے تو اور تحفظ کے خیال سے یہاں رکوانے کا بہانہ مل جاتا۔“ عباس کے کہنے پر اسفند نے بغور اسے دیکھا۔

”یہی تو ابا کہہ رہے ہیں کہ تم لوگوں سے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہوتے ہوئے اس بے وقوفی کی امید ہرگز نہ تھی اور بقول ابا اس کا صرف ایک ہی حل ہے۔“

”وہ کیا؟“ عباس فوراً بول اٹھا۔

”تم ام اسوہ سے نکاح کر لو۔“ اسفند نے گویا دھماکا کیا تھا عباس حیدر بیٹھے سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

”دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا یہ بھلا کس طرح ممکن ہے ایک تو وہ مجھ سے اتنی چھوٹی ہے عمر میں اور دوسرے میری منگنی ہو چکی ہے۔“ عباس کی بات پہ اسفند نے گہری سانس بھری۔

”عباس ٹھنڈے دماغ سے سوچو تو اس کا صرف یہی حل ہے، دوسری صورت میں تم، میں اور عروہ تو رگیدے ہی جائیں گے، عروہ کے ابا اور میرے ابا خوامخواہ زد میں آئیں گے، پولیس ڈیپارٹمنٹ ہو یا بیورو کریسی تمہیں اچھی طرح سے پتا ہے کہ یہاں ہر کوئی دوسرے کی ٹانگ کھینچتا ہے ایسے میں اتنے گھٹیا الزامات کے بعد ہم اپنی پیٹیاں تو اتروائیں گے ہی ساتھ میں ان کے لئے بھی مصیبت کھڑی کر دیں گے اور رہی ام اسوہ تو اس کا بھی تو سوچو ناں یار وہ بیچاری اس بدنامی کے بعد کہاں قابل قبول رہے گی کسی اور

مرد کے لئے۔" اسفند کے کہنے پہ عباس گم صم کھڑا رہا اس نے بولنے کے لئے الفاظ ڈھونڈنا چاہے لیکن وہ تو جیسے گم ہو گئے۔

"عباس، یہ سب کیا ہے؟ ابھی ابھی تمہارے ماموں کا فون آیا ہے، ہادیہ نے رو رو کر آسمان سر پہ اٹھا لیا ہے اور اس رشتے سے بھی انکار کر دیا ہے، میرا دل نہیں مانتا عباس مجھے سچ بتاؤ ورنہ میرے دماغ کی نس پھٹ جائے گی۔" بے تحاشا بہتے آنسوؤں کے ساتھ زاہدہ بیگم دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی سراپا احتجاج تھیں۔

"امی وہ لڑکی ام اسوہ ہے۔" عباس نے دھیمے لہجے میں کہا ہادیہ اور ماموں کی بے اعتباری نے گویا اسے مار ہی تو دیا تھا اور اس سے پہلے کہ جان سے پیاری ماں بھی بے اعتبار ہوتی وہ فوراً بولا تھا اور اس کے کہنے پہ زاہدہ بیگم حیران رہ گئیں۔

"میرے خدا، لوگ کیسے کیسے رنگ دیتے ہیں باتوں کو، وہ بے چاری معصوم بچی اس نے کسی کا کیا بگاڑا تھا جو یوں اس طرح سے اسے تماشا بنا دیا، میں ابھی جا کر تمہارے ماموں کو ساری حقیقت بتاتی ہوں۔" زاہدہ بیگم واپسی کے لئے مڑیں۔

"نہیں امی مجھے اپنی بے گناہی کے اشتہار نہیں لگوانے جنہیں ایک عمر میرے ساتھ بتا کر بھی میرے کردار کی پاکیزگی پہ شک ہے وہ مدتوں بھی یونہی بے اعتبار رہیں گے اور مجھے اپنے رشتے کی بنیاد اتنے بودے جذبات پہ نہیں رکھنی، اچھا ہوا انہوں نے خود ہی انکار کر دیا ورنہ اگر ہمیں کرنا پڑتا تو آپ کو خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانا پڑتی۔" عباس کی بات پر زاہدہ بیگم ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگیں تو اسفند نے انہیں تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔

"اب اس کا واحد حل عباس کا ام اسوہ سے نکاح کر لینا ہی ہے آنٹی۔" اسفند کی بات پہ زاہدہ بیگم پتھرائی سی کھڑی رہ گئیں، بیٹے کو سلاخوں کے پیچھے دیکھنے کی ان میں ہمت نہ تھی اور اس کی بے گناہی اور پاکیزگی کی کوئی گواہی ان کے پاس نہ تھی اور کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ نیم رضامندی کی کیفیت میں سر ہلاتی پاس رکھے صوفے پہ بیٹھ گئیں۔

"ٹھیک ہے جو تم لوگ مناسب سمجھو لیکن اسوہ کے والدین......؟"

"وہ لوگ گھنٹہ بھر پہلے ہی اپنے گھر واپس آ چکے ہیں۔" سامنے دیوار کی دیکھتے عباس نے بتایا تو زاہدہ بیگم فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم مجھے ان کے گھر لے چلو میں خود انہیں ساری بات بتا کر سمجھانے کی کوشش کروں گی کیونکہ بہرحال آخری فیصلہ تو انہی کا ہو گا ناں۔"

ان کی بات پہ عباس سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا تو اسفند نے بھی اس کی پیروی کی اور اس میٹنگ کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد عباس حیدر کا نکاح ام اسوہ سے کر دیا گیا، ایک ماہ پہلے کی تاریخ ڈال کر اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد عروہ، عباس اور اسفندریار نے پریس کانفرنس کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ ان پر لگائے گئے الزامات بے بنیاد تھے، اسفندریار اور عروہ کی منگنی کی تقریب میں بڑے بڑے بیورو کریٹس اور پولیس کے اعلیٰ افسران شامل تھے سو ان کی منگنی کے گواہ کافی تھے جبکہ عباس حیدر اور ام اسوہ کے کردار کی گواہی ان کے نکاح نامے نے دی ایسے میں فواد خان نے سارا ملبہ مشہود رضا پہ ڈالتے معافی مانگ لی اور مشہود رضا دفتری خرچے پہ پندرہ دن کے لئے سنگاپور چھٹیاں منانے چلا گیا یہ آف دی ریکارڈ تھا کیونکہ

آن دی ریکارڈ مشہود رضا کو نوکری سے برخاست کر دیا گیا تھا، پندرہ دن بعد معاملہ ٹھنڈا ہو جاتا تو مشہود رضا بھی نئے سرے سے تازہ دم ہو کر کسی اور کی خبر تلاشنے سرگرم ہو جاتا، کیونکہ موجودہ پاکستانی میڈیا یونہی سوچے سمجھے بغیر ہر کسی کی ذات کے بخیے ادھیڑنے میں مصروف تھا۔

☆☆☆

شام کے دھندلکے ہر طرف پھیلے تھے کھڑکی کے کھلے پٹ سے اندر آتی ہوا بار بار ام اسوہ کے چہرے پہ بالوں کی لٹیں بکھرا جاتی اور وہ ایک ہاتھ سے انہیں کان کے پیچھے اڑستی حیرت زدہ سی وہیں کب سے کھڑکی میں کھڑی تھی، اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ امی اور بابا کے ملنے کے ساتھ ساتھ اس عباس حیدر بھی بلا شرکت غیرے مل چکا تھا۔

"کیا دل میں چھپی خواہشیں یوں بھی تعبیر کا روپ دھارتی ہیں؟" سرسراتی ہوا سے گویا اس نے سوال کیا تھا اور اس کے جواب پہ ایک نم جھونکا شرارت سے اس کے چہرے سے ٹکراتے بوگن ویلیا کے کئی پھول بھی اس پہ نچھاور کرتی ہوا نے گویا اس کے سوال کا مثبت انداز میں جواب دیا تھا، ہوا کی گدگداتی شرارت نے بے ساختہ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

"اسوہ، مبارک ہو رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے۔" خدیجہ بیگم نے اندر داخل ہوتے ہوئے اطلاع دی اور آگے بڑھ کر اسوہ کو گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

"میری بیٹی کے لئے کتنا بابرکت ثابت ہوا ہے یہ مہینہ اللہ نے اتنا قابل اور خوبصورت شخص اس کا مقدر بنایا ہے۔" اسوہ کو ساتھ لگائے وہ بیڈ تک چلی آئیں اور ہاتھ تھام کر اسے سامنے بٹھا لیا۔

"تم خوش ہو ناں اسوہ، عباس تمہیں اچھا لگا ناں؟" خدیجہ بیگم نے انجانے خدشے کے تحت پوچھا تھا، جس بچی کی خوشیوں کے لئے ان میاں بیوی نے اتنی تکلیفیں سہی تھیں وہ اگر اب بھی ناخوش رہتی تو ان کی اتنی جدوجہد بے کار تھی، ام اسوہ نے ان کی بات کا جواب دینے کی بجائے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ شرما کر سر جھکا لیا تو خدیجہ بیگم بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"اللہ تمہیں صدا خوش رکھے میری بچی، تمہارے بابا کہہ رہے تھے کہ عید تک کوشش کر کے وہ ہمارا ویزا لگوا دیں گے، میرا دل اب یہاں نہیں لگتا اسوہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تمہارے تایا کچھ کر کرا نہ دیں۔"

"ارے واہ بیگم صاحبہ ایک پولیس آفیسر کی ساس بن کر بھی آپ یوں ڈر رہی ہیں پھر تو بات ہی ختم ہو گئی، موت برحق ہے اور اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا آپ اللہ پہ بھروسہ رکھیں وہ انشاءاللہ ہماری مدد کرے گا سمجھیں۔" اندر داخل ہوتے احمد حسن نے خدیجہ بیگم کی آخری بات سن لی تھی جبھی مسکراتے ہوئے کہا تو اسوہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اٹھ کر احمد حسن کے گلے میں جھول گئی۔

"بالکل امی بابا ٹھیک کہتے ہیں اور مجھے کہیں نہیں جانا یہیں رہنا ہے اور ڈاکٹر بننا ہے سمجھیں آپ۔" اسوہ نے محبت بھری دھونس سے جواب دیا۔

"یہ تو اب عباس پہ منحصر ہے کہ وہ تمہیں ڈاکٹر بنتا ہے یا ہاؤس وائف۔" خدیجہ نے اسے چھیڑا تو ایک پل کو اسوہ منہ بسور کر رہ گئی، کیونکہ وہ بھی حقیقتاً عباس کے فیصلے کی ہی منتظر تھی پھر فیصلہ جو بھی ہوتا اس نے من و عن مان لینا تھا بغیر کسی ردوکد کے اس کے انداز پہ خدیجہ بیگم اور احمد حسن دونوں ہنس پڑے تھے۔

"میں خود اپنی بیٹی کی سفارش کروں گا عباس

سے اور یقیناً وہ مان لے گا۔" احمد حسن نے اسوہ کو بازو کے گھیرے میں لے کر کہا تو اسوہ چیخ اٹھی۔

"او بابا یو آر گریٹ۔" ان کے گال پہ بوسہ دیتے وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔

☆☆☆

"ماہا اب اٹھ بھی جاؤ ماما بلا رہی ہیں افطار کی تیاری کرواؤ جا کر ان کے ساتھ۔" عباس نے ماہا کا کندھا ہلا کر اٹھاتے ہوئے کہا، وہ ظہر کی نماز پڑھ کر سوئی تھی اور اب عصر بھی ہو چکی تھی لیکن ماہا کا اٹھنے کا کوئی موڈ نہ تھا۔

"اف ماہا تم کب بڑی ہو گی؟ گھنٹہ بھر سے کھپ رہا ہوں تمہارے ساتھ لیکن ایک تم ہو کر ٹس سے مس نہیں ہو رہی۔" بالآخر عباس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"کیا ہے ناں بھائی، اب طعنوں پہ کیوں اتر آئے ہیں، ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ آپ کی بیگم مردوں سے شرط باندھ کر سوتی ہیں۔" ماہا اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی تو عباس جو اسے اٹھتا دیکھ کر باہر نکلنے لگا تھا اس کی بات سنکر بے ساختہ واپس پلٹا۔

"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، تم مذاق کر رہی ہو ناں؟" بے ساختگی میں وہ بول گیا اور اس کے اس طرح بے ربط بولنے پہ ماہا بے تحاشا ہنسے گی، عباس کو دیر تک سونے سے چڑ تھی اور خود تو وہ بمشکل چھ سات گھنٹے کی نیند لیتا تھا لیکن اس کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ باقی بھی اتنا ہی سحر خیز ہوں جتنا کہ وہ خود جبکہ ماہا کی نیند دس گھنٹے سے پہلے پوری نہیں ہوتی تھی اور اگر اب ماہا کی بات ٹھیک تھی تو اس کا مطلب تھا کہ اسوہ اس سے بھی زیادہ سوتی تھی۔

"یعنی آدھا وقت تو وہ سونے میں ہی ضائع کر دے گی۔" عباس نے ماہا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سو تو ہے، لیکن اب کیا کیا جا سکتا ہے آپ کی بیگم ہیں جیسی بھی ہیں نبھانی تو پڑے گی، چچ...... چچ...... ویسے میری ساری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔" ماہا نے مصنوعی افسردگی سے کہا تھا لیکن عباس اس کے لہجے سے شرارت کا بھید پا چکا تھا جبھی مصنوعی خفگی سے ماہا کو گھورا۔

"ماہا......!" اس کے چلانے پہ ماہا نے ایک پل کو اسے جواباً گھورا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"جلدی نیچے آ جاؤ، ماما ناراض ہوں گی ورنہ۔" عباس کہتا باہر کی طرف لپکا تو ماہا بھی اس کے ساتھ ہو لی۔

"کیا فائدہ بھائی آپ کی شادی کا، ابھی بھی مجھے ہی کام کرنے پڑ رہے ہیں نہ نندوں والا رعب دکھا سکتی ہوں اور نہ ہی بھابھی سے فرمائشی کھانے پکوا سکتی ہوں کیونکہ وہ محترم بھی میری طرح کچن کی الف ب سے ناواقف ہیں۔" ماہا کے تاسف زدہ لہجے نے عباس کو مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"عباس، کل اگر فارغ ہو تو ہمارے ساتھ مارکیٹ چلنا اسوہ کے لئے عید کی شاپنگ کرنی ہے۔" خدیجہ بیگم بولتی ہوئی کچن سے باہر آئیں تو خود بخود موضوع گفتگو چینج ہو گیا اور عباس سر ہلاتا ان کے پاس آ بیٹھا۔

"ماما...... اسوہ کو بھی ساتھ لے لیں گے، کیوں بھائی کیا خیال ہے؟" ماہا نے شرارتی انداز میں کہا تو عباس نے کندھے اچکائے۔

"مرضی ہے تمہاری ویسے میں گاڑی بھجوا دوں گا۔"

"نہیں بھائی یہ فاؤل ہے اب تو آپ کا نکاح ہو چکا ہے اب کوئی ہرج نہیں ہے۔" ماہا نے جھکتے ہوئے کہا۔

"ماہا...... بچیوں کو اس طرح کا لہجہ اور باتیں زیب نہیں دیتیں۔" زاہدہ بیگم نے ماہا کو گھر کا۔

"سوری ماما؟" ماہا نے فوراً اچھے بچوں کی طرح سر جھکاتے ہوئے کہا اور کچن کی طرف بڑھ گئی، زاہدہ بیگم کی مزید ڈانٹ سننے سے بہتر تھا کہ وہ کچن میں جا کر کچھ بنا ہی لیتی۔

☆☆☆

رمضان اپنی تمام تر رحمتیں اور برکتیں نچھاور کرتا کب رخصت ہونے لگا معلوم ہی نہ ہو سکا طاق راتوں کو عبادت کرتی اسوہ کو یوں لگا جیسا ابھی کل ہی تو پہلا روزہ تھا اور اب آج اگر شوال کا چاند نظر آ جاتا تو یہ انتیسواں روزہ ہی آخری ہوتا اس مقدس ماہ کی رخصت پہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"نجانے اگلے سال یہ پل یہ دن نصیب بھی ہوں یا نہ۔" اپنی سوچوں میں گم وہ بیڈ پہ نیم دراز تھی جب ملازمہ نے مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی، خدیجہ بیگم کے بارہا اصرار پہ آج عباس اور اس کی فیملی کھانے پہ مدعو تھی اور ساتھ ہی زاہدہ بیگم اسوہ کی عیدی بھی لے کر آئی تھیں، سر پہ دوپٹہ جماتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے چلتی اندر آ گئی آہستگی سے سلام کرتی وہ ماہا اور زاہدہ بیگم کے قریب چلی آئی دونوں نے باری باری گلے لگا اور زاہدہ بیگم نے ماتھے پہ بوسہ دے کر پاس ہی بٹھا لیا اور ایک ایک چیز محبت سے دکھانے لگیں۔

"اگر کوئی چیز تمہیں پسند نہیں آ رہی تو بلا جھجک بتا دینا بیٹا چینج کر لیں گے۔" محبت سے کہتے انہوں نے چیزیں سمیٹ کر شاپر میں ڈالیں۔

"ارے نہیں آنٹی سب کچھ اتنا پیارا ہے اور آپ نے اتنی محبت سے خریدا ہے نا پسند کیوں ہونے لگا۔" سادگی سے کہتی ام اسوہ، عباس حیدر کی توجہ سمیٹتی چلی گئی، اس نے ایک بھرپور نظر اسے دیکھا اور پھر سے نظریں سامنے ٹی وی پہ جما دیں، احمد حسن نے اسے کمپنی دی تھی لیکن پھر کسی اور مہمان کے آ جانے پہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلے گئے تو عباس نے ٹی وی لگا لیا۔

یہ اور بات کہ اس کا دھیان بھٹک بھٹک کر اسوہ کی طرف ہی جا رہا تھا، روزہ کھلنے سے چند منٹ قبل سب ٹیبل کے گرد آ موجود ہوئے اور نماز مغرب کے بعد کھانا کھائے جانے کے ساتھ ہی گرما گرم چائے سب کے لئے آ چکی تھی، اسوہ اور ماہا اپنا کپ لئے باہر لان میں آ گئیں۔

"سندس کیسی ہے ماہا اور ہادیہ آپی، وہ تو بہت ہرٹ ہوئی ہوں گی۔" ام اسوہ نے ماہا کی طرف دیکھتے سوال کیا تھا۔

"ان لوگوں نے ہمارا بائیکاٹ کر دیا ہے بقول ہادیہ آپی، اتنا عرصہ پہلے بھائی نے نکاح کر کے انہیں دھوکا دیا ہے ان کے نزدیک بھائی نے کمٹمنٹ توڑی ہے۔" ماہا نے افسردگی سے بتایا۔

"ویسے میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ یوں ان کے درمیان آ ؤں گی مگر حالات ہی ایسے ہو گئے کے مجھے ہادیہ آپی پہ بہت افسوس ہوتا ہے ویسے تمہارے بھائی کو بھی وہ پسند تھیں ناں، ایسے نہیں میرا ساتھ، سنو ماہا...... اگر وہ...... بھی ہادیہ آپی کو پسند کرتے ہیں تو بے شک ان سے شادی کر لیں میں ان کی خوشی کے لئے راضی ہو جاؤں گی، بس مجھے بھی، مت چھوڑیں۔" چائے کا کپ میز پہ رکھے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے ام اسوہ نے اٹک اٹک کر کہا تھا۔

"پاگل ہو تم جو یوں ان کے لئے پریشان

ہو رہی ہو انہوں نے تو اپنے خالہ زاد سے پچھلے ہفتے منگنی کر لی اور اب عید کے بعد ان کی شادی بھی ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ عباس بھائی کی کوئی جذباتی وابستگی تھی ان کے ساتھ وہ تو ماں کے کہنے پہ راضی ہوئے تھے ہادیہ آپی سے منگنی کے لئے۔" ماہا نے اصل بات بتاتے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔

"ماہا تمہیں ماما اندر بلا رہی ہیں۔" عباس حیدر جو کچھ دیر پہلے ہی باہر آیا تھا اس نے ماہا سے کہا تو وہ اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"میں اسی لئے خود سے اتنی چھوٹی عمر کی لڑکی سے شادی کرنا پسند کرتا تھا یعنی کہ حد ہے بے وقوفی کی خود سے ہی اپنے اوپر سوکن لا بٹھانے کی بات کرنا۔" خفگی سے بھرپور لہجے میں عباس نے کہنے کے ساتھ ام اسوہ کو گھورا تھا اور ام اسوہ ہق دق اسے دیکھے گئی، عباس اس کی باتیں سن لے گا ایسا تو اس نے نہیں سوچا تھا۔

"وہ میں...... میں تو اس لئے کہہ رہی تھی کہ آپ کو ہادیہ آپی، پسند تھیں بہت......" اسوہ نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

"پسند تو مجھے بپاشا باسو اور پامیلا اینڈرسن بھی بہت ہیں اب لگے ہاتھ ان دونوں سے بھی شادی کی اجازت دے ہی دو تا کہ ایک ساتھ چار اکٹھی کرلوں۔" عباس نے سنجیدگی سے کہا تو ام اسوہ نا چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھے گئی۔

"اب یوں کیوں گھور رہی ہو صحیح تو کہہ رہا ہوں، جب ہم خود ہی اپنی جگہ چھوڑے ہیں تو دوسرا ہمارے حق کے لئے کیوں آواز بلند کرنے لگا پاگل، خود کو مضبوط بناؤ آخر کو اب ایس پی کی مسز ہو تم۔" بات کے اختتام پہ عباس نے شرارتی انداز میں کہا تو اسوہ نے شرماتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"میں یہ نہیں کہوں گا اسوہ کہ مجھے تم سے پہلی نظر کی یا طوفانی محبت ہو گئی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نکاح کے بعد سے تمہارے لئے اپنے دل میں نرم جذبات رکھنے لگا ہوں، ہادیہ سے منگنی امی کی خواہش تھی اور مجھے بھی اس میں کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی وہ پڑھی لکھی تھی، میچور تھی اور سب سے بڑھ کر با کردار تھی اور ایک مرد کو یہی خوبیاں اپنی بیوی میں چاہیے ہوتی ہیں، اگر آج حالات اس نہج تک نہ پہنچے ہوتے تو یقیناً ہادیہ کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزارتا لیکن نکاح کے بندھن نے میرے اور تمہارے دلوں کو ایک ساتھ دھڑکنا سکھا دیا ہے، باوجود اس کے کہ ہمارے درمیان عمروں کا بہت فرق ہے لیکن پھر بھی میں اسے نظر انداز کرنے کو تیار ہوں کیونکہ اب مجھے تم اچھی لگنے لگی ہو لیکن اگر تمہیں کوئی اعتراض۔" عباس کی بات ابھی ادھوری ہی تھی جب اسوہ ایک دم اسے ٹوک گئی۔

"نہیں تو......" اس کی بے ساختگی نے جہاں اسے ایک دم سے چپ کروا لیا تھا وہیں عباس کو مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"جانتا تو میں تھا، لیکن تمہارے منہ سے سننا اچھا لگا مجھے جو لڑکی میرے پاؤں کی آہٹ سے پہچان کر دروازہ کھول دیتی تھی وہ یقیناً اپنے دل میں میرے لئے خوبصورت خیالات ہی رکھتی تھی، کیوں صحیح کہہ رہا ہوں ناں میں۔" شرارتی انداز میں عباس نے پوچھا تو اسوہ مسکرا کر رخ موڑ گئی۔

"ویسے میرا خیال ہے کہ تم ابھی ذہنی طور پر کافی امیچور ہو اس لئے تمہیں میڈیکل پڑھ ہی لینا چاہیے تا کہ میں بھی اپنی میچور بیوی کے خواب کو پورا کر سکوں۔" عباس نے اسے بھرپور نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہیں سچی۔" ام اسوہ اچھل ہی تو پڑی اچھ

حسن نے کب عباس تک اس کی خواہش پہنچائی تھی وہ اس بات سے بے خبر تھی۔

"ہوں بالکل سچ میں خود بھی دو سال کی ٹریننگ کے لئے نامزد کر لیا گیا ہوں تو ایسے میں جب میں اگلے دو سال چائنہ میں گزارنے والا ہوں تو تم فارغ بیٹھ کر بجائے اس کے یہ سوچ کہ شاید میں کسی چائنیز حسینہ کا اسیر ہو گیا ہوں اور تمہیں اس کو بطور سوکن قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں اس سے بہتر ہے کہ تم میڈیکل کی موٹی موٹی کتابیں پڑھو اور میرے ساتھ مستقبل گزارنے کے خوب صورت اور سہانے خواب دیکھو۔" عباس نے سر ہلاتے پھر سے آخر میں اسوہ کو چھیڑا تھا۔

"اسوہ عباس بھائی چاند نظر آ گیا ہے کل عید ہو گی۔" ماہا دور سے ہی چلاتی ہوئی آئی تھی، اسوہ اور عباس نے ایک پل اسے دیکھا اور پھر سے ایک دوسرے کو دیکھتے "عید مبارک" کہا تھا، دونوں اپنے ایک ساتھ بولنے پہ خود ہی ہنس پڑے تھے اور ماہا عباس کے گلے میں جھولتی جوش و خروش سے اسے مہندی لگوانے کے لئے لے جانے پر اصرار کرنے لگی تھی۔

"اچھا بابا چلو تم لوگوں کو مہندی لگوا لاؤں۔" عباس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا تو ماہا اندر بتانے بھاگی تھی۔

"اور مجھے چوڑیاں بھی چاہیے آپ کی پسند سے۔" اسوہ نے دھیمے لہجے میں فرمائش کی تو عباس جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک جیولری باکس نکالا اور اسوہ کے سامنے کر دیا۔

"یہ کیا......؟" اسوہ کے کہنے پہ عباس نے ڈبیا کھول کر ایک خوبصورت بریسلٹ نکالا اور ہاتھ بڑھا کر اسوہ کی کلائی میں پہنا دیا۔

تمہارے لئے نکاح کے گفٹ کے طور پر لیا ہے اس وقت تو ایمر جنسی میں کچھ لے نہیں پایا تھا، اس کے ہاتھ کو ہونٹوں تک لے جاتے اس نے دھیمے سے کہا تھا اور اس کے لمس نے اسوہ کو کانوں کی لو تک سرخ کر دیا تھا عباس یک ٹک اس کے سلونے روپ کو دیکھے گیا جب اسوہ نے ہلکے سے ہاتھ چھڑوا لیا۔

"بھائی صرف مہندی نہیں چوڑیاں بھی چاہیں آپ کی بیگم کو بہت پسند ہیں۔" ماہا جیسے بھاگتے ہوئے گئی تھی اس طرح سے واپس آ گئی۔

"نہیں اب صرف ماہا چوڑیاں لے گی مجھے نہیں چاہیں۔" اسوہ نے اپنا بریسلٹ والا ہاتھ ماہا کے سامنے کرتے ہوئے کہا تو ماہا فوراً بریسلٹ تھام کر دیکھنے لگی۔

"واہ بھائی آپ تو چھپے رستم نکلے بہت پیارا ہے، بالکل آپ دونوں کی طرح۔" ماہا نے خلوص دل سے کہتے اسوہ کو گلے لگایا، تو اسوہ بھی تھینکس کہتی اس کے ساتھ لپٹ گئی، خوشیوں نے اس کے گھر کا رستہ دیکھ لیا تھا، محبت دھنک رنگ اوڑھ کر اس کے چار سو پھیل گئی تھی اور وہ پورے دل سے اپنے رب کا شکر ادا کرتی گاڑی کی طرف بڑھ گئی کہ اب اس کی خوشیوں کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

خالدہ نثار

کھڑکی کے کھلے پٹ سے چپکی زیب اور مشی اور دروازے میں آدھی اندر اور آدھی باہر والی حالت میں کھڑی فضہ بتول کے چہرے سے جھلکتے تجسس اور بے چینی کے برعکس اس کا گلابی چمکتا چہرا بنا کوئی احساس ظاہر کیے اس وقت حالت سکون میں تھا، حنا تازہ شمارہ ہاتھ میں لئے وہ پوری پوری اس میں کھوئی ہوئی تھی، اس وجہ سے اردگرد کے ماحول سے بھی بے نیاز تھی،

کمرے میں موجود باقی لڑکیوں کے چہروں پر سامنے سے آتی صبا کو دیکھ کر ذرا سکون آیا تھا اور ساتھ ہی اس سے سب کچھ جلدی جلدی جاننے بلکہ اگلوانے کی بھی جلدی تھی۔

''بمباسٹک قسم کی نیوز ہے یار!'' کمرے کے اندر قدم رکھتے ہی اس نے اعلان کیا تھا، پھر فضہ بتول کو مکمل اندر کھینچ کر دروازہ بند کیا تھا، ایشاع نے بھی ہاتھ میں موجود رسالہ ساتھ رکھی

ناولٹ

تپائی پر رکھا اور صبا کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''اب بک بھی چکو۔'' صبا کا ڈرامائی خاموشی کا وقفہ طویل ہوا تو اس نے جمائی لیتے ہوئے بے زاری سے پوچھ بھی لیا تھا۔

''تو بالآخر پچھلے چند روز سے جاری خفیہ میٹنگز کا نتیجہ سامنے آ چکا ہے۔'' ایشاع کے برابر صوفے پہ بیٹھتے اس نے تمہید باندھی تھی۔

''اچھا کیا؟'' لڑکیوں کا مارے تجسس کے برا حال تھا۔

''اوہوں۔'' صبا نے گلا صاف کیا۔

''جی تو معزز سامعین، وہ کہاں ہیں؟'' مشی نے حیرت سے آس پاس دیکھا۔

''کون؟'' فضہ بتول نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے پوچھ بھی لیا تھا۔

''معزز سامعین!'' وہ معصومیت سے بولی تھی۔

"تمہیں کیا ہے ایڈیٹ۔" صبا نے ماتھا پیٹا۔
"او...... اچھا۔" مشی نے سکون کا سانس لیا تھا۔
"جی تو جناب! گھر کے بزرگوں اور سرکردہ افراد کا خیال اور نہایت نیک خیال ہے کہ اس گھر کی ینگ جنریشن اس قابل ہوگئی ہے کہ اس کی شادی خانہ آبادی...... دراصل بربادی۔" ایشاع نے لقمہ دینا فرض جانا تھا۔
"بکو مت۔" صبا نے گھوری سے نوازا تھا۔
"ہو جانی چاہیے اس لئے تمام بزرگوں نے صلاح مشورے کے بعد شادی کے قابل تمام افراد کی قسمتوں کے فیصلے کر دیے گے ہیں۔"
"یہ سب ہم پہلے سے جانتے ہیں، تم وہ بتاؤ جس کی خبر لانے کے لئے تمہیں بھیجا گیا تھا۔" فضہ بتول نے بیزاری سے اس کی بات کاٹی تھی۔
"ہاں تو دل تھام کے سنیے، محترمہ زیب عثمان کے لئے محترم شاہ نواز کو چنا گیا ہے۔" صبا نے اصلی اور اہم خبر نشر کرنی شروع کی تھی۔
"یا اللہ تیرا شکر کے تو نے مجھے افریقیوں کی متوقع والدہ ہونے سے بچالیا۔" سب کے کچھ بھی کہنے سے پہلے ایشاع نے شکر ادا کرنا ضروری سمجھا تھا، مگر یہ بات افریقیوں کی متوقع والدہ کو شاید پسند نہیں آئی تھی تبھی اس نے پاس پڑا کشن کسی ڈرون کی طرح اس کی طرف پھینکا تھا جو ایشاع کو تو نہیں ہاں البتہ دروازہ کھول کر اندر آتی چاچی اماں کے سر پر کسی افتادہ کی طرح پڑا تھا اور پھر انہوں نے آنسہ زیب عثمان کی سات نسلوں کو جو سلامی پیش کی تھی کہ اللہ دے اور بندہ لے۔
"ہاں اب آگے بتاؤ۔" شرافت سے ان کی تمام ڈانٹ سن لینے کے بعد ان کے جاتے ہی فضہ بتول نے پوچھا تھا۔
"آنسہ مشی زبیر کو محترم عمیر فاروق کے پلے باندھا جائے گا۔" صبا نے خبر کا اگلا حصہ نشر کیا۔
"یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے کن کوے عمیر کی بیگم کہلوانے سے بچالیا۔" ایشاع نے اب بھی شکر ادا کرنا ضروری سمجھا تھا، مگر اب کی بار دوسری طرف سے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔
"اور محترم بلال فاروق کے لئے خنساء پھپھو کی لاڈلی فضہ بتول کو چنا گیا ہے۔" خبر کا اگلا حصہ فضو بتول کے لئے اطمینان کا باعث تھا تبھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ چھلکی تھی۔
"یا مولا میں کس منہ سے تیرا شکر ادا کروں کہ تو نے مجھے انسپکٹر چغل خور سے بچایا۔" ایشاع زبیر کی جانب سے اب کی بار باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر شکر ادا کیا گیا تھا۔
"بکواس بند کرو ایشاع کی بچی۔" فضہ بتول نے فوراً ایک سال کی بڑائی کا فائدہ اٹھایا تھا۔
"او کے۔" خلاف توقع وہ بھی فوراً مانی تھی، چہرے پر اس وقت سکون اور تشکر سے لبریز احساس تھے۔
"اور تمہارے لئے کیا فیصلہ کیا گیا ہے؟" زیب نے اپنا اطمینان کر لینے کے بعد ریلیکس سا ہو کے صبا سے پوچھا تھا۔
"پھپھو کچھ دیں گی تو کچھ لیں گی، یہ میرا نہیں خنساء پھپھو کا اپنا بیان ہے۔" صبا نے زیب کا سوال نظر انداز کر کے کہا تھا، وہ چاروں چونکی تھیں، ایشاع تو باقاعدہ سیدھی ہو کے بیٹھی تھی۔
"یا اللہ خیر۔" ساتھ ہی زبان سے جاری تھا۔
"اب میری جیسی خوبصورت، سلیقہ مند سگھڑ لڑکی کے ہوتے ان کی نظر انتخاب کسی اور پر کیسے پڑ سکتی تھی، انہوں نے خود بہت محبت سے مجھے مانگا ہے۔" صبا نے اترا کر کہا تو اس کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔
"باوجود تمہارے بیان پر شدید قسم کے اعتراض کے تمہاری اتنی اچھی خبر سنانے پر میں تمام اعتراضات حلق سے اتار لیتی ہوں۔" چہکتی آواز میں اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔
"اور یا اللہ تیرا شکر کے تو نے باس۔" صبا نے غصے سے ہاتھ اٹھا کر روکا تھا۔
"او کے میں اکیلے میں ادا کرلوں گی۔" وہ بھی فوراً راضی ہوگئی تھی۔
"اب پیچھے کون کون بچا ہے؟" مشی نے کشن گود میں رکھ کر پوچھا تھا۔
"محترمہ ایشاع زبیر اور...... محترم شاہ یار حسن۔" فضہ بتول نے جھٹ انگلیوں پر گنوا دیا تھا۔
"ارے ہاں شکر ہے تمہارے جلاد بھائی کے ساتھ کسی کی قسمت نہیں پھوڑی گئی۔" وہ جاتے جاتے پلٹی تھی۔
"ہوں مگر ان کی قسمت کسی کے ساتھ تو ضرور پھوڑی گئی ہے۔" صبا حسن نے سکون سے بازو لپیٹتے ایک معنی خیز سی نظر اس پر ڈالی تھی۔
"کس کے ساتھ؟" زیب کو جاننے کی بہت جلدی تھی۔
"ایشاع زبیر کے ساتھ۔"
"نہیں۔" تینوں لڑکیوں کے منہ سے حیرت سے ایک ہی لفظ برآمد ہوا تھا، مگر صبا حسن کے پاس توجہ دینے کا وقت نہیں تھا وہ تو حیرت سے ایشاع زبیر کو دیکھ رہی تھی، جس نے یہ سنتے ہی جھٹ سے اس کا دوپٹہ کھینچا اور پٹ سے صوفے کی سائیڈ پر رکھا، مصلیٰ اٹھا کر بچھایا تھا۔
"یا اللہ تو نے مجھے افریقی شاہ نواز، کان

کو لے عمیر، چغل خور انسپکٹر بلال اور بھوتنے فراز سے بچایا تیرا شکر ہے مولا پر اب تو مجھے کھڑوس شاہ یار سے بچالے مولا۔" وہ چاروں حیرت سے بت بنی اسے دیکھ رہی تھیں، جو بہت خشوع و خضوع سے دعا مانگ رہی تھی، وہ تو سمجھتی تھیں اس کی کسنی شاہ یار سے ڈھیروں ڈھیر محبت، وجہ کہیں نہ کہیں شاید شاہ یار حسن تھا، مگر وہ غلط تھیں ایشاع زبیر کے عمل نے ثابت کر دیا تھا۔

☆☆☆

اگر آنسہ ایشاع زبیر کو کھڑوس شاہ یار حسن سے شادی کے فیصلے پر اختلاف اور احتجاج تھا تو دوسری طرف محترم شاہ یار حسن کو بھی بدتمیز اور بگڑی ہوئی (بقول شاہ یار حسن کے) ایشاع زبیر سے شادی سے صاف انکار تھا، مہرین کی بے وفائی کے بعد اس نے اب دوبارہ شادی جیسا تجربہ نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلا تجربہ ہی بہت تلخ اور ناکام ثابت ہوا تھا مگر اماں ابا کی ہزار کوششوں، دلیلوں اور تاویلوں کے بعد وہ بہت مشکل سے دوبارہ شادی پر تیار ہوا تھا مگر ایشاع زبیر کبھی نہیں، اس کا فیصلہ دوٹوک تھا، یہاں پھر سے اماں ابا آگئے آئے تھے۔

"اماں میں کسی سادہ اور سمجھدار سی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں جب کہ ایشاع کے مزاج میں ابھی تک بچپنا ہے کچھ آپ سب نے اس کے بے جا لاڈ اٹھا کے اسے مزید بگاڑ دیا ہے۔" اس نے اپنے اعتراضات سامنے رکھ دیے تھے۔

"جب شادی جیسی ذمہ داری پڑے گی تو خود ہی سمجھدار ہو جائے گی، لاپروائی بھی سلیقے میں تبدیل ہو جائے گی اور پھر سب سے اہم بات تم اب اکیلے نہیں ہو شاہ یار تمہارے ساتھ سنی بھی ہے جسے ایک محبت کرنے والی ماں کی ضرورت ہے بالفرض ہم کسی اور لڑکی کو تمہاری بیوی کی حیثیت سے اس گھر میں لے آتے ہیں اور کل کو وہ سنی کو ماں کا پیار نہ دے سکی تو پھر؟ اب یہ تو تمہیں بھی ماننا ہوگا ایشاع سنی سے بہت محبت کرتی ہے اور وہ بھی بنا کسی غرض، لالچ اور کھوٹ کے۔" اور یہاں آتے ہی وہ بھی خاموش ہوا تھا، یہ بات واقعی ماننے والی تھی وہ سنی سے بہت پیار کرتی تھی، وہ جب انگلینڈ سے پانچ سالہ سنی کو ساتھ لے کر لوٹا تھا تو وہی تھی جس نے سنی کو سنبھالا تھا، جو اپنی ماں کے لئے روتا تڑپتا تھا، اسے یاد کرتا تھا، اس ماں کو جس نے اسے اپنی آزادی کی راہ میں رکاوٹ جانا اور جاتے سے وہ یہ زنجیر توڑ گئی تھی۔

ایشاع نے بہت اچھی طرح سنی کو سنبھالا تھا اور سنی وہ بھی اس کے بغیر ایک پل نہیں رہتا تھا اپنی ایشاع آپی میں اس کی جان تھی اور پھر انہی دنوں ہونے والے ایک اور واقعہ نے بھی اسے مجبور کر دیا تھا ایشاع زبیر کو اپنی زندگی میں شامل کرنے پر، یہ آج سے تقریباً ایک ماہ پہلے کی بات تھی جب اماں نے اس سے ایشاع کے متعلق رائے پوچھی تھی اور پھر اسے سمجھا کر سوچنے کا وقت دیا تھا تبھی انہی دنوں ایشاع کا ایک اور پرپوزل آ گیا تھا، زبیر چاچو کے بہت اچھے دوست تھے جو اپنے بیٹے کے لئے ایشاع کے خواہش مند تھے، وہ اپنے روم میں تھا جب سنی چلا آیا تھا۔

"بابا ڈرائنگ روم میں جو چھوٹے دادا کے فرینڈ آئے ہیں وہ ایشاع آپی کا رشتہ لے کر آئے ہیں۔" آٹھ سالہ سنی اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔

"تو پھر ایشاع آپی کی شادی ان کے بیٹے سے ہو جائے گی؟" پہلے سوال کا جواب ملتے ہی اس نے جھٹ سے دوسرا سوال پوچھا تھا۔

"ہو سکتا ہے۔" اس نے جواب دیا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کرنے لگا تھا۔

"تو پھر وہ یہاں سے چلی جائیں گی، ہیں ناں پاپا؟" سنی اس کے نزدیک آ کر کھڑا ہوا تھا، اس نے ایک اکتائی ہوئی نظر سنی پر ڈالی جو آج سوال پہ سوال کیے جا رہا تھا۔

"تو پھر میں ان کے بغیر کیسے رہوں گا پاپا؟" بہت آگے کا سوچتے اس نے منہ بسور کر پوچھا تھا۔

"پاپا آپ ایشاع آپی سے شادی کر لیں تو پھر وہ کہیں نہیں جائیں گی۔" اس نے اپنے تئیں بڑا مفید مشورہ دیا تھا، شاہ یار نے فوراً برش ہاتھ سے رکھا تھا۔

"سنی!" اس کی آواز تنبیہی تھی۔

"آئندہ میں ایسی کوئی فضول بات تمہارے منہ سے نہ سنوں۔" سخت لہجے میں کہہ کر اس نے سنی کو باہر جانے کا اشارہ کیا تھا، سنی مایوس سا پلٹا گیا تھا، وہ اپنے پاپا سے ضد نہیں کر سکتا تھا، وہ اس کو منا نہیں سکتا تھا مگر وہ اور بہت کچھ کر سکتا تھا اور اس نے کیا تھا، کیونکہ اپنی ایشاع آپی کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

☆☆☆

ڈرائنگ روم میں بیٹھے مہمان اور میزبان خوش گپیوں میں مصروف چائے اور دیگر لوازمات انجوائے کر رہے تھے جب وہ اندر داخل ہوا تھا۔

"سنی ادھر آ جاؤ میرے پاس۔" دادو نے فوراً اشارہ کیا تھا مگر وہ سیدھا چھوٹے دادا کے دوست کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

"آپ ایشاع آپی کا رشتہ لے کر آئے ہیں، مگر ایشاع آپی کی شادی تو میرے پاپا سے ہو گئی ہے وہ میری نئی مما بنیں گی۔" اس کی بات نے ڈرائنگ روم میں موجود مہمانوں پر زبانوں کے ساتھ ساتھ اندر داخل ہوتے شاہ یار حسن کو بھی ساکت کر دیا تھا۔

☆☆☆

اس نے سوئے ہوئے سنی پر نگاہ ڈالی، دائیں گال پہ ابھی تک اس کی انگلیوں کا واضح نشان تھا، پلکوں میں ابھی تک موتی چمک رہے تھے، خشک ہوئے آنسو اس کے سفید اور گلابی گالوں پر جم چکے تھے، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بکھرے بالوں کو سنوارا پھر اس کی پلکوں پر ٹکے موتی چن کر ماتھے پر بوسہ دیا، سگریٹ سلگا کر وہ کھڑکی میں آ کھڑا ہوا تھا، کہنیوں تک کف الٹائے بکھرے بالوں اور ہلکی گلابی ہوتی آنکھوں کے ساتھ کھڑا وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا، بہت زیادہ ڈسٹرب، زندگی میں پہلی بار اس نے سنی پر ہاتھ اٹھایا تھا، اسے اتنی شدت کے ساتھ ڈانٹا تھا، اس نے بے اختیار اپنا دائیں ہاتھ جھٹکا جو اس نے سنی پر اٹھایا تھا اور دوسرے ہاتھ سے پیشانی پر پڑے بال پیچھے کیے، تبھی اماں چلی آئیں تھیں۔

"تم کیا سمجھتے ہو شاہ یار، اس مسئلے کا یہی حال ہے، ڈانٹ ڈپٹ، مار کھٹائی، یہ سب کر کے تم سنی کو خاموش کروا سکتے ہو مگر اس کے دل میں موجود ماں کی خواہش ختم نہیں کر سکتے، اسے ماں چاہیے شاہ یار تم اس کی خواہش دبا ضرور سکتے ہو مگر ختم نہیں کر سکتے۔" اور آنے والے دنوں میں اس نے یہ بات دیکھ لی تھی، بھلے سنی اس کے ڈر کی وجہ سے خاموش ہو گیا تھا مگر اس کی شوخی شرارت، اس کا کھیل کود، مستی وہ سب بھی ختم ہو کر رہ گئی تھی، وہ بالکل گم صم سا ہو کے رہ گیا تھا اور پھر اماں ابا کے دباؤ اور سنی کی خوشی کے لئے وہ یہ کڑوا گھونٹ پینے کو تیار ہو گیا تھا، اسے ایشاع زبیر

سے شادی پر اعتراض نہیں تھا۔

☆☆☆

اسے ایشاع زبیر سے شادی پر اعتراض نہیں تھا مگر ایشاع زبیر کو تو تھا اور بڑا زبردست تھا تبھی احتجاج کرنے اماں کے پاس چلی آئی تھی۔

"اماں مجھے شاہ یار سے شادی نہیں کرنی۔" اس کے دوٹوک لہجے میں کہنے پر زیورات کے ڈبے نکالتی اماں ٹھٹکی تھی۔

"اچھا تو پھر کس کے ساتھ کرنی ہے۔" ماتھے پر ہزار بل ڈال کر اماں نے بھی پوچھ ہی لیا تھا، اب کے وہ ذرا سنبھلی۔

"کیا مطلب اماں؟ اب شاہ یار سے نہیں کرنی تو اس کا یہ مطلب کہاں سے نکلا کے کسی اور سے کرنی ہے۔"

"اچھا تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ ساری زندگی اماں باوا کے سینے پر مونگ دلنی ہے۔" اماں بھی آخر اس کی اماں تھی۔

"اماں!" اس نے ٹھنک کر پکارا تھا۔

"بس بی بی بس، وہ مشی بھی تمہارے ساتھ کی ہے اس نے تو انکار نہیں کیا جو ماں باپ نے فیصلہ کیا سر جھکا کر مان لیا اور زیب، فضہ وہ سب بھی تو ہیں کسی نے کوئی اعتراض کیا، ایک یہ "نرالی بی" ہیں سب باوا کا لاڈ ہے پر میری بھی کان کھول کر سن لو بی بی اس معاملے میں، میں تمہارے باوا کی بھی نہیں سننے والی، غضب خدا کا اتنا اچھا سلجھا ہوا بچہ اور یہاں نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے۔" اماں جو بولنا شروع ہوئی تو چپ کرانا محال، تبھی ابا چلے آئے تھے، اماں کا جلالی انداز اور ایشاع کی رونی صورت۔

"کیوں ڈانٹ رہی ہو ہماری بیٹا کو۔" اب کے اماں سٹپٹائی۔

"ہاں وہ سالن جلا دیا تھا تو......" انہوں نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"ابا مجھے شاہ یار سے شادی نہیں کرنی۔" ایشاع نے ان کی کوشش پر مقدور بھر پانی پھیرا تھا، اماں تو اماں ابا بھی ٹھٹکے۔

"لو ایسی بے شرمی نہ دیکھی نہ سنی۔" اماں کا بس نہیں چل رہا تھا پاس پڑی قینچی سے اس کی سو گز لمبی زبان کاٹ دیں۔

ابا نے البتہ تحمل سے اس کا چہرا دیکھا پھر ہولے سے مسکرائے۔

"اچھا بیٹھو یہاں میرے پاس۔" ہاتھ بڑھا کر پاس بھی بٹھا لیا، اماں کلس کلس گئیں۔

"اب باوا، بیٹا کا لاڈ شروع۔" جو دیکھنے کی فی الحال ان میں سکت نہیں تھی تبھی سب چھوڑ چھاڑ غصے سے باہر نکل گئی تھیں۔

"اب بتاؤ۔" اماں کے جانے کے بعد ابا نے پر سکون ہو کر پوچھا پھر اسی سکون سے بیٹھے اس کے تمام اعتراضات سنتے رہے تھے، پھر جب وہ بول بول کے تھک گئی تو فقط اتنا بولے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے ایشاع اس دنیا میں تم سے سب سے زیادہ پیار کون کرتا ہے؟ آپ اور صرف آپ۔" اس کا جواب جھٹ سے حاضر تھا۔

"تو پھر میری پیاری بیٹی صرف اتنا اطمینان رکھے کہ ایشاع کا باپ جو اسے سب سے زیادہ پیار کرتا ہے وہ کبھی بھی اس کے لئے غلط فیصلہ نہیں کرے گا۔" بات ختم وہ اب اور کیا کہتی، کیا پوچھتی، سر جھکائے واپس چلی آئی تھی۔

☆☆☆

اس نے ہار مان لی تھی، شاہ ہاؤس کے مکینوں کو وہ کبھی سمجھا نہیں سکتی تھی، سمجھاتی تو تب جب وہ کچھ سننے کے لئے تیار ہوتے، وہاں تو الٹا ہر کوئی اسے سمجھانے پر تلا تھا۔

"شاہ یار بہت سلجھا ہوا اور سمجھدار بچہ ہے۔" یہ تایا ابا سے لے کر چھوٹے چاچو تک کی مشترکہ رائے تھی جس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں تھی، اسے ان کے اس فقرے میں تینوں چیزوں پر اختلاف تھا، نمبر ایک سلجھا ہوا، نمبر دو سمجھدار، نمبر تین بچہ؟ شاہ یار بہت پیارا بیٹا ہی نہیں بہت پیارا انسان بھی ہے، یہ تائی اماں سے لے کر چاچی اماں تک کی رائے تھی اسے ان کے فقرے کے پہلے نہیں تو دوسرے حصے پر شدید اعتراض تھا۔

"شاہ یار بھائی بہت ہینڈسم اسمارٹ اور جینئس ہیں۔" یہ فضہ بتول، زیب اور صبا کا خیال تھا جس سے وہ چاہ کر بھی اختلاف نہیں کر پائی تھی۔

"کیا کمی ہے ان میں جو تم یوں منہ بنائے بیٹھی ہو۔" مشی نے آج دو اور دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"میں نے کب کہاں کمی ہے اس میں تو بہت ساری ایکسٹرا خصوصیات ہیں، اچھا مثلاً؟" مشی فوراً تجسس ہوائی تھی۔

"مثلاً مغرور، بد دماغ، اکھڑ، کھڑوس، بے مروت اور سڑیل یہ وہ ساری خوبیاں ہیں جو آج تک تم سب کی نظروں سے اوجھل رہی۔" وہ بات نہیں کر رہی تھی انگارے چبا رہی تھی۔

☆☆☆

ان دونوں کے ہزار نہ چاہنے کے باوجود بھی انہیں ایک دوسرے کے ساتھ منسوب کر دیا گیا تھا، شادی کے لئے تین ماہ کا وقفہ رکھا گیا تھا، منگنی کو ایک ہفتہ ہو چلا تھا جب رضیہ پھپھو اور سہانہ مبارک دینے آئی تھی، رضیہ پھپھو بے حد مغرور خاتون تھیں اور یہی خصوصیت ان کی اولاد میں بھی تھی کچھ اپنے اعلیٰ اسٹیٹس کا بھی خمار تھا، پھپھو گھر کی بڑی خواتین کے ساتھ بیٹھی تھیں جب سہانہ لڑکیوں کے مشترک کمرے کی طرف بڑھی تھی، پہلی مڈبھیر سیڑھیاں اترتی ایشاع سے ہی ہوئی تھی۔

"مبارک ہو ایشاع بالآخر تمہاری محنت رنگ لے ہی آئی۔" مسکراتے لب و لہجے کے ساتھ کہا گیا تھا۔

"کیا مطلب؟" ایشاع نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"بھئی سنی کے ساتھ اتنی محنت تم شاہ یار کو پانے کے لئے ہی تو کر رہی تھی تو بالآخر تمہاری محنت ثمر آور ثابت ہوئی۔" طنزیہ نظروں سے اس کے صبیح چہرے کو دیکھتی وہ الفاظ چبا رہی تھی۔

"ہوں۔" ایشاع نے سر ہلا کر سکون سے سیڑھیوں کی گرل سے کمر ٹکائی تھی۔

"ٹھیک کہا آپ نے ویسے بھی حرکت میں برکت اور محنت میں عظمت والے مقولے تو آپ نے سن رکھے ہوں گے۔" ایشاع زبیر کا واضح اصول تھا جو آپ سے جلے اسے مزید کلسانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

"او تو میرا اندازہ درست ثابت ہوا تم نے شاہ یار حسن تک پہنچنے کے لئے سنی کو سیڑھی بنایا۔" سہانہ نے نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"بالکل سو فیصد درست سمجھی آپ سہانہ بی بی۔" بہت سکون سے کہتے وہ بے خبر تھی اس کی بات سہانہ کے ساتھ سیڑھیاں اترتے شاہ یار نے بھی سن لی تھی۔

☆☆☆

"شاہ نواز نے تو میرون کلر چوز کیا ہے ویڈنگ ڈریس کے لئے۔" زیب نے ہاتھ میں پکڑے ڈبے سے جوس کا گھونٹ لے کر ایک طائرانہ نگاہ سب پر ڈالی پھر مطلع کیا، بقول ان

کے انہوں نے جب بھی مجھے تصور کی آنکھ سے دلہن بنے دیکھا میں نے میرون کلر ہی پہنا ہوا تھا، اٹھلا کر اس نے بات جاری رکھی تھی، ایشاع نے پلیٹ میں موجود نفاست سے کٹے سیب کا سلائس اٹھا کر منہ میں ڈالی اور سر جھٹک کر خود کو میگزین میں گم کیا۔

"اور عمیر کا تو بس نہیں چلتا ویڈنگ ڈریس کے علاوہ بھی باقی سارے ڈریسز پنک کلر میں بنوا لیں۔" مشی نے بھی چہک کر بتایا تھا۔

"اور بلال نے ریڈ اینڈ گولڈن کمبینیشن چوز کیا ہے۔" فضہ بتول کی بھی کونے سے شرمائی گھبرائی آواز بلند ہوئی تھی۔

"گڈ اور شاہ یار نے کون سا کلر چوز کیا ہے ایشاع۔" مسکرا کر ان کی گفتگو سنتی سہانہ نے اچانک ہی اسے مخاطب کیا تھا، بنا چونکے اس نے سر اٹھا کر سہانہ کو دیکھا تھا، پھر ہولے سے مسکرائی تھی۔

"شاہ یار کہتے ہیں میں جو بھی کلر پہنوں گی وہی مجھے پر جچے گا بقول ان کے انہیں لگتا ہے سارے رنگ بنے ہی میرے لئے ہیں۔" فراٹے سے بولے گئے جھوٹ نے سہانہ کے چہرے پر مایوسی اور باقی سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

☆☆☆

اسٹیج پر موجود چاروں دلہنیں ہی بہت پیاری لگ رہی تھیں، دلہا صاحبان کو ابھی تک اسٹیج پر لا کر نہیں بٹھایا گیا تھا، پر اعتماد انداز میں بیٹھی چاروں دلہنوں میں سے تین کے چہروں پر خوشی و انبساط کے رنگ با آسانی دیکھے جا سکتے تھے جب کہ آف وائٹ کلر کے دیدہ زیب لہنگا جس پر سلور کلر کے موتیوں سے بہت خوبصورت کام کیا گیا تھا پہنے چوتھی دلہن کچھ خاموش اور بے زار سی تھی۔

"اتنی بری شکل بنائی ہوئی ہے تم نے بچی سڑا ہوا بینگن لگ رہی ہو۔" تبھی زیب نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی۔

"اور میں بھی سو فیصد سچ بتا رہی ہوں زیب خدارا شاہ نواز کے پہلو میں بیٹھ کر یوں کھلے عام دانت مت نکالنا۔"

"ورنہ کیا؟"

"بچی ایسا لگے گا افریقی بندر کے پہلو میں لمبے دانتوں والی چڑیل بیٹھی ہے۔" اس نے بھی فوراً حساب چکتا کرتے پھلجھڑی چھوڑی تھی۔

"قسم اٹھوا کر پوچھ لو ایشاع یہ جو تمہیں شاہ یار جیسے سڑیل انسان کے پلے باندھا گیا ہے تو اس میں کچھ حصہ تمہارے انہی "بڑے بولوں" اور کچھ ہمارے دل سے نکلی آہوں کی بدولت ہے۔" زیب کی بات نے کچھ لمحوں کے لئے اس کی بولتی بند کر دی تھی۔

☆☆☆

آدھی سے تو کچھ زائد رات بیت چکی تھی جب وہ روم میں داخل ہوا تھا، اسے سو میں سے ایک سو ایک فیصد یقین تھا وہ اب تک تمام گھوڑے گدھے بیچ کر سو چکی ہو گی کیونکہ انتظار اور وہ بھی اتنا لمبا انتظار ایشاع زبیر کے بس کی بات ہی نہیں تھی، مگر خلاف توقع وہ محو انتظار تھی، دروازے کا لاک لگا کر وہ سیدھا بیڈ کی طرف ہی آیا تھا جہاں وہ سکون سے براجمان تھی، بنا اس کی طرف نگاہ کیے شاہ یار نے ذرا سا جھکتے کلائی پہ باندھی رسٹ واچ اتار کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھی تھی، پھر جیب سے موبائل سگریٹ لائٹر وغیرہ نکال کر رکھے اور فریش ہونے چل دیا تھا۔

"مجھ سے شادی کا اتنا ہی شوق تھا تو خود مجھ سے کہتی سنی کو استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" تکیہ اٹھا کر سیدھا کرتے اس نے سرسری نظر ایشاع کے بنے سنورے روپ پر ڈالی پھر بیڈ پر نیم دراز ہوتے سگریٹ جلا کر پوچھ لیا تھا، وہ جو اب تک خاموش بیٹھی تھی جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔

"ایک منٹ سنی کو میں نے نہیں آپ نے استعمال کیا ہے مجھ سے شادی کے لئے۔" پوری طرح اس کی طرف مڑتے اس نے ترخ کر جواب دیا تھا۔

"مائی گڈنس، اتنی خوش فہمی کس بنا پر؟" شاہ یار نے سر جھٹکا تھا۔

"اور آپ کو اتنا غرور کس بات پر اور جہاں تک اس شادی کا تعلق ہے تو مجھ میں ایسی کوئی کمی نہیں ہے جو مجھے شادی کرنے کے لئے کسی کا سہارا لینا پڑے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ بیڈ سے اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

ولیمے کے بعد باقی سارے کپلز تو ہنی مون کے لئے نکل چکے تھے، شاہ یار نے کام کی زیادتی کا گھسا پٹا بہانہ کر کے معذرت کر لی تھی، وہ نہا کر نکلا تو ایشاع سنی کو سکول کے لئے تیار کرنے کے ساتھ خود بھی ریڈی ہو چکی تھی، وہ سنی کے سکول میں ہی ٹیچر تھی۔

"سنی اپنی مما سے کہو انہیں اب جاب پر جانے کی ضرورت نہیں۔" سنی کو مخاطب کر کے اس نے در پردہ اسے حکم سنایا تھا وہ کلسی۔

"سنی اپنے پاپا سے کہو میں یہ جاب پہلے بھی کرتی تھی اور اب بھی کروں گی۔" وہ اسے مخاطب نہیں کرنا چاہتا تھا تو وہ کون سا مری جا رہی تھی۔

"سنی اپنی مما سے کہو پہلے کی بات اور تھی اب وہ کوئی الہڑ دوشیزہ نہیں شادی شدہ خاتون ہیں بہتر ہو گا اپنی نئی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔" خود پہ Just me اسپرے کرتے وہ ایک لمحے کے لئے مڑا تھا۔

"سنی اپنے پاپا سے کہو......بس......" شاہ یار نے مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

"اپنی مما سے کہو مجھے بحث پسند نہیں اینڈ دیٹس اٹ۔" وہ اپنی بات مکمل کرتا باہر نکل گیا تھا اور پیچھے اس کا غصے کے مارے برا حال تھا۔

"سنی تمہارے پاپا...... بہت ہینڈسم ہیں حمزہ اور عفی بھی یہی کہتے ہیں۔" وہ جو شاہ یار کی شان میں بہت کچھ کہنے کا ارادہ رکھتی تھی سنی کے یوں اچانک کہنے پر بمشکل چپ ہوئی تھی اور ذہن میں پہلا خیال حمزہ اور عفی کا دماغ ٹھکانے لگانے کا آیا تھا۔

☆☆☆

اس نے دو کپوں میں چائے ڈال کر ٹرے میں رکھے پھر ٹرے اٹھا کر باہر لے آئی تھی جہاں تایا ابا اور شاہ یار ٹاک شو میں الجھے ہوئے تھے، ایشاع نے ایک کپ اٹھا کر تایا ابا کو دیا اور پھر ٹرے شاہ یار کے آگے کی تھی۔

"نو تھینکس۔" اس کے کہنے پر اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کپ خود اٹھا لیا تھا اور ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ کے تایا ابا کے ساتھ آ بیٹھی تھی۔

"ایشاع بیٹا شاہ یار کو بھی دینی تھی۔"

"دی تو انہوں نے نو تھینکس کہہ کر واپس لوٹا دی۔" تایا ابا کی بات کے جواب میں اس نے آرام سے بتایا اور کپ لبوں سے لگا لیا تھا۔

"شاہ یار اس وقت کافی لیتا ہے بیٹا۔" تایا ابا نے بتایا تھا۔

"تو بتا دیتے اب مجھے الہام تو نہیں ہوتا ناں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"کوئی بات نہیں بیٹا ابھی بنا لاؤ۔" تایا ابا کے حکم نے اس کے اندر کڑواہٹ بھری تھی مگر بے

دلی سے سر ہلا کر وہ اٹھنے لگی تھی جب شاہ یار نے روک دیا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے جب ضرورت ہوگی میں چندو سے بنوالوں گا۔" کہہ کر چہرہ دوبارہ ٹی وی کی طرف کر لیا اور وہ "مائی فٹ" کہہ کر رہ گئی۔

☆☆☆

وہ لیپ ٹاپ گلاس ٹیبل پر رکھے صوفے پر بیٹھا چمکتی سکرین پر نگاہ جمائے کام میں اچھا خاصا بزی تھا جب سنی نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا اس کی گردن اندر اور باقی جسم باہر تھا، چند سکینڈ یونہی کھڑا رہنے کے بعد اس نے باقی جسم بھی اندر گھسیٹ لیا تھا، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ اس کے ساتھ آ کے بیٹھ گیا تھا، شاہ یار نے ایک لمحے کے لئے نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر دوبارہ سے نگاہ لیپ ٹاپ کی سکرین پر جما دی تھی، اس کی انگلیاں تیزی سے کی پیڈ پر حرکت کر رہیں تھیں۔

"پاپا!" سنی نے بہت میٹھے لب میں پکارا تھا۔

"ہوں۔" بنا رکے اس نے کہا تھا۔

"یو تو آپ آج بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا، شاہ یار نے ایک نظر سے اس پہ ڈالی پھر اچھا کہہ کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوا تھا۔

"اور کل عفی اور حمزہ بھی کہہ رہے تھے تمہارے پاپا بہت ہینڈسم اور جینٹکس ہیں۔" شاہ یار کے چہرے کی طرف دیکھتے اس نے کچھ مزید مکھن لگانے کی کوشش کی تھی۔

"میں نے کہا آخر پاپا کس کے ہیں میں نے رائٹ کہا نا پاپا؟"

"رائٹ۔" شاہ یار نے بنا رکے جواب دیا تھا۔

"اور میں نے ان سے کہا میرے پاپا صرف ہینڈسم، اسمارٹ اور جینئس ہی نہیں بہت اچھے بھی ہیں، میری ہر بات مانتے ہیں۔" اب کی بار شاہ یار نے اپنی انگلیوں کو ریسٹ دی اور ریلیکس سا ہو کے صوفے کی بیک سے سر ٹکایا وہ اب فرصت سے اس کی خوشامد کی وجہ جاننا چاہ رہا تھا۔

"میں نے کہا میرے پاپا، مجھے میری فیورٹ کارٹونز سی ڈیز اور سٹوری بکس لا کے دیتے ہیں میرے ساتھ کرکٹ کھیلتے ہیں اور مجھے میری فیورٹ آئسکریم کھلانے لے جاتے ہیں، میں نے ٹھیک کہا ناں پاپا؟" معصوم سی شکل بنا کر اس نے ایک بار پھر تائید چاہی تھی، شاہ یار نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"تو پھر آئسکریم کھانے چلیں؟" اس کی ہلکی مسکراہٹ کو بھی بہت کافی جان کر اس نے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کی تھی، شاہ یار نے اسی طرح مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"پاپا آج موسم کتنا اچھا ہے؟" اس نے بنا ہمت ہارے کوشش جاری رکھی تھی، شاہ یار نے سر کو اوپر نیچے حرکت دی۔

"تو پھر چلتے ہیں ناں۔" اس نے لجا کر کہا تھا۔

"نہیں۔" شاہ یار نے اس بار زبان کو حرکت دی تھی۔

"پلیز پاپا۔" سنی کے انداز میں لجاجت برقرار تھی۔

"سنی!" شاہ یار کا انداز تنبیہی تھا۔

"پلیز پاپا پلیز۔" اس نے آخری کوشش کی تھی۔

"سنی!" شاہ یار کے انداز میں اس بار خفگی

تھی، سنی چند لمحے اس کے چہرے پر پھیلی ناراضگی کو دیکھتا رہا پھر خاموشی سے اٹھ گیا تھا، دروازے کے قریب پہنچ کر وہ مڑا تھا۔

"میرے پاپا مجھے میری پسند کے سینڈوچز بنا کے نہیں دیتے، مجھے میری فیورٹ کارٹونز سی ڈیز اور سٹوری بکس نہیں لا کے دیتے، میرے ساتھ کرکٹ نہیں کھیلتے اور نہ ہی مجھے میری فیورٹ آئسکریم کھلانے لے جاتے ہیں پھر بھی میرے پاپا دنیا کے سب سے اچھے پاپا ہیں۔" کہہ کر وہ باہر نکل گیا اور پیچھے شاہ یار اس کے لفظوں کو سمجھنے کی کوشش میں الجھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

اگلے پندرہ منٹ بعد وہ سنی اور ایشاع کو آئسکریم کھلانے لے جا رہا تھا ایشاع ہرگز ہرگز اس کے ساتھ نہیں آنا چاہ رہی تھی مگر سنی کی ضد اور تائی جان کے اصرار کی وجہ سے آنا پڑا تھا، فرنٹ سیٹ پر وہ خاموش سی بیٹھی تھی شاہ یار بھی لب بھینچے ڈرائیونگ کر رہا تھا ہاں البتہ پیچھے بیٹھا سنی خوب چہک رہا تھا، فوڈ کورٹ پہنچ کر وہ دونوں تو ادھر ادھر کی رونقوں میں گم ہوئے تھے شاہ یار نے ہی آڈر نوٹ کروایا تھا اور جب ویٹر نے ایشاع کے سامنے کانچ کے نفیس پیالے میں ٹھنڈی میٹھی آئسکریم لا کر رکھی تو اس نے برا سا منہ بنایا، اسٹر بیری فلیور کبھی بھی اس کا فیورٹ نہیں رہا تھا، سنی نے بھی فوراً اس کی ناپسندیدگی نوٹ کر لی تھی۔

"پاپا آپ نے مما کے لئے اسٹر بیری فلیور کیوں منگوایا، انہیں چاکلیٹ فلیور پسند ہے۔" سنی کی بات پر شاہ یار نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"تو آپ کی مما کو بتانا چاہیے تھا، اب مجھے الہام تو نہیں آتے کے جان پاتا انہیں اسٹر بیری نہیں چاکلیٹ فلیور پسند ہے۔" بہت پر سکون انداز میں اس نے بدلا اتارا تھا، (یہ انسان باہر سے جتنا مغرور، سڑیل، بد دماغ نظر آتا ہے مجھ سے کوئی قسم اٹھوا کر پوچھ لے اندر سے اس سے کہیں زیادہ ہے) کلساتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

"تو پاپا آپ مما کے لئے ان کی پسند کا فلیور منگوا دیں۔" سنی نے بڑا سا چمچہ منہ میں ڈال کر کہا تھا۔

"اٹس او کے سنی میں یہی کھا لوں گی۔" اس نے کہہ کر بے دلی سے چمچہ اٹھا لیا تھا۔

☆☆☆

"بچی اماں اتنی بوریت مجھے پوری زندگی میں کبھی نہیں ہوئی جو آج کل ہو رہی ہے اور کیا کہتی ہیں یہ بیگمات کب واپس آنے کا ارادہ ہے۔" اماں کے بیڈ پر ان کے پاس بیٹھ کر اس نے اپنا رونا رویا تھا۔

"ابھی تو کچھ پتہ نہیں۔" انہوں نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اس پر ڈالی تھی۔

"تو آپ مشی سے کہیں کہ بہت ہو گیا گھومنا پھرنا اب واپس آنے کی کرے۔" اس کے مفید مشورے پر انہوں نے اسے گھورا تھا۔

"آہائے میں کیوں کہوں یہی تو دن ہیں ان کے ساتھ گھومنے پھرنے کے ایک ساتھ وقت گزارنے کے اور یہ تم نے کیا حال بنایا ہوا ہے لگتا ہے پندرہ روز پہلے تمہاری شادی ہوئی ہے؟" انہوں نے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

"نہ چوڑی گجرا، نہ مہندی خوشبو، ایسی ہوتی ہیں تو بیاہتا؟ صاف کہہ رہی ہوں بی بی اپنے رنگ ڈھنگ تبدیل کرو، (اونہہ رنگ ڈھنگ تبدیل کر لوں کس کے لئے، بجی سنوری خوشبو میں مہکتی پور پور بجتی، وہ ہوتی ہیں جنہیں کوئی چاہنے

والا سراہنے والا ہوتا ہے اور یہاں تو، پتہ نہیں بے خبری ہے بے نیازی ہے یا ناپسندیدگی؟)''

وہ اماں کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی جب سنی بھاگتا ہوا آیا تھا۔

''مما آپ کو پاپا بلا رہے ہیں (ایں مجھے؟)'' اسے حیرت ہوئی۔

''تجھے کب عقل آئے گی ایشاع شوہر وہاں اکیلا بیٹھا ہے تجھے یہاں گپیں ہانکنے سے فرصت نہیں۔'' اماں نے فوراً لتاڑا تھا۔

''چل اب جلدی جا۔''

''جا رہی ہوں اماں۔'' جلدی میں الٹے سیدھے سلیپرز پہنتی وہ چلی آئی تھی، وہ کچھ اکتایا ہوا کھڑا تھا۔

''میری بلیو شرٹ کہاں ہے؟'' اسے دیکھتے ہی سوال ہوا تھا، اب اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ کون سی شرٹ اور کیسی شرٹ۔

''مجھے کیا پتہ چندو کو پتہ ہوگی۔'' بے نیاز لہجے میں کہہ کر اس نے کندھے اچکائے تھے۔

''بیوی تم ہو یا چندو؟'' وہ فوراً ہائیر ہوا تھا۔

''ہاں تو بیوی ہوں ملازمہ نہیں جو اس کے فرائض سر انجام دوں۔'' یہی جواب اگر ماں سن لیتی تو لگاتیں سو اور گنتیں ایک۔

''اچھا تو بیوی والے کون سے فرائض سر انجام دیے ہیں تم نے؟'' عین سر پر کھڑے ہو کر اس نے تمسخر اڑاتے لہجے میں پوچھا تھا ایشاع نے تڑخ کر سر اٹھایا، جواب دینا چاہا مگر خود پہ جمی اس کی گہری بولتی نظروں سے گھبرا کر سر پھر سے جھکا لیا تھا۔

''مم...... میں...... ڈھونڈ لیتی ہوں۔'' اس کے پہلو سے نکلتے وہ فوراً وارڈ روب کی جانب بڑھی تھی، انداز اچھا خاصا سٹپٹایا ہوا تھا۔

''یہ لیں۔'' چند لمحوں کی تلاش کے بعد مطلوبہ شرٹ اس کے ہاتھ میں تھی۔

''گڈ اور آئندہ ان باتوں کا خیال خود رکھنا مجھے دوبارہ کہنے کی ضرورت نہ پڑے۔'' اس کے ہاتھ سے شرٹ لے کر اس نے آگے کی بھی ہدایت کر دی تھی۔

''اونہہ ضرورت نہ پڑے۔'' ایشاع نے سر جھٹکا۔

☆☆☆

''اٹھو اور ناشتہ بناؤ۔'' وہ مندی مندی آنکھوں سے شاہ یار کو آفس کے لئے تیار ہوتا دیکھ رہی تھی، رات دیر تک صبا سے بات کرنے کی وجہ سے وہ بہت دیر سے سوئی تھی اس لئے نیند پوری نہیں ہوئی تھی ابھی بھی شاہ یار کی کھڑ پڑ سے اس کی آنکھ کھلی تھی جب وہ ایٹم بم کی طرح اس کے سر پہ پھٹا تھا۔

''کون؟'' وہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اٹھی تھی۔

''اگر تمہارے علاوہ بھی یہاں کوئی موجود ہے تو کم از کم مجھے نظر نہیں آ رہا۔''

''ایک تو مجال ہے جو کبھی یہ کھڑوس طنز کی زبان کے علاوہ بھی کوئی زبان بول لے، اب اٹھو بھی میں لیٹ ہو رہا ہوں۔'' وہ اب اس کے سر پر کھڑا تھا۔

''مما میرے لئے بھی پراٹھا اور چیز آملیٹ۔'' سنی نے بھی فوراً فرمائش جھاڑی تھی، اس نے حتی المقدور گھورا، کچن میں الٹے سیدھے ہاتھ چلاتے وہ مسلسل چندو کو کوس رہی تھی جو ان دنوں گاؤں اپنی بے بے سے ملنے گیا ہوا تھا۔

''مما جلدی کریں پلیز۔'' سنی کی دہائی جاری تھی شاہ یار بھی اخبار کی شہ سرخیوں پر نظر دوڑاتا بار بار رسٹ واچ پر بھی نگاہ ڈال رہا تھا۔

''اتنے اتاولے کیوں ہو رہے ہو سنی آ گئی ہوں۔'' دونوں ہاتھوں سے تھامی ٹرے ٹیبل پر رکھے اس نے سنی کو ڈانٹا مگر اس کے پاس غور کرنے کے لئے وقت کہاں تھا، اس کی حیرت سے پھٹی آنکھیں ٹرے پر جمی تھیں۔

''پاپا یہ کیا ہے؟'' پلیٹ میں سے کچھ گول کچھ مستطیل نظر آتی چیز اٹھا کر اس نے شاہ یار کے سامنے کی تھی۔

''بقول تمہاری پیاری مما کے اسے پراٹھا کہتے ہیں۔'' ایک طنز بھری نظر ایشاع پر ڈال کر اس نے مطلع کیا تھا۔

''تو پھر یہ آملیٹ ہوگا۔'' سنی نے بمشکل ہنسی روک کر دوسری پلیٹ میں موجود عجیب و غریب چیز کی طرف اشارہ کیا تھا، جس پر شاہ یار کا فلک شگاف قہقہہ بے اختیار ہی بلند ہوا تھا، سنی بھی اب دل کھول کر اور پیٹ بھر کے ہنس رہا تھا۔

''(بدتمیز، گدھا)۔'' جلتی بلتی ایشاع زبیر نے یہ خطاب جانے کسے دیا تھا۔

☆☆☆

''شکر ہے تم لوگوں کی واپسی تو ہوئی۔'' ایشاع نے زیب کے ہینڈ بیگ کی اچھی طرح تلاشی لی اور مونگ پھلی برآمد کر کے ٹک ٹک کھاتے ساتھ ہی شکر ادا کیا تھا۔

''اور ہمارے لئے مقام شکر ہے کہ محترمہ ایشاع شاہ یار کو ہماری اہمیت کا اندازہ تو ہوا۔'' منشی نے شاپر میں ہاتھ ڈال کر بچی کھچی مونگ پھلی نکال کر زیب کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''ہاں بالکل۔'' وہ ہمیشہ کی طرح فوراً متفق ہوئی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ کہاں کہاں گھومیں، کیا کیا دیکھا؟'' اس نے تجسس سے پوچھتے لفافہ اپنے قبضے میں کیا تھا۔

''وہ تو میں بتاؤں گی مگر پہلے تم یہ بتاؤ تم لوگوں کے حالات میں کوئی تبدیلی آئی؟'' زیب نے بیگ سے نکلی میک اپ کی اشیاء ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے پوچھا تو اس نے گہری سانس لی۔

''تبدیلی وہاں آ سکتی ہے جہاں پر محبت ہو، ایک بات کہوں ایشاع۔'' اس کے یاسیت سے کہنے پر وہ سب چھوڑ چھاڑ اس کے قریب آ بیٹھی تھی۔

''بعض دفعہ محبت موجود ہوتی ہے پر ہماری لاپرواہی اور بے خبری کی گرد اس پر جمی ہوتی ہے جس کے باعث وہ دھندلی ہو کر ہماری نظروں سے اوجھل رہتی ہے، تم ایک بار اس گرد کو جھاڑو اپنے اندر جھانکو ہو سکتا ہے کہیں اندر محبت موجود ہو۔'' کہہ کر زیب تو دوبارہ کام میں لگ گئی اور وہ خود کو سنبھالنے میں۔

''اس دنیا میں اگر کوئی چیز نعمت ہے تو وہ ہے بے خبری، جب تک یہ نعمت اس کے پاس رہی مزے ہی مزے تھے، نہ ٹینشن نہ فکر اور اب ادراک کی دولت ملی تو نہ وہ مزے رہے نہ عیش، سکون، چین آرام بھی کھویا، کم بخت ناس پیٹی محبت کو ذرا سی لفٹ کیا کروا دی اس نے تو سر پر چڑھ کر ناچنا شروع کر دیا اور مرن جوگا دل، شریر بچے کی طرح وہ مانگنے لگا جو ملنے کی وہ خواب میں بھی توقع اور امید نہیں کر سکتی تھی، شاہ یار کی توجہ اور محبت، الٹی مت، گدھا، بیوقوف، احمق، سارے ہی القاب دے لئے، ڈانٹ ڈپٹ پیار، محبت ہر طریقہ ہر انداز اپنایا، پر وہ دل ہی کیا جو مان جاتا، مان جاتا تو دل کیسے کہلواتا؟''

اس کا بس نہ چلتا ابھی کہ ابھی جا کر زیب شاہ نواز کو کس کے دو تھپڑ لگائے جو اس کی اچھی بھلی زندگی میں بھونچال لانے کا موجب بنی تھی، پر اس سے کیا ہو جاتا، دل کون سا سدھر جاتا، تنگ آ کر وہ ایک بار پھر مدد لینے وہیں پہنچی تھی،

مشورے، مفید اور مفت اور اگر کسی اور کو دینے ہوں تو ڈھیروں ڈھیر، بے شمار، لاتعداد تینوں ہی بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں۔

"توجہ دے کر توجہ لو، حق جتاؤ، رعب جماؤ، احساس دلاؤ، ہم تو اتنا جانتے ہیں عورت چاہے تو مرد کو اپنی مٹھی میں قید کر سکتی ہے، توجہ اور پیار ایسی چیزیں ہیں جن سے عورت مرد کو اپنا گرویدہ بنا سکتی ہے، خدمت، پیار، محبت، ایثار عورت یہ سارے ہتھیار پکڑ لے تو کبھی ہار نہیں سکتی۔" اماں کے بھاشن اسے دیکھتے ہی شروع ہو جاتے اور وہ خاموشی سے سنتی جاتی۔

☆☆☆

"کافی۔" وہ فائلیں کھولے کمپیوٹر سنبھالے بیٹھا تھا جب ایشاع نے مگ نزدیک رکھا۔

"رکھ دو۔" بنا نظر اٹھائے اس نے جواب دیا تھا۔

"میں نے خود بنائی ہے۔" بتانا ضروری سمجھا۔

"اچھا۔" شاہ یار نے اپنی مصروفیات سے ایک پل نکال کر اس کی سمت دیکھا۔

"پھر تو پینے کے قابل بھی کہاں ہو گی۔" تعریف اور شکریہ تو ایک طرف اسے دل جلانے سے فرصت نہیں تھی۔

"جی نہیں میں کافی بہت اچھی بناتی ہوں۔" بہت مشکل سے اس کا کڑوا جملہ حلق سے اتار کر اس نے سابقہ لہجے میں کہا تھا۔

"اوکے مان لیا اب میں کچھ کام کر لوں۔"

"جی ضرور۔" کہہ کر وہ رپورٹ دیتے زیب کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔

"پہلے خود پہ توجہ دو بیوقوف سچ سچ بتانا آخری بار منہ کب دھویا تھا، کل شام کو مگر کیوں؟" شہد رنگ آنکھیں حیرت سے پٹپٹاتے اس نے معصومیت سے پوچھا تو زیب کا دل چاہا ابھی کھڑے کھڑے اسے مرحومین کی فہرست میں شامل کر دے۔

"گدھی، شکل دیکھی ہے اپنی اور حلیہ دیکھو اس سے تو صفائی کرنے والی بشو کا حلیہ بہتر ہو گا۔" زیب نے سنگین الفاظ ادا کرتے اسے شیشے کے آگے لا کھڑا کیا تھا، زیب کو گھورتے اس نے نگاہ بھرتے آئینے کو دیکھا، وہ زیب کے الفاظ سچ ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔

"بے رونق چہرہ، بکھرے بال، ملگجے کپڑے، نہیں یہ میں نہیں ہو سکتی۔" اس کے لبوں سے چیخ نکلی تھی۔

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں ایشاع یہ تم نہیں ہو سکتی، یہ تو کوئی اور ایشاع ہے وہ ہر وقت نک سک سے تیار، چمکتی آنکھوں اور دمکتے چہرے والی ایشاع تو کوئی اور تھی۔"

"کہاں گم کر دیا ہے تم نے اسے۔" زیب کے سوال نے اسے ٹھٹک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

"میں نے نیا ہیر کٹ کروایا ہے کیسا ہے؟" وہ بیڈ پر نیم دراز کوئی کتاب کھولے اس کی ورق گردانی میں مصروف تھا، جب وہ مسکراتے چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔

"وہ پہلے والا اچھا نہیں تھا۔" وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"کس نے کہا؟" شاہ یار نے فوراً کتاب بند کرتے پوچھا تھا۔

"اس میں کم از کم انسان تو لگتی تھی۔" سگریٹ سلگا کر اس نے بات مکمل کی تھی۔

"کیا مطلب؟ اس میں چڑیل لگتی ہوں کیا؟" اس نے بھڑکتے لہجے میں پوچھا تھا۔

"خود شناسی اچھی چیز ہے۔" بے نیاز لہجہ

اس نے اس کے چہرے پر مذاق کے تاثرات ڈھونڈنے چاہے اسے شدید ناکامی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"ہمیں تو وہی ایشاع چاہیے جو پراعتماد تھی، زندہ دل جو چیلنج قبول کرنا جانتی تھی جسے جیتنے کا فن آتا تھا۔"

آج زیب کا ہاتھ بٹانے کو شفی بھی موجود تھی اور دونوں مل کر اس کی برین واشنگ کر رہی تھیں۔ سو وہ اگلے ہی لمحے پھر شاہ یار کے سر پر سوار تھی۔

"مجھے پیسے اور وقت چاہیے۔" پر اعتماد انداز میں کہتے ہوئے اس نے شاہ یار کو ہلکی سی حیرت میں مبتلا کیا تھا۔

"کیوں؟" اطمینان سے پوچھا گیا تھا۔

"شاپنگ کے لئے۔" اس نے بتانے میں دیر نہیں کی۔

"یہ لو۔" سیاہ والٹ اس کے سامنے رکھا گیا تھا۔

"میں نے وقت بھی کہا ہے۔" اس نے یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

"وہ میرے پاس نہیں۔" صاف لہجہ کھرا جواب۔

"تو پھر میں کس کے ساتھ جاؤں۔" ابرو اٹھا کر اس نے سوال اٹھایا تھا۔

"اس گھر میں بہت سارے لوگ بستے ہیں کسی کے ساتھ بھی چلی جاؤ۔" بے نیاز انداز میں دیا گیا مشورہ اسے تیر کی طرح لگا تھا۔

"میں ان سب کی نہیں آپ کی بیوی ہوں اور مجھے آپ کے ساتھ ہی جانا ہے۔" دوٹوک انداز اٹل لہجہ وہ ایک نظر دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"کہاں تھے آپ؟" سوال بھی عجیب تھا اور لہجہ عجیب تر، اس کی فراخ پیشانی لمحوں میں سکڑی تھی۔

"کیوں؟ اور یہ کون سا انداز ہے بات کرنے کا؟" سخت لہجے میں اس نے جواب طلبی کی تھی۔

"وہ مجھے آپ سے ضروری بات کرنا تھی۔" اب کچھ تو کہنا تھا۔

"ہوں، تو چلو وہ ضروری بات ابھی کر لیتے ہیں۔" اگلے ہی پل وہ پرسکون سا ہو کے کہتا بیڈ پر بیٹھا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سامنے بٹھا لیا تھا۔

"اب کہو۔" گہری نظریں اس کے صبیح چہرے پر ٹکی تھیں اپنی طرف یک ٹک دیکھتے شاہ یار حسن کی وجہ سے اسے جو یاد تھا وہ سب بھی بھولا تھا۔

"ہاں وہ مجھے آپ سے پوچھنا تھا کہ برف صرف سفید کیوں ہوتی ہے سیاہ کیوں نہیں؟" بدحواسی میں منہ سے اتنا ہی بے ڈھنگا ہی نکل سکتا تھا (دھت تیرے کی) اس نے بنا ہاتھ ہلائے اپنا ماتھا پیٹا، مگر خلاف معمول وہ یونہی نگاہ جمائے دیکھے گیا تھا۔

(یہ مجھے اس دنیا کی سب سے بیوقوف، احمق لڑکی سمجھتا ہے تو آج میں نے خود ہی اس کے اندازوں کی تصدیق کی)۔

"ہوں سوال تو غور طلب ہے چلو سوچتے ہیں، ہاں مگر پلیز تم اپنے ذہن پر زیادہ زور مت دینا اوکے، آپ آرام کرو۔" وہ ہلکے سے اس کا گال تھپتھپاتا اٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

دن ایک ایک کر کے گزرتے رہے اور پھر وہ بابرکت اور مقدس مہینہ بھی آ پہنچا جس کی ایک ایک ساعت سے رحمتیں اور برکتیں سمیٹ لینے کا

جی چاہتا ہے، رمضان المبارک کا اہتمام شاہ ہاؤس میں ہمیشہ ہی بہت زور و شور سے کیا جاتا تھا، تمام ہی مکینوں کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اس ماہ مبارک سے جتنی بھی رحمتیں اور برکتیں اپنے دامن میں سمیٹ سکیں سمیٹ لیں۔

تایا ابا اور شاہ یار نماز تراویح سے فارغ ہو کر گھر آئے تو انہوں نے اسے اپنی اسٹڈی میں بلوالیا تھا۔

"جی ابا!" وہ نماز والی ٹوپی سر سے اتارتا ان کے سامنے آبیٹھا تھا۔

"بیٹھو، میری بات غور اور توجہ سے سننا شاہ یار رشتے صرف بنانا اہم نہیں ہوتا انہیں نباہنا اہم ہوتا ہے پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ، میں جانتا ہوں بیٹا من چاہے رشتوں کی نسبت ان چاہے رشتوں کو نبھانا زیادہ مشکل اور کٹھن ہوتا ہے اور بعض دفعہ تو ہر قدم پر پل صراط گمان ہوتا ہے، ان چاہا رشتہ ایسے بوجھ کی طرح ہوتا ہے جسے ڈھونا، ننگے پاؤں جلتے کوئلوں پر چلنے کے مترادف ہے، من چاہے رشتوں کے لئے انسان ہنستے ہنستے جان بھی قربان کر دیتا ہے اور ان چاہے رشتے کے لئے سوئی برابر قربانی دینا بھی بندے کو قیامت سے گزرنے کے برابر لگتا ہے پر بیٹا اصل قربانی بھی تو وہی ہوتی ہے، کچھ فیصلے غلط ہوتے ہیں پر جب ہو جائیں تو انہیں نبھانا بھی پڑتا ہے، وہ تمہاری بیوی ہے تمہاری ذمہ داری، تمہاری سب سے زیادہ توجہ اور محبت کی حقدار، میاں بیوی کے رشتے کی بنیاد اور مضبوطی انہی چند چیزوں پر ہوتی ہے، اعتماد، بھروسہ، توجہ، ایک دوسرے کا احترام اور احساس یہ چیزیں اسے دو گے تو ہی یہ رشتہ مضبوط ہو گا گھر مضبوط ہو گا، ہم سب تمہارے اپنے ہیں اور تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔" تایا ابا خاموش ہوئے تو وہ سر جھکا کر وہ گیا جانتا تھا وہ یہ سب کیوں کہہ رہے ہیں پھر اسی خاموشی سے اٹھ کر اپنے کام کرنے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

رمضان المبارک کے پہلے دو عشرے گزر چکے تھے اور تیسرا عشرہ شروع تھا، شاہ یار روزے کی وجہ سے آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا، وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہونا چاہ رہا تھا جب اس کے قدم اندر سے آتی ایشاع کی آواز پر تھمے تھے۔

"ایک اچھا شوہر وہ ہوتا ہے جو اپنی بیوی پر توجہ دے، اسے دیکھے، اسے سراہے، اور اس سے محبت کرے۔" ایشا کی بات سے وہ چاروں متفق تھیں شاہ یار نے لفظ لفظ خاموشی سے سنا تھا۔

رات کو بیٹھا لیپ ٹاپ پر اپنا کام کر رہا تھا جبکہ ایشاع عشاء کی نماز میں مصروف تھی، اس کی نظریں کتنی دیر سے اس پر ٹکی تھیں، جو بہت خشوع و خضوع سے نماز میں مصروف تھی، نماز پڑھنے کے بعد اس نے بنا دعا مانگے مصلیٰ اٹھالیا تھا۔

"تم نے دعا کیوں نہیں مانگی؟" وہ اچانک ہی پوچھ بیٹھا تھا۔

"ہر چیز مانگنے سے کب ملتی ہے؟" یاسیت سے کہہ کر وہ دوسری سائیڈ پر آئی تھی۔

"یقین اور بھروسے سے مانگو تو مل بھی جاتی ہے۔" شاہ یار کے نرم لہجے پر اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

آج چاند رات تھی اور وہ سب خنساء پھپھو کی طرف انوائیٹڈ تھے، گرے جامنی رنگ کے لباس میں ہلکا پھلکا میک اپ کیے وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی، تبھی ہی تو شاہ یار حسن کی نظریں بار بار اس پر اٹھ رہی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی یوں سب کے سامنے مجھ پر یوں نظریں گاڑھ کر بیٹھنے کی، کیا سوچتے ہوں گے سب۔" پھپھو کے گھر سے واپسی پر اس نے گاڑی میں ہی اعتراض اٹھایا تھا۔

"مما کل تو کہہ رہیں تھیں کہ تمہارے پاپا بہت سڑیل ہیں نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا اور آج کہہ رہی ہیں کیوں دیکھا؟" سنی نے بہت غلط وقت پر بانڈا پھوڑا تھا۔

"گدھے تجھے تو میں گھر جا کر پوچھوں گی، اچھا....." شاہ یار نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی تھی، جو اپنا راز کھلنے پر اب شرمندہ سی دیکھائی دے رہی تھی۔

☆☆☆

"جلدی سے ریڈی ہو جاؤ تمہارے پاس پندرہ منٹ ہیں ہم باہر جا رہے ہیں۔" وائٹ کاٹن پینٹ پر وائٹ ہی شرٹ پہنے اس کے بالکل سامنے کھڑا شاہ یار اور مسکراتے لبوں سے نکلتے الفاظ۔

اگر یہ خواب تھا تو ایشاع شاہ یار نے ساری زندگی اس خواب سے باہر نہ آنے کا فیصلہ لمحوں میں ہی کر لیا تھا۔

"اب ایسے تو مت دیکھو۔" کہہ کر شاہ یار مسکرا دیا۔

"تو یہ خواب نہیں حقیقت اتنی خوبصورت بھی ہو سکتی ہے۔" اسے آج سے پہلے کب یقین تھا؟ بلیک قیمتی ساڑھی اس پر سج کر انمول ہو گئی تھی، ہلکا سا میک اپ ہی اس کے چاند چہرے کو چار چاند لگا دیتا تھا، سیاہ ڈھیروں ڈھیر کانچ کی چوڑیاں اور ننھے ننھے نگوں سے سجے ٹاپس۔

"بہت اچھی لگ رہی ہوں۔" شاہ یار اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا، پرفیوم اسپرے کرتے اس کے ہاتھ ایک لمحے کے لئے تھمے۔

"آج یہ انقلاب کیسا؟"

"ایک اچھا شوہر بننے کی پریکٹس کر رہا ہوں یار اور تم ہو کہ۔" ریسٹ واچ باندھتے اس نے باقی بات لبوں پر ہی روکی تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ فوراً مڑی اور اس کے چوڑے سینے سے ٹکرائی۔

"تم خود ہی تو کہہ رہی تھی ایک اچھا شوہر اپنی بیوی کو دیکھتا ہے، اس پر توجہ دیتا ہے اسے سراہتا ہے اور اسے پیار کرتا ہے، پہلی تین کے لئے مجھے تھوڑی کوشش کرنی پڑی مگر چوتھی تو خود بخود ہی ہو گی، محبت کی بات کر رہا ہوں یار! پتہ نہیں چلا کب کیسے پر اب تو ہو گی۔" شاہ یار نے اس کا ٹھنڈا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"اور مجھے یقین ہے ہر گزرتے لمحے میں اس میں اضافہ ہی ہو گا۔" اپنے بالکل سامنے کھڑے شخص کے منہ سے نکلتے الفاظ اسے عجب طرح کی خوشی اور سرور سے آشنا کر رہے تھے، اسے مجبور کر رہے تھے جادو چلا رہے تھے۔

"کیا تم میری محبت قبول کرتی ہو ایشاع شاہ یار حسن؟" اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا اس شخص کی آنکھوں میں آس تھی، وہ اس آس کو کیسے توڑ دیتی وہ بھی تب جب اسے خود اس شخص سے بے تحاشا محبت تھی، اس نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اسے کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

خوشیاں ہر سو مسکرانے لگی تھیں عید آنے میں تو ابھی دو دن باقی تھے جبکہ ایشاع شاہ یار حسن کے لئے تو عید آ چکی تھی، شاہ یار حسن سے محبت آج نہیں اس وقت سے اس کے دل میں تھی جب وہ محبت کا مفہوم بھی نہ جانتی تھی، اس کو دیکھنا، سوچنا اور اس سے وابستہ ہر چیز کو عزیز جاننا محبت نہیں تھی اور کیا تھا؟؟؟

☆☆☆

تم آخری جزیرہ ہو

ام مریم

تیئسویں قسط کا خلاصہ

پپا معاذ کے ساتھ جہاں کی بھی شادی کے خواہاں ہیں مگر جہان ہرگز آمادہ نہیں، پپا ہے خود انکار کرنے کی بجائے جہاں زالے کو انکار کرنے کا حکم دیتا ہے۔

گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں مگر معاذ ہنوز اس منصوبے سے لاعلم ہے، البتہ پرنیاں کا سخت رویہ ضرور سے اب غصہ دلانے لگتا ہے، اسی غصے میں معاذ شادی سے دو دن پہلے جس دن پرنیاں نے ہمیشہ کے لئے ہاسٹل چھوڑ کر شاہ ہاؤس میں آنا ہے اسے لے کر ہوٹل میں آجاتا ہے، وہ پرنیاں کو یہ بتا کر سراسیمہ کر دیتا ہے کہ وہ اسے رخصت کرا لایا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چوبیسویں قسط

وہ دہل کر دو قدم پیچھے ہٹی اور ڈرتے ڈرتے معاذ کو دیکھا جس کا چہرا سپاٹ اور آنکھیں بے تاثر تھیں مگر یقیناً ان کے پیچھے کوئی بہت بڑا طوفان چھپا ہوا تھا اس کے ارادے ہرگز نیک نہیں لگتے تھے، وہ کوئی عام انسان نہیں تھا، ہٹ دھرم، کینہ پرور، خودسر، ضدی اور خود پسند انسان تھا، وہ صرف اپنی منوا کر ہی خوش ہوا کرتا تھا اس سے کچھ بعید نہیں تھا کیا کر گزرے، وہ انتہا پسند وحشی اور طاقت و مردانگی کے زعم میں مبتلا مغرور انسان تھا جس کی نازک انا کو وہ غلطی سے جھنجوڑنے کی گستاخی کر چکی تھی، اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا اسے کچھ نہیں سوجھ رہی تھی وہ کیا کرے، اس کا بدن لرزنا شروع ہو چکا تھا، معاذ نے پہلے کوٹ اتارا تھا پھر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے انٹرکام پہ انتظامیہ سے رابطہ کر کے شاید کچھ منگوایا تھا، پرنیاں کو اور کچھ نہ سوجھی تو اندھا دھند دروازے کی سمت بھاگ کھڑی ہوئی، اس کا دوپٹہ اس کے پیر میں الجھا تھا، مگر وہ نہیں نہیں نہ دروازے تک پہنچ پائی معاذ نے اس سے پہلے اسے رستے میں ہی قابو کر لیا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"چھوڑیں مجھے۔" وہ بری طرح مچلی تھی اس کی گرفت میں۔

"اب تم یہاں سے تب جاؤ گی جب میری مرضی ہو گی، سمجھی ہو تم۔" وہ بولا نہیں غرایا تھا، پرنیاں ایک دم رو پڑی اور روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"مجھے واپس لے چلیں معاذ، مجھے معاف کر دیں، میں وعدہ کرتی ہوں، آئندہ کبھی آپ کو ہرٹ نہیں کروں گی۔" معاذ نے غصہ چھلکاتی سرخ آنکھوں سے اسے آنسو بہاتے دیکھا تھا پھر نخوت زدہ انداز میں بے رحمی سے بول پڑا۔

"اب معافیاں مانگنے اور منتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تمہارے آنسو اپنے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتے، مجھے وحشتوں کے سمندروں میں پھینک کر تم میری بے بسی کا تماشا دیکھتی رہیں، میرا سکون تمہاری وجہ سے برباد ہوتا رہا، تمہیں احساس تھا، الٹا تم بھی سب کے ساتھ مل کر میرے جذبات سے کھیلتی اور میرا مضحکہ اڑاتی رہیں۔" اس نے پرنیاں کو دھکا دے کر بیڈ پر گراتے ہوئے چیخ چلا کر کہا، اس پہ ایک دم جیسے جنونی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا، پرنیاں کا تو دم حلق میں اٹکنے لگا، وہ فق چہرے سے اسے دیکھنے لگی، اس کا ریشمی دوپٹہ ڈھلک گیا تھا مگر اسے خیال تک نہ آیا، اس کی جان تو معاذ کے تیوروں کے آگے نکلی جا رہی تھی، جس کے چہرے پر پھیلتے ہوئے طیش اور جنون آمیز غصے نے اس کا خون خشک کر دیا تھا، معاذ کی آنکھوں کے شعلے گویا اسے جلا کر خاکستر کر دینے کے درپے ہو گئے تھے۔

"میں آپ سے پھر معافی مانگتی ہوں معاذ پلیز میرے ساتھ اس طرح مت کریں، مجھے میری نظروں سے مت گرائیں معاذ۔" وہ کچھ اور شدتوں سے گڑگڑانے لگی کہ معاذ نے اس کا دوپٹہ کھینچ کر دور اچھال دیا تھا پرنیاں کی سراسیمگی انتہاؤں کو چھونے لگی۔

"میرے جیسے انسان کا کسی کو معاف کر دینا اتنا آسان نہیں ہے، وہ بھی اس صورت جبکہ تم نے ایک بار نہیں متعدد بار میرے جذبوں کی توہین کی ہے، میری عزت نفس، انا، غیرت اور مردانگی کو اپنے غرور اور ضد کے قدموں تلے روندا ہے، میں اپنا وقار مرتبہ اور انا بھلا کر تمہارے پیچھے دیوانہ وار لپکتا رہا اور تم میری محبت اور بے بسی کا تماشا دیکھ کر ہنستی رہیں، میں اپنی انا کو بیچ میں لائے بغیر ہر بار تمہاری غلطیوں کو درگزر کر کے تمہاری طرف ہاتھ بڑھاتا لیکن تم ہمیشہ میری تذلیل کرتی رہیں، صرف یہی نہیں میری پوری فیملی کو

بھی اپنے ساتھ ملا کر اپنے اشاروں پر نچانا شروع کر دیا، تم نے بار بار میری انا اور عزت کو ٹھوکر ماری، خود کو ناقابل تسخیر بنا کر پیش کرنے والی لڑکیوں کا انجام اس سے مختلف نہیں ہوتا۔"

اس کے سرخ و سفید چہرے پہ خشونت و برہمی مترشح تھی بادامی آنکھیں خون چھلکاتی محسوس ہو رہی تھیں، پرنیاں مسلسل سر کو نفی میں ہلاتی آنسو بہاتی گویا اس کے اندازوں کی تردید کرتی رہی مگر وہ کچھ سننے پہ آمادہ کہاں تھا۔

"میری بات سنیں معاذ، پرسوں ہماری شادی ہے، آپ سے یہ بات چھپائی گئی تھی، مگر میں آپ کو بتاتی ہوں پلیز پلیز مجھے چھوڑ دیں اور......" وہ جیسے ہی اس کے نزدیک آیا اور اس پہ گرفت کرنی چاہی پرنیاں بدک کر فاصلے پہ ہوئی تھی اور تقریباً چیختے ہوئے اسے بتایا گیا گویا اس اقدام سے روکنے کی کوشش کی مگر معاذ پہ الٹا اثر ہوا تھا، اس کے چہرے پر یکلخت شدید طیش اور جنون آمیز غصہ پھیلا تھا۔

"گویا ایک بار پھر مجھے بے وقوف بنایا گیا اور آپ بھی شامل تھیں، یہ بتائیں کیا میں شکل سے آپ کو پاگل نظر آتا ہوں۔" وہ حلق کے بل چیخا تھا، پرنیاں سہم کر متوحش نظروں سے بے قابو ہوتی دھڑکنوں اور نم آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی، اس کی غیرت و حمیت پر ایک مرتبہ پھر گویا تازیانہ مارا گیا تھا، تبھی اس کا دماغ الٹ سا گیا تھا، اس کی طبیعت کی مخصوص قسم کی انتہا پسندی اور خود کو برتر ثابت کرنے کا زور آور خیال کچھ اور بھی شدت اختیار کر گیا، پرنیاں اس کی جنون خیزی اور جری جسارتوں پر مرغ بسمل کی طرح سے تڑپنے اور سسکنے لگی مگر وہ جتنا احتجاج اور مزاحمت کر رہی تھی وہ اسی قدر بپھر رہا تھا، مگر اس غصیلے جارحیت سے بھرے انداز میں بھی معاذ کی توجہ محبت اور التفات کا رنگ غالب تھا، قربتوں کے سارے احساس اور رنگ حسین تر تھے، ماحول میں محبت کا رقص تھا ایک جادو سا ہر سو پھیل رہا تھا، معاذ پہ بے خودی طاری تھی، اس کی محبت ایک حشر اٹھا رہی تھی، التفات کی تیز بارش تھی مگر پرنیاں کی جان ہر لحظہ فنا ہو رہی تھی، وہ جیسے صحرا کی دھوپ میں ننگے سر ننگے پیر کھڑی جھلس رہی تھی، اس کی مزاحمت دم توڑنے لگی، وہ التجائیں کرتے ہار سی گئی وہ کچھ سننے پہ آمادہ نہیں تھا، وہ فاتحانہ مسکراہٹ سے اسے دیکھ کر مسکرایا، جیسے اس کی ہار بے بسی اور بوکھلاہٹ سے حظ لے رہا ہو، پرنیاں نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں اور بے تحاشا بے حساب روتی چلی گئی تھی، وہ واقعی ہر لحاظ سے ہار گئی تھی۔

☆☆☆

بھابھی اندر آئیں تو وہ اسی وقت باتھ لے کر نکلی تھی، پورا جسم شدتوں سے کپکپا رہا تھا، بھابھی تو دیکھتے ہی تشویش کا شکار ہو گئیں، پہلے ہیٹر آن کیا پھر اسے جلدی سے پکڑ کر کمبل میں چھپایا۔

"کیا ہو گیا ہے پری، نہانا اتنا ضروری تھوڑی تھا، طبیعت تو تمہاری پہلے ہی ٹھیک نہیں تھی۔" پرنیاں نے اس پل ان سے ہی نہیں خود اپنے آپ سے بھی نظریں چرائی تھیں، چند گھنٹے قبل وہ معاذ کے ساتھ گھر پہنچی تھی، شاہ ہاؤس کی آرائش شروع ہو چکی تھی برقی قمقمے اور پھولوں کے ساتھ گھر کا ہر کونہ سجایا جا رہا تھا، تقریباً سبھی افراد گھر پہ جمع تھے سوائے پپا کے اسے ایک بار پھر معاذ کے ساتھ آتے دیکھ کر ہاہو کار مچا دی گئی۔

"انہیں تو آج شام کو آنا تھا وہ بھی ہم سے کسی کے ساتھ، آپ کیوں لے آئے۔" زیاد نے آنکھیں نچا کر کہا تھا، معاذ نے ایک شوخ نگاہ پرنیاں پہ ڈالی اور بے ساختہ مسکرایا۔

"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے، کیوں پری۔" اپنی من مانی کر کے اس کا موڈ پھر سے باغ بہار قسم کا ہو گیا تھا، سرشاری اس کی ہر انداز سے چھلکتی تھی، جبکہ پرنیاں نے رو رو کر اپنا حال خراب کر لیا تھا، معاذ اسے بہلاتے چپ کراتے جب ہارنے لگا تو زچ ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے رولیں، آنکھوں کا حشر کر لیا ہے، گھر جا رہی ہیں آپ یاد رہے وہاں سب آپ سے اس کی وجہ ضرور پوچھیں گے، کیا جواز دیں گی؟"

اس کی آنکھیں پھر سے آنچ دینے اور شوخ رنگ سمیٹ لائی تھیں، پرنیاں کے آنسوؤں میں کچھ اور روانی آئی اس نے رخ پھیرا تھا اور خود پہ قابو پانے لگی، زیاں ملال، اور پامالی کا احساس اتنا شدید تھا کہ وہ خود کو سنبھال ہی نہ پا رہی تھی، وہ جتنی بھی کوشش کر لیتی اپنی سبکی اور تذلیل کے اس واقعہ کو بھلا نہیں سکتی تھی، نہ اس کی شدت کے احساس کو ختم کر سکتی تھی کہ یہ احساس تو روح کو کچوکے لگا رہا تھا، معاذ کے سمجھانے پہ اس کا دل کچھ اور بھی خون ہوا تھا، تذلیل کوئی لباس یا پوشاک نہیں ہوتی جسے اتار کر مطمئن ہوا جا سکتا، وہ تو اندر سرائیت کر جاتی ہے وجود کے کھال بن کے جسم سے چمٹ جاتی ہے، زندگی میں پہلی بار اس نے اپنی بے مائیگی کے احساس کے ساتھ دل کو خون روتے دیکھا تھا، اسے لگا تھا اسے بہت اونچائی سے نیچے پھینک دیا گیا ہو، اسے اس کی اوقات بتا دی گئی ہو، ہاں اسے اس کی اوقات ہی بتائی گئی تھی، معاذ نے اتنے دھڑلے کے ساتھ اپنی من مانی کی یہ اس وجہ سے تھی کہ وہ جانتا تھا پرنیاں کے میکے کا سہارا نہیں ہے، کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں تھا، وہ جب سے اس کے عقد میں آئی تھی انہی کے در پہ پڑی تھی، ایسی لاوارث بے یار و مددگار لڑکی کے ساتھ تو اس سے بھی برا رویہ روا رکھا جا سکتا تھا، اس کی زندگی میں اس سے زیادہ ذلت آمیز لمحے کبھی نہیں آتے تھے جب وہ اپنی ہی نظروں میں اس بری طرح ریزہ ریزہ ہوئی ہو، تب بھی نہیں جب پہلی بار معاذ نے اسے ہتک آمیز انداز میں ٹھکرایا تھا، اب تو اسے لگتا تھا اس کے وجود پہ سناٹا اتر آیا ہو ایسا سناٹا جو میدان جنگ کے بعد ہارے ہوئے لشکر اترتا ہے، وہ بھی تو ہار گئی تھی پامال کر دی گئی تھی، وہ احساس زیاں میں گم سا کن بیٹھی تھی، اس کی سوچوں اور احساسات پہ بھی یخ بستہ ہوا ٹھہر گئی تھی، معاذ کے کاندھے سے اس کا کاندھا زور سے ٹکرایا، جو معاذ نے خود ہی اسے مارا تھا، گویا اسے متوجہ کرنا چاہا، وہ ہڑبڑا کر جیسے گہری نیند سے جاگی اور خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"پری یہ سب پوچھ رہے ہیں ہم کہاں چلے گئے تھے، بتا دیں کہاں تھے ہم؟" معاذ کی آنکھوں کا بہکا بہکا ہوا انداز مچلتی مسکراہٹ اس کے اندر سوئی وحشت کو پھر سے جگانے لگی۔

"مجھے تو لگتا ہے یہ بہت سارا روئی ہے، سچ بتاؤ معاذ جھگڑا کیا ہے پھر میری بچی کے ساتھ؟" مما اسی وقت وہاں پہنچی تھیں، پرنیاں کو ایک نظر دیکھ کر ہی ان کا دل ہول گیا تھا، اس کی آنکھیں شدت گریہ سے سوجن کا شکار تھیں، پرنیاں کو جانے کیا ہوا وہ مما کے گلے لگ کر پھر سے زار و قطار رونا شروع ہو گئی، سب کی سوالیہ نگاہیں معاذ پہ اٹھی تھیں، وہ بری طرح سے گڑبڑایا۔

"کیا ہو گیا ہے سب کو، کیوں شک کر رہے ہیں، قسم لے لیں جو جھگڑا کیا ہو، میں تو پیار ہی کرتا رہا ہوں ایمان سے۔" پرنیاں نے مما کے ساتھ لگے لگے وضاحت سنی تھی اور خود کو جل کر خاکستر ہوتا محسوس کرنے لگی۔

"میں مان ہی نہیں سکتی معاذ کہ آپ نے بچی کو کچھ نہ کہا ہو اور وہ اس طرح سے روئے، سچ بتا دو

ورنہ میرے دل کو کچھ ہو جائے گا۔"

مما کے واقعی ہاتھ پیر پھولنے لگنے تھے، کچھ دیر میں مہمانوں کی آمد متوقع تھی اور ہونے والی دلہن کے اس طرح رونے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا، مما بھی پرنیاں کو سنبھالتیں کبھی معاذ کو گھور نہیں تھیں۔

جو سچ کہیں تو یارو ہم کو خبر نہیں تھی
بن جائے گا قیامت اک واقعہ ذرا سا

وہ بے بسی سے بڑبڑایا پھر بولا تھا۔

"افوہ آپ بھی نا بس مما معمولی باتوں پہ گھبرا جاتی ہیں، میں مارکیٹ لے گیا تھا، انہیں شاپنگ کے لئے نہیں جو جیولری سیٹ پسند آیا وہ بہت مہنگا تھا، میں نے سمجھایا اتنا افورڈ نہیں کر سکتا کوئی اور لے لیں، بس اتنی سی بات کو انا کا مسئلہ بنا لیا، کہہ رہی ہیں میں نے انسلٹ کی ہے ان کی اتنی منتیں کرتا آیا ہوں راستے بھر، یہ بھی کہا کہ وہی سیٹ لے لیں مگر مانتی ہی نہیں، آپ بتائیں اب کیا کروں۔" وہ اتنی روانی اور دھڑے سے جھوٹ بول رہا تھا اور ایسی خوبصورتی اور حاضر جوابی سے معاملہ سنبھالا تھا کہ خود پرنیاں بھی حیران بلکہ بھونچکی رہ گئی، مما نے کچھ متحیر ہو کر پرنیاں کو دیکھا، جس کا سر ہنوز جھکا ہوا تھا اور ہونٹوں پہ سسکیاں تھیں۔

"ہاں تو اتنی سی بات کے لئے آپ کو بچی کو ہرٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی معاذ! آپ اگر نہیں بھی افورڈ کر سکتے تھے تو آپ کے پپا پے منٹ کر دیتے، خیر ابھی جائیے اور میری بیٹی کو پسند کیا ہوا سیٹ لے کر آئیے۔" مما نے لمحوں میں مسئلہ حل کر دیا، پرنیاں کے اندر غضب کا احتجاج اٹھ آیا، اس کے دل میں آئی معاذ کا بھانڈا سب کے بیچ پھوڑ ڈالے مگر پھر نئے سرے سے اس معاملے کی کرید ہوتی جو اسے گوارا نہیں تھی، جبھی چپ سادھ لی تھی۔

"جی بہتر جیسے آپ کا حکم!" معاذ نے سعادت مندی کا مظاہرہ ضروری خیال کیا، مما خود اس کے کمرے میں لے کر آئی تھیں، جہاں زینب بے وقت سو رہی تھی۔

"آپ بھی ذرا آرام کر لو بیٹے، رات کی تقریب کی طوالت کا کچھ اندازہ نہیں، آپ تھک جاؤ گی میں آپ کے کھانے کو کچھ بھجواتی ہوں۔" مما اسے پیار کر کے واپس چلی گئی تھیں، پرنیاں کچھ دیر ساکن اور رنجیدہ سی بیٹھی رہی پھر واش روم میں چلی گئی تھی، موسم بدل گیا تھا، دسمبر کا آغاز تھا، گرم پانی سے غسل کے باوجود اس کا جسم کپکپاہٹ کا شکار ہو گیا تھا شاید اسے ٹمپریچر ہو گیا تھا، جبھی پورا بدن ٹوٹتا ہوا محسوس کرنے لگی تھی وہ، زینب شاید اس وقت جب وہ واش روم میں تھی اٹھ کر باہر چلی گئی تھی، پرنیاں کمبل اوڑھنے کے باوجود سردی محسوس کر رہی تھی۔

"یہ چائے پیو تم سردی کم ہو گی، عین شادی کے دنوں میں طبیعت خراب ہونا پریشان کن بات ہے، تم رکو میں معاذ کو بلا کر لاتی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ وہ انہیں ٹوکتی بھابھی باہر نکل گئی تھیں، پرنیاں اس کے سامنے لئے ہرگز تیار نہیں تھی، اس کا موڈ اتنا خراب ہوا تھا کہ ہاتھ میں پکڑا چائے کا مگ اور سلائس دونوں واپس رکھ دیئے، آنکھوں میں اپنی بے بسی کے خیال سے پھر سے آنسو اترنے لگے، اگلے چند منٹ میں معاذ اس کے روبرو تھا، پرنیاں اس سے بچاؤ کی خاطر سر تک کمبل اوڑھ چکی تھی۔

”پری کیا ہوا یار؟ بھابھی بتا رہی تھیں تمہاری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“ معاذ اس کے سرہانے کی جانب آیا تھا پھر اس کے اوپر سے کمبل سرکایا، پرنیاں طیش بھرے انداز میں ایک جھٹکے سے اٹھی، سیاہ بالکل سیدھے ریشمی بالوں کا آبشار اس جھٹکے سے لہرا کر کاندھے اور سینے پہ بکھر کر پھر سمٹ گیا، اس کے چہرے پہ جیسے آگ کی لپٹیں تھیں۔

”چلے جائیں آپ یہاں سے، میں ایک منٹ بھی آپ کو برداشت نہیں کر سکتی۔“ وہ چیخ پڑی تھی، مگر معاذ نے اس کی خفگی کا ہرگز برا نہیں مانا، سیاہ کپڑوں میں مہکتی خفا خفا سی کھنچی کھنچی سی وہ بے انتہا خوبصورت لڑکی اسے بے حد اپنی اپنی محسوس ہوئی، معاذ کی آنکھوں میں اس کے ناراض کے مظاہرے پہ شرارت اتر آئی۔

”اُف...... اُف اتنا غصہ، نہ میری جان صرف دھان پان صحت کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے یہ غصہ۔“ اس کا موڈ ہنوز خوشگوار تھا، اپنی جیت اور سب پا لینے کا نشہ اس کی آنکھوں چمک رہا تھا، مگر پرنیاں کی آنکھوں میں سرخی اُمڈنے لگی، اس سرخی کے عقب میں مجروح ہو جانے والی ان گنت اور تذلیل و ہتک کا دھواں اٹھ رہا تھا، پرنیاں کو لگ رہا تھا وہ اپنی جیت اور اس کی بربادی کا تماشا دیکھنے آیا ہے۔

”چلے جائیں ورنہ میں......“ بے بس کے احساس نے اسے مغلوب کر لیا، وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں رہی تھی، معاذ آہستگی سے مسکرایا اور گہری نظروں سے ازسرے تو اس کا جائزہ لیا۔

”آپ کو میرا احسان مند ہونا چاہیے، الٹا خفا ہو رہی ہیں، کس خوبصورتی سے میں نے معاملہ سنبھالا، داد دیں نا مجھے۔“ اس کا لہجہ شوخ تھا، بے فکرا تھا، وہ کتنی گہری نظروں سے اس کے تازہ غسل سے نکھرے وجود کو دیکھ رہا تھا، گیلے بال پشت پہ بکھرے ہوئے تھے، جن کے سروں سے پانی کے شفاف قطرے ابھی بھی موتیوں کی طرح ٹوٹ کر بکھر رہے تھے، وہ ایسے تو شگفتہ پھول کی طرح مہکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی جو شب رفتہ کی تمام خوبصورتیاں سمیٹنے کے بعد اوس میں نہا چکا ہو، معاذ کی شرارتی آنکھیں اس کے چہرے کو دیکھتے ہی کسی سرکش جذبے کی شدت سے مسکرا دیں۔

”بالوں کو ٹاول میں لپیٹیں، سردی اسی وجہ سے اتنی لگ رہی ہے آپ کو۔“ وہ بالکل اس کے نزدیک آ کر کھڑا ہو کر اس کا ٹمپریچر چیک کر رہا تھا، اتنا نزدیک کہ اس کے قرب کی آنچ پرنیاں کے حواس جھلسانے لگی، اگر بھابھی کمرے میں نہ آ چکی ہوتیں تو جتنا طیش اسے آ رہا تھا وہ یقیناً معاذ کو دھکیل کر خود سے پرے کر دیتی، مجبوری سی مجبوری تھی، اس خودسر شخص کے آگے وہ خود کو انتہائی لاچار محسوس کر رہی تھی، ایک حزن آ کر اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا تھا۔

”کوئی اچھی سی دوا دینا، بخار نہ چڑھے، پرنیاں کی فٹنیس کی سخت ضرورت ہے ہمیں۔“ بھابھی نے معاذ کو مخاطب کیا تھا، وہ آہستگی سے کھنکارا۔

”کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے مادام! ہم جانتے ہیں، آپ سے زیادہ ہمیں ان کی فٹ نس کی ضرورت ہے۔“

پرنیاں کو خصوصیت سے دیکھ کر وہ معنی خیزی سے کہہ رہا تھا، لو دیتا سرگوشیانہ لہجہ نگاہوں کی گستاخانہ چمک پرنیاں کے اندر دھواں سا پھیلنے لگا، دل گرفتگی کا وہ عالم تھا کہ روح میں اترتی محسوس ہوتی تھی، وہ بے دم سے انداز میں تکیے پہ گر سی گئی، معاذ میڈیکل باکس بند کر رہا تھا، اس نے ایک بار پھر اپنے اوپر

کمبل کھینچ لیا، ایک بار پھر آنسو تھے۔

☆☆☆

ان کے رخسار پہ ٹھہرے ہوئے آنسو توبہ
ہم نے شعلوں پہ مچلتی ہوئی شبنم دیکھی

وائیٹ شلوار بلیک کرتے میں ملبوس گلے میں آگے کی جانب کر کے لٹکایا ہوا صافہ جس کا رنگ سرخ تھا اور اس کی جھلک اس کے فریش صحت منداور بے حد خوبرو چہرے پہ بھی پڑتی تھی اور اسے کچھ اور بھی حسین بنا کر دکھاتی تھی پہنے وہ بالکل تیار ہو چکا تھا، تقریب کا آغاز ابھی ہوا نہیں تھا، مگر شاہ ہاؤس کا کونہ کونہ گیندے کے پھولوں موتیے کی لڑیوں سے سجا اور مہکا ہوا تھا، روشنیوں کی الگ بہار سی اتری ہوئی تھی، وہ یہی سارے انتظامات دیکھتا پھر رہا تھا، انداز ایسا تھا گویا کوئی شہزادہ جواپنا ریاست میں سیر پہ نکلا ہو، جہان اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”بڑے خوش لگ رہے ہیں جناب!“

”صرف لگ نہیں رہا ہوں، میں خوش ہوں۔“ معاذ کے مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی، وہ مزے سے اس کے فقرے کی تصحیح کر رہا تھا۔

”گڈ، مگر اس خوشی کی کوئی خاص وجہ؟“

”شادی سے بڑھ کر بھی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔“ جہان نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔

”آئی سی، پتہ چل گیا تمہیں؟“

”تم نہ بتاتے تو کیا مجھے پتہ نہ چلتا۔“ وہ بسورا پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ قدرے حیران ہو کر بولا تھا۔

”یہ ژالے بھابھی نظر نہیں آئیں، آئی بھی ہیں یا......؟“

”لینے گئے ہیں چاچو۔“ جہان کے چہرے پہ ایکا ایکی سنجیدگی چھا گئی تھی، معاذ نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

”یعنی حد ہو گئی، تم انہیں لینے بھی نہیں جا سکتے تھے۔“

”معاذ ضروری ہے تم اس موضوع پہ بات کر کے اپنا اچھا بھلا موڈ غارت کرو۔“ جہان نے گمبھیر قسم کی سنجیدگی سے کہا تو معاذ نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

”یہ قانون قدرت ہے یا شاید انسانی فطرت انسان ٹھوکر کھائے بغیر سبق حاصل نہیں کر پاتا، جے میری مثال سامنے ہے تمہارے یونو جب ہم ذاتی مسرت کو احتیاجی دکھ پر ترجیح دیتے ہیں تو اکثر ہمیں خالی ہاتھ بھی رہنا پڑتا ہے مگر بعد کا پچھتانا بھی کسی کام نہیں آتا، پہلے خالی ہاتھوں ہم ایک سبق حاصل کر چکے ہوتے ہیں، مگر وہ سبق اسے نقصان کا ازالہ کرنے سے بہرحال قاصر رہتا ہے۔“ معاذ کا انداز ناصحانہ تھا، جہان نے عاجزانہ نظروں سے کچھ دیر اسے دیکھا۔

”تم مجھے خود سے کمپیئر کیوں کرتے ہو معاذ؟ جزوی طور پہ میرا اور تمہارا معاملہ مختلف ہے، کیا میں تمہیں بتا نہیں چکا ہوں؟ یا پھر تمہیں میری باتوں کا اعتبار نہیں آ سکا؟“ وہ پھٹ پڑا تھا، معاذ نے گہرا سانس بھر لیا۔

”تم معاف بھی نہیں کر سکتے انہیں؟“

”تم مجھے کم ظرف کہہ سکتے ہو۔“ معاذ نے اس جواب پہ ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

☆☆☆

گویا انداز شاہانہ ہے امیروں جیسا
میرے اندر کا انساں ہے فقیروں جیسا
ہم نے چہرے پہ سجا رکھی ہے رونق لیکن
دل کا عالم ہے کہ ویران جزیروں جیسا
اس کے اوصاف و خصائل نے مجھے جیت لیا
میرے مریدوں میں وہ اک شخص تھا جو پیروں جیسا
اس سے پہلے تھی اسیری بھی رہائی جیسی
اب کہ آزادی میں حال ہے اسیروں جیسا
اس کو گنوا کے ہیں اب تک خسارے محسن
وہ اک شخص جو میرے ساتھ تھا ہیروں جیسا

پلین کراچی ائیر پورٹ پہ ٹیک اوور کرنے والا تھا، وہ جو پہلے ہی بے حد نروس تھی کچھ اور بھی پزل ہونے لگی، جب چند دن قبل مما نے اسے بتایا تھا اسے جہانگیر کے ہاں شادی کی تقریب میں شریک ہونے کو جانا ہے وہ کتنا حیران ہوئی تھی، جب یہ حیرانی ہوئی تو اس نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تھا، وہ تو ابھی تک بکی اور بے مائیگی کے اس احساس سے باہر نہیں آسکی تھی جب جہان نے اس سے کہہ کہ شادی رکوائی تھی، دوسرے لفظوں میں اس پہ اس کی اوقات واضح کر کے رکھ دی تھی، اتنی توہین اسے لگا تھا کسی نے پورے وجود میں زہریلی سوئیاں گاڑھ دی ہوں، مگر پھر اس نے خود کو کمپوز کر لیا تھا چاہے یہ کتنا ہی جان لیوا اور اذیت انگیز عمل کیوں نہیں تھا، وہ حقیقت جان گئی تھی، اس کے بعد جہان کے کسی رویے شاکی ہونا اس کو بہر حال زیب نہیں دیتا تھا، جہان جو کر رہا تھا اس کے خیال میں ایکشن کاری ایکشن تھا، جس میں وہ اسے حق بجانب سمجھتی تھی، یہ سارا اس کی ماں کا جرم تھا، اسی نے اسے اتنا بے وقعت کر کے جہان کے قدموں میں پھینکا تھا، اب یہ جہان پہ تھا کہ وہ اسے ٹھوکروں کی زد پہ رکھتا تھا یا اٹھا کر اپنے پہلو میں جگہ دیتا تھا اور دوسری بات محض ایک خوش فہمی تھی۔

”کیوں نہیں جاؤ گی تم؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ میں تمہاری خاطر کیا کیا جتن کر رہی ہوں تمہیں اندازہ نہیں اور تم ہو کہ مجھے ہر پل آنکھیں دکھاتی ہو۔“ مسز آفریدی اس کے انکار کا سن کر ہی بھڑک اٹھی تھیں اور جو منہ میں آیا بولنے لگیں، جس نے ژالے کی تکلیف کو دوگنا کر دیا تھا۔

”کاش آپ نے یہ ذلت کے اسباب نہ کیے ہوتے میرے لئے، میں وہاں جاؤں تا کہ آپ کی سیاہ عملی کا سارا عتاب اور کالک اپنے منہ پہ ملوا لوں، بلکہ آپ مل چکی ہیں میرے منہ پہ یہ سیاہی۔“ وہ بے ساختہ رونے لگی تھی، مسز آفریدی نے جھلا کر اسے دیکھا تھا۔

”ایک تو تمہاری یہ جو جذباتیت اور فضول قسم کی انا ہے نا یہ بہت واہیات لگتی ہے مجھے، بات بات پہ رو کر نحوست ڈالو گی۔“ وہ پھنکارنے لگیں، ژالے کے آنسو کچھ اور بھی شدت سے بہنے لگے، مسز آفریدی کچھ دیر اسے سخت سست سناتی رہیں پھر اس کو منانے اور منت سماجت کر کے راہ پہ لانے لگیں، مگر ضد تھا

وہ بھی انہیں پہ پڑی تھی، مسز آفریدی نے اس کے اس ضد سے ہار کر نایا حربہ آزمایا تھا، انہوں نے احسان حسن کو کال کر کے بڑے معصوم انداز میں کہا تھا۔

”ژالے پہلی بار اکیلی سسرال آنے سے گھبرا رہی ہے، آپ اسے فون پہ ذرا تسلی دے دیجئے گا، ہو سکتا ہے مان جائے۔“

”اکیلی کیوں؟ آپ ساتھ نہیں آ رہی ہیں کیا؟“ پپا نے حیرانی سے استفسار کیا تھا، جواب میں وہ مصنوعی پن سے ہنسیں۔

”ارے بھائی صاحب میری مصروفیت کا آپ کو تو پتہ ہے، اتنے دن پہلے نہیں آ سکتی جبکہ آپ تو ژالے کو مایوں پہ ہی انوائیٹ کرنا چاہ رہے ہیں نا، میں ولیمہ پہ شریک ہو جاؤں گی ڈونٹ وری۔“

”اٹس اوکے، ایز یو وش، ژالے بیٹی کو میں قائل کر لوں گا آپ فکر نہ کریں۔“ انہوں نے فون بند کیا تھا مسز آفریدی کے ہونٹوں پہ شاطرانہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

(میں نے ہارنا نہیں سیکھا ہے ژالے ڈارلنگ!) پھر اسی شام ژالے خفا خفا سی ان کے سامنے کھڑی تھی۔

”آپ بھی میرے ساتھ شادی پہ چل رہی ہیں، بس میں نے کہہ دیا۔“ انہوں نے جواباً حیرانی کی اداکاری کی پھر اسے لپٹا کر چٹا چٹ پیار کرتے ہوئے بولی تھیں۔

”کل تو تم صاف انکاری تھیں کہ جاؤ گی نہیں، یہ کایا پلٹ کیسے؟ سچ بتاؤ جہانگیر نے کہا ہے نا آنے کا تمہیں؟“ وہ بالکل بے تکلف سہیلی کی طرح سے اسے گدگدا کر بولی تھیں، ژالے کے چہرے پہ ایک تکلیف دہ رنگ آ کر گزر گیا۔

”ان کے چاچو کا فون آیا تھا، اتنا اصرار کر رہے تھے مجھ سے انکار نہیں ہو سکا۔“ سر جھکا کر اس نے بے دلی اور یاسیت سے بتایا تھا۔

”ہاں وہ مجھے بھی کہہ رہے تھے، جہانگیر ہی فورس کرتا ہو گا انہیں، خیر چھوڑو تم اپنی تیاری کر لو، بہترین شاپنگ کراؤں گی اپنی بیٹی کو، اتنے پیارے لباس کہ جنہیں پہن کر وہ شہزادی لگے گی اور جہانگیر کو دیکھنا کیسے دیوانہ ہو جائے گا تمہارا۔“ ان کے لہجے میں صرف وثوق نہیں تھا شدت بھی تھی، ژالے کے دل میں کوئی کانٹا سا پیوست ہو گیا مگر وہ کچھ بولی نہیں تھی، پھر مسز آفریدی نے خود شاپنگ آرکیڈ میں خوار ہو کے اس کے لئے خریداری کی تھی جیولری کاسٹ ملبوسات جوتے اور جانے کیا کچھ، پوری شاہ فیملی کے لئے قیمتی اور بیش قیمت تحائف کا ایک الگ سے انبار تھا، جو انہوں نے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے خرید لیا تھا۔

”میری بیٹی کی حیثیت اور مرتبے کا ان لوگوں کو اندازہ تو ہونا چاہیے۔“

سارے تحائف ایک بڑے سوٹ کیس میں پیک کرواتے ہوئے انہوں نے کتنے زعم سے کہا تھا اور ژالے کا دل رو اٹھا تھا، یہ سب کچھ مل ملا کے بھی اس کو اس کی کھوئی ہوئی حیثیت واپس نہیں مل سکتی تھی وہ نظروں سے گری تھی، پہاڑ سے نہیں کہ پھر سے اٹھ جاتی، مسز آفریدی جتنی بھی بڑی بڑی باتیں کر لیتیں مگر حقیقت اپنی جگہ قائم دائم تھی یہی وجہ تھی کہ ژالے وہاں کسی کے سامنے کی بھی ہمت خود میں نہیں پاتی تھی جہاز ٹیک اوور کر چکا تھا، اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی، وہ اپنے خیالوں میں اتنی دور تک چلی گئی کہ کچھ خبر ہی نہ ہو

سکی، ائیر ہوسٹس نے شائستگی سے اس کے پاس آ کر سیٹ بیلٹ کھولنے کی استدعا کی تب اس نے چونک کر دیکھا، خوش باش مسافر اپنے مختصر سامان کے ہمراہ منزل پہ پہنچ جانے کے بعد بڑے منظم انداز میں جہاز سے باہر جا رہے تھے، وہ بھی ہڑبڑا کر اٹھی پھر کھسیا کر پہلے سیٹ بیلٹ کھولی تھی، سامان کلیئر کراتے کسٹم سے باہر آتے وہ بے حد نروس تھی، وہ جانتی نہیں تھی ائیر پورٹ پہ اسی کا سامنا کس سے ہونے والا ہے، معاً اس کا سیل فون اس کے بیگ میں گنگنا اٹھا، اس نے چونک کر بیگ سے سیل فون نکالا انجان نمبر سے کال تھی۔

''ہیلو......؟ میں احسان حسن ہو بیٹے! آپ ابھی تک باہر نہیں آئیں۔''

''جی انکل میں بس آ رہی ہوں۔'' اس نے نرمی سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا، ڈیپارچر لاؤنج میں لوگوں کی گہما گہمی میں اسے شاندار بے حد پر وقار سے پپا کو ڈھونڈنے میں ہرگز دشواری نہیں ہوئی، وہ اپنی وجاہت اور دراز قامت کی بدولت بہت آسانی سے دیکھے جا سکتے تھے۔

''السلام علیکم!'' وہ بھی اسے دیکھ چکے تھے اور خود اس کے پاس چلے آئے، ژالے نے نظریں جھکا کر سلام کیا جس کے جواب میں انہوں نے اس کا سر تھپک کر بہت محبت سے اس کی خیریت پوچھی تھی، ژالے نے آہستگی سے گردن ہلا دی، وہ اکیلے تھے، اس کی آس مندانہ نظریں جنہوں نے جہان کو بہت بے قراری سے ڈھونڈا تھا یاسیت کا شکار ہو کر جھک گئی تھیں، حالات جیسے بھی ہوں، دل کی خوش فہمیوں کا ذخیرہ کبھی ختم نہیں ہوتا، پتہ نہیں کیوں یہ دل اتنا نادان ہوا کرتا ہے، اس کے ہونٹوں پہ مجروح سی مسکان بکھر گئی۔

''سفر میں کسی قسم کی پریشانی تو نہیں ہوئی بیٹے! میں آپ کو لینے کو خود آ رہا تھا مگر مسز آفریدی نے منع کر دیا کہ آپ آ جائیں گی۔''

''نہیں انکل بالکل پریشانی نہیں ہوئی۔''

وہ ان کے ساتھ ان کی شاندار سی گاڑی میں بیٹھ گئی جس کا ہیٹر آن تھا، باہر کی نسبت یہاں ایک پر سکون آمیز حدت کا احساس تھا، دسمبر کے شروع میں ہی کراچی کی سردی کا یہ عالم تھا اسے حیرت ہوئی، راستے بھر وہ اس سے بہت شفقت اور محبت بھرے انداز میں اس سے اس کی دلچسپی کے حوالے سے ہلکی پھلکی بات چیت کرتے رہے، اس کے انکل کہنے پہ بھی انہوں نے اسے ٹوکا تھا کہ جہان انہیں چاچو کہتا ہے اسے بھی چاچو کہنا چاہیے، سچی بات ہے ژالے کو ان کی اس اپنائیت نے اسیر کیا تھا اس کی جھجک اور گریز بھی گھبراہٹ کے ساتھ دھیرے دھیرے رخصت ہو رہی تھی، اس دوران کئی بار ان کا سیل فون بجا ایک دو بار انہوں نے خود بھی کال کی تھی، رات مکمل طور پہ تاریک ہو چکی تھی جب گاڑی شاہ ہاؤس کی دلہن کی مانند سجی خوبصورت عمارت کے آگے رکی، مستعد واچ مین نے لپک کر سیاہ گیٹ وا کیا اور گاڑی سرخ بجری کی روش پر پھیلتی گول ستونوں والے پورٹیکو کی چھت تلے دیگر قیمتی گاڑیوں کے ساتھ جا رکی اور ژالے کا دل بھی رک سا گیا تھا، پتہ نہیں گھر کے دیگر مکینوں کا ردعمل کیا ہونا تھا، وہ تو اب تک معاذ اور پپا سے ہی ملی تھی، ان کا رویہ تو تسلی بخش ہی نہیں بے حد محبت بھرا تھا گھر کے دیگر افراد اللہ جانے معاذ اور پپا جیسے تھے یا پھر جہان کی طرح...... جہان کے تصور کے ساتھ ہی اس کا دل اس کے سامنے کا سوچ کر عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا، پپا پہلے خود اترتے تھے پھر اس کی جانب کا دروازہ کھولا۔

''آیئے بیٹے۔'' ان کی آواز پہ اس نے اپنی ہتھیلیاں ہی نہیں پورا وجود گھبراہٹوں کے پسینوں میں ڈوبتا محسوس کیا تھا۔

''آئی تھینک بیگم صاحبہ میرا کام یہاں پہ ختم ہوتا ہے آپ لوگوں کا شروع، سنبھالیں اپنی بہو کو۔'' پپا کسی سے مخاطب ہوئے تھے، ژالے نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اوپر اٹھائی، گرین ڈل گولڈن بارڈر کی بے حد نفیس ساڑھی میں ملبوس بے حد خوبصورت خاتون اسے نظر آئیں ان کے پیچھے انہی کی ہم ایج دو اور خواتین اور اس کے علاوہ بے شمار لاتعداد ینگ لڑکے لڑکیاں جن کے چہرے پہ شوخ مسکانیں تھیں اور آنکھوں میں شرارت کے بھی رنگ ژالے کی گھبراہٹ کچھ اور بڑھ گئی، وہ سب یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے، دلچسپی، حیرت احترام اور بری طرح متاثر کن نظروں سے اس کا استقبال ویسے ہی ہوا تھا جیسے پہلی بار گھر آنے پہ کسی بہو کا ہو سکتا ہے، پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئی تھیں تمام خواتین اور لڑکیوں نے اسے گلے لگا کر اچھے اچھے کمنٹس بھی دیئے تھے، اس کے باوجود ژالے کو لگتا تھا کچھ کمی تھی، وہ کمی جوش کی تھی شاید ادھوری خوشی کی تھی شاید، یا پھر اس سے پہلے پہنچ جانے والی اس شہرت کی تھی جس نے اسے تنکے سے زیادہ حقیر کر دیا تھا، ژالے کا دل لہو ہونے لگا۔

''افوہ یہ تو فاؤل ہے نا، اتنی پیاری نئی نویلی دلہن کو سب نے بڑے مزے سے بغیر رونمائی کے دیکھ لیا، بھابھی نکلوائیں ان سے اپنی رونمائی فنافٹ۔'' سب کے ہمراہ وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھی تو معاذ نے گفتگو کا باقاعدہ آغاز کیا تھا۔

''کوئی فاؤل نہیں ہے، ابھی جہان بھائی نے انہیں دلہن نہیں بنایا، پہلی رونمائی بھی وہی دیں گے پھر ہم سلامی دے دیں گے۔'' زیاد نے اپنی رائے دی، سب ہی ہنسنے لگے، تب ہی چائے آ گئی تھی چائے پہ خصوصی اہتمام تھا، اسی کے دوران ژالے کی ملاقات پاپا جان سے کرائی گئی، انہوں نے اپنے مخصوص شفقت بھرے انداز میں اسے دعاؤں سے نوازا اور پانچ ہزار کا نوٹ دیا تھا، ژالے کچھ گھبرا سی گئی۔

''لے لو بیٹے، آپ کو رونمائی کا تحفہ دیا ہے بھائی صاحب نے۔'' مما نے مسکراتے ہوئے کہا تب ژالے نے قدرے کنفیوژ ہوتے نوٹ تھام لیا تھا۔

''جہان کہاں چلا گیا؟ اسے بھی تو بلا کر لاؤ۔'' مما کے کہنے پہ بھابھی نے بتایا وہ اپنے کمرے میں تیار ہونے گیا ہے۔

''اب تو پھر لمبا ویٹ کرنا پڑے گا، اتنی جلدی تیاری تھوڑی ختم ہو گی آج۔'' زیاد نے ژالے کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا، ژالے کا دل دھڑک اٹھا۔

''پرنیاں نہیں اٹھی کیا؟'' ماما جان نے حیرانی سے استفسار کیا تھا۔

''اٹھ تو گئی ہے مگر طبیعت ابھی بھی بہتر نہیں ہے اس کی، زینب کر رہی ہے اس کو تیار۔'' اس مرتبہ بھی بھابھی نے ہی جواب دیا تھا، معاذ فوری متوجہ ہوا۔

''آپ نے دوا تو ڈھنگ سے کھلائی تھی انہیں؟''

''افوہ فکریں نوٹس کروا ذرا منڈے کی، فی الحال وہ ہماری ذمہ داری ہے اور ہمیں تم سے زیادہ فکر ہے اس کے ٹھیک ہونے کی پھر ہی تمہارے حوالے کریں گے۔'' بھابھی نے اسے چھیڑا تھا، وہ سر کھجانے لگا۔

"اسی لئے تو فکر زیادہ ہو رہی ہے، اگر ذرا سی بھی کوئی کمی بیشی رہ گئی تو آپ نے ظالم سماج کا کردار نبھانے کھڑی ہو جانا ہے......" وہ بھلا کب جھجکا تھا، کسی سے جنید بھائی نے ہنستے ہوئے اسے ایک دھپ لگا دی۔

"خبردار جو میری بیوی کے خلوص پہ شبہ کیا تو۔" اس سے پہلے کہ معاذ جواب میں کچھ کہتا جہان اپنے دھیان میں بہت عجلت میں اندر آیا تھا اور آتے ہی گویا چنڈال چوکڑی کے ہتھے چڑھ گیا۔

"واؤ، کیا بات ہے آپ کی کوئیک سروس کی جناب! ہم تو سمجھے تھے آپ تیاری میں گھنٹوں صرف کریں گے مگر آپ نے سوچا کیا ضرورت ہے وقت برباد کرنے کی، آپ کو تو خدا نے خوب سجا سنوار کے بھیجا ہے، تو کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھائیں، خیر ساری پھرتیوں کا سبب جانتے ہیں ہم بھی۔" زیاد کی کھلکھلاہٹ پہ جہان جو مما سے پپا کے متعلق سوال کر رہا تھا گہرا سانس بھر کے زیاد کو دیکھنے لگا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو میں سمجھا نہیں؟" زیاد نے آنکھیں پھیلالیں، پھر صدمے سے نکل کر چہک کر بولا تھا۔

"اتنے معصوم نہیں ہیں آپ کہ وجہ نہ سمجھیں۔" اس نے ژالے کی سمت اشارہ کیا جو جہان کی آمد کے ساتھ ہی نہ صرف گلابی پڑ گئی تھی بلکہ اتنا گھبرا گئی تھی کہ اپنی جگہ پہ سمٹ سی گئی تھی، جہان کی نگاہ حیرانی کے عالم میں اس کی سمت اٹھی تھی اور چند ثانیوں کو ساکن رہ گئی، اس کے خیرہ کن سراپے کو دیکھ کر وہ اپنے اندر زہر دوڑتا محسوس کرنے لگا، نگاہوں میں بے تحاشا تپش در آئی، معاذ اور زیاد ایک ساتھ کھنکارے تب اس نے ناگواریت کے احساس سمیت نگاہ کا زاویہ بدل کر گہرا سانس کھینچا، ژالے بھی اس کی نظروں کا فوکس خود پہ محسوس کر چکی تھی اور اسی بوکھلاہٹ میں اس نے اسے سلام کیا تھا، جہان نے بھینچا بھینچا سا سانس کھینچا پھر خود کو بری دقت سے کمپوزڈ کیا تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟" سلام کے جواب کے بعد اس نے محض اپنا اور اس کا بھرم قائم رکھنے کو اگلا فقرہ بولا تھا، یہاں موجود سب لوگ ان کے بیچ چپقلش کو نہیں جانتے تھے اور وہ اتنا انا پرست تھا کہ اپنا تماشا بنوانا بھی نہیں چاہتا تھا جبھی خود پہ جبر کرنا پڑا تھا، ژالے کو شاید اس سے اس رواداری کی بھی توقع نہیں تھی جبھی ایک لمحے میں اس کی بخشی توجہ نے اس کے رخساروں پہ سنہرا پن سا بکھیر دیا، لبوں کی تراش میں اداس سی شرمیلی مسکان بکھری اور جس پل وہ حیا آمیز جھجکتے ہوئے انداز میں جہان کو جواب دے رہی تھی مما نے اسے خصوصی طور پہ نوٹس کیا تھا، خوش روسی یہ لڑکی جو باحیا دھیمے لہجے میں بات کرتی تھی جس کی سیاہ دراز پلکیں اب تک بہت کم اوپر اٹھی تھیں اور جس کا چہرا چاند کی طرح روشن اور شبنم کی طرح پاکیزہ تھا اپنی بے گناہی معصومیت کا خود گواہ بنا ہوا تھا گویا، انہیں پپا کی باتوں پہ یقین سا آنے لگا، یہ لڑکی واقعی اس قابل لگتی تھی کہ جہان کا نصیب ٹھہرتی، ان کا بدگمان سا دل اس کی طرف سے صاف ہونے لگا، جہان کب کا پلٹ کر باہر جا چکا تھا، ساتھ میں معاذ بھی کہ اس کے کالج اور ہاسپٹل کولیگز کی آمد شروع ہو چکی تھی، مما اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آؤ بیٹے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں، آرام کا تو ٹائم نہیں ہے اب، آپ بس جلدی سے تیار ہو جاؤ رسم کا ٹائم بس ہو رہا ہے۔" وہ ژالے سے مخاطب ہوئی تھیں، وہ فی الفور ان کے حکم کی تعمیل میں کھڑی ہو گئی۔

"آپ رہنے دیں مما! بھابھی کو میں ان کے کمرے میں چھوڑ آئی ہوں، بلکہ انہیں تیار ہونے میں بھی ہیلپ کر دوں گی، آپ بیوٹیشن سے تو تیار نہیں ہونا چاہتیں؟" ماریہ نے آگے بڑھ کر اشتیاق آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا، ژالے کچھ جھینپ سی گئی اب وہ اسے کیا بتاتی کہ بیوٹیشن سے تو کیا وہ کبھی خود بھی تیار نہ ہوئی تھی، زندگی نے اپنا ڈھب ہی ایسا رکھا تھا کہ اس قسم کے چونچلوں کی نوبت ہی نہ آ سکی تھی، مگر یہ بتانے کی باتیں تھوڑی تھیں، اس نے بس ماریہ کو یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اسی سے تیار ہو جائے گی، جس پہ ماریہ خوشی کے احساس سے پھولے نہ سماتی تھی۔

☆☆☆

"کیا ہو گیا ہے پرنیاں، اتنی ڈل سی کیوں ہو رہی ہو؟"

مایوں کے حوالے سے پیلا لباس پہن کر پرنیاں ڈریسنگ سے باہر آئی تو اس کا مومی نازک سراپا اس رنگ میں گویا جگمگا اٹھا تھا، وہ نظر بہک جانے کی حد تک دلفریب اور حسین لگ رہی تھی مگر انداز کی بے دلی اور یاسیت و حزن بھی ایسا تھا جو چھپاتے نہ چھپتا تھا، زینب نے بغور اس کا جائزہ لے کر ہی ٹوکا تھا، پرنیاں کا دل پھر سے سسکنے لگا۔

(کیسے زخم لگائے ہیں آپ نے معاذ میں نہ کسی کو دکھا پا رہی ہوں نہ چھپا، آپ سے مجھے اچھی توقع تو کبھی بھی نہیں تھی مگر ایسی جارحیت کے مظاہرے کا تو گمان کبھی نہیں تھا، میں تو آپ کی ملکیت تھی آپ نے تو جانے کتنے وجود اسی طرح سے فتح کیے ہوں گے۔) وہ پھر بدگمانی کے حصار میں مقید ہونے لگی تھی۔

"لالے کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو گیا ہے تمہارا؟" زینب نے پہلے اس کے بالوں کو سلجھا کر بہت پیارا سا اسٹائل دیا تھا جو پیچھے سے جکڑ کر سارے بال سمیٹ کر آگے دائیں کاندھے پہ ڈال دیئے تھے پھر میک اپ کٹ اٹھا کر مہارت سے اس کے چہرے پہ رنگ سجانے لگی، پرنیاں نے آنسو اندر گرا لئے تھے۔

"نہیں، بس طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اتنی دیر رسم کے لئے بیٹھنا پڑے گا، سوچ کر وحشت ہو رہی ہے۔" زینب کے اصرار پہ اس نے اپنی کیفیت پہ مصلحت کی چادر اوڑھا کر سامنے رکھا تھا، ورنہ حقیقتاً اسے رسم سے نہیں رسم کے دوران ہونے والے معاذ کے سامنے سے وحشت کا احساس دامن گیر تھا۔

"جناب ان کٹھن مراحل کو طے کرنے کے بعد ہی وصال یار نصیب ہوا کرتا ہے، میرے اتنے ہینڈسم اور جینئس لالہ یونہی آسانی سے آپ کو نہیں مل جائیں گے۔"

زینب اس اسے پھولوں کے زیور پہنا رہی تھی، بڑے بڑے بالے جو موتیے کی مند بند کلیوں کو پرو کر بنائے گئے تھے، چھوٹا سا ٹیکہ جو ایک گلاب اور اطراف میں موتیے کی کلیاں گوندھ کر بنایا گیا تھا، ہاتھوں میں گجرے گلے میں مالا، وہ لمحوں میں پھولوں سے لد گئی مگر اس کا دل اپنی پامالی کے احساس سے نمناک ہو رہا تھا۔

(تمہیں کیا پتہ زینی تمہارا بھائی کتنا ستا ثابت ہوا ہے، اس نے اپنی اصلیت مجھ پہ آشکار کرنے میں اتنی عجلت دکھائی کہ دل میں جو ڈری سہمی اس کی محبت تھی وہ بھی اپنی موت آپ مر گئی۔)

"لیجئے جناب! آپ تیار ہیں۔" زینب نے اس کا بے حد خوبصورت کامدانی دوپٹہ اسے اوڑھا کر ہنستے ہوئے کہا تھا، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر رخ آئینے کا جانب پھیر دیا۔

”ذرا دیکھو، اتنی سی آرائش کے بعد ہی کتنی پیاری لگ رہی ہو، لالہ تو بے ہوش ہو جائیں گے تمہیں دیکھ کر۔“ وہ اسے چھیڑ رہی تھی، پرنیاں نے نگاہ بھر کے بھی اپنے جھلمل کرتے روپ کو نہیں دیکھا اور گردن جھکائے رکھی۔

”یہ تیمور صاحب ابھی تک تشریف نہیں لائے، میں پتہ تو کروں۔“ زینب کو اسی پل نیا خیال آیا تھا، وہ خود بلیک جھلملاتی ساڑھی میں تیار ہو چکی تھی اور چہرا گویا چاند کو شرما رہا تھا، لمبے سیدھے بال یونہی پشت پہ گر رہے تھے، وہ اپنا سیل فون ڈھونڈ رہی تھی جب بھابھی دروازہ کھول کر ژالے کی معیت میں اندر آئیں۔

”پری ہو گئی تیار؟ میں نے سوچا ژالے سے ملوا دوں۔“ بھابھی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا، زینب کے ہاتھ اس زاویے پہ ساکن ہو گئے خود سیدھی ہونے سے قبل اس نے ڈھلک کر آگے گرتے بالوں کو بہت نزاکت سے پیچھے گرایا تھا پھر پلٹ کر دیکھا تھا اور اسے اپنی نگاہیں خیرہ ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں یوں جیسے جھلمل جھلمل ڈھیر ساری روشنیوں پہ آنکھیں ٹھہر گئی ہوں، ڈیپ گرین بے حد اسٹائلش ہاف سلیو شرٹ جس کے گلے پہ بہت خیرہ کن کام بنا ہوا تھا اس نے پہن رکھی تھی جس سے جھانکتے اس کے دودھیا بازوؤں کی ملائمت بنا چھوتے بھی نگاہ کو محسوس ہوئی تھی، میک اپ کے نام پہ ہلکی سی لپ اسٹک اور بلشر کا ٹچ بے حد سلکی سیدھے بال بھی جکڑ کر سلور نازک سے کیچر میں قید کر دیئے گئے تھے، جو اس کے نازک وجود کی ہلکی سی بھی جنبش پہ بھی ریشم کے لچھے کی طرح بکھر بکھر کر پھر سمٹ جاتے تھے، پتہ نہیں وہ واقعتاً اتنی حسین تھی یا لگ رہی تھی، وہ واقعی اس قابل لگتی تھی کہ جہان اس کے لئے اتنا کچھ کر لیتا، زینب کے اندر عجیب سی سلگن اور رقابت بکھرتی چلی گئی جب وہ آئی تھی اسے بھی پتہ چلا تھا مگر وہ دانستہ اسے نہیں ملی، اسے ژالے سے ملنے کا قطعی شوق نہیں تھا، مگر اب...... اس نے سلگتی آنکھوں میں چنگاریاں بھرتے ژالے کو دیکھا جسے بھابھی پرنیاں سے متعارف کرا رہی تھیں تینوں کے چہروں پہ مسکان تھی، اس نے دیکھا پتہ نہیں کس بات پہ ژالے کے دھلے نکھرے چہرے کی شادابی میں ہلکی سی سرخی شامل ہو گئی تھی، جس نے اس کے نرم نقوش میں چاندنی سی بکھیر دی، اس کو دیکھتے زینب کی آنکھوں میں ہی نہیں دل میں بھی شعلے لپکنے لگے۔

”اور یہ زینب ہے، معاذ کی بہن، شادی ہو چکی ہے اس کی چند ماہ قبل۔“ بھابھی اب ژالے کو لئے اس کے پاس آ گئیں۔

”السلام علیکم!“ ژالے نے خوشدلی اور پرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ اپنا نازک سا دودھیا سفید ہاتھ اس کی جانب مصافحے کو بڑھایا، اس کا اعتماد بہت حد تک بحال ہو چکا تھا، تو وجہ شاہ ہاؤس کے مکینوں کی محبت اور اہمیت ہی تھی۔

”وعلیکم السلام! میں تیمور کو کال کر رہی ہوں، شاید سگنل پرابلم ہے آواز کلیئر نہیں آ رہی، ایکسکیوزمی۔“ زینب نے چونکتے ہوئے گھٹی گھٹی سانس بھری تھی پھر بے حد سرسری انداز میں ژالے کے سلام کا جواب دیا تھا اس کا مصافحے کو بڑھایا ہاتھ وہ بہت خوبصورتی سے نظر انداز کر چکی تھی، اس کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار تھے، پتہ نہیں یہ وضاحت اس نے کسی کو دی تھی اور ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی، ژالے کا اعتماد پارہ پارہ ہوا تھا لحظہ بھر کو زینب کے خشک سرد رویئے پہ اس کا چہرا بالکل پھیکا پڑ گیا، زینب کی

آنکھوں میں موجود سرد مہری اور بے زاری اس نے واضح طور پہ محسوس کی تھی اور گھبراہٹ کے ساتھ اضطراب کا بھی شکار ہو گئی، دل گرفتگی کا احساس اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو منجمد کرنے لگا، بھابھی کے ساتھ پرنیاں نے بھی زینب کے رویئے کی بدتہذیبی کو محسوس کیا تھا جبھی فوری طور پہ ژالے کا دھیان اِدھر اُدھر بٹانے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

”بھابھی سب مہمان آ چکے ہیں مووی میکر بھی، مما کہہ رہی ہیں پری بھابھی کو رسم کے لئے لے کر آ جائیں۔“ ماریہ اور حوریہ پیغام لئے آئی تھیں، دونوں نے لہنگے پہنے ہوئے تھے اور بالکل پریاں لگ رہی تھیں۔

”اوکے گڑیا تم دیکھنا عبدالرافع تمہارے بھائی کو تنگ تو نہیں کر رہا؟“ بھابھی نے پرنیاں کو اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ماریہ کو کام سے لگایا وہ دونوں الٹے قدموں واپس بھاگ گئیں۔

”ژالے گڑیا آؤ نا میرے ساتھ پری کو باہر لے کر چلو۔“ بھابھی نے اسے گم صم کھڑے پا کر محبت سے پکارا تھا، وہ زور سے چونکی اور پھر کچھ گھبراہٹ اور پریشان سے بولی تھی۔

”جی میں......“ بھابھی اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے ہنسیں۔

”ہاں بھئی آپ ہی خاندان کی بہوؤں کا ہی یہ کام ہوتا ہے، بڑی میں پھر آپ کا ہی نمبر آتا ہے، بھلے ابھی آپ کی رخصتی نہیں ہوئی۔“ انہوں نے اسی شفقت سے خاصی تفصیل سے جواب دیا، تو ژالے کچھ جھجک کر آگے بڑھی تھی، پھر وہ دونوں جس وقت پرنیاں کو تھام کر باہر آئیں تو مووی کیمروں کی چکا چوند نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا، کتنی بے شمار توصیفی نگاہوں کا یکلخت وہ مرکز بن گئی تھیں، پرنیاں کا شرارہ بار بار اس کے پیروں میں الجھتا تھا جسے ژالے نے ذرا سا جھک کر تھوڑا سا اوپر کو اٹھا دیا، ایسا کرنے سے جہاں پرنیاں کے مہندی کے نقش و نگار سے سجے سنہرے چپلوں میں مقید گداز پیر نمایاں ہو کر جگمگانے لگے وہاں ژالے کے بے انتہا گھنیرے اور سیدھے بال اس خم پہ ڈھلک کر آگے کی سمت گر گئے تھے اور کیمرے کی آنکھ کو ایک خوبصورت عکس مل گیا تھا، اسٹیج کے آگے مما موجود تھیں، انہوں نے باری باری تینوں بہوؤں کو گلے لگا کر پیار کیا اور دعاؤں سے نوازا تھا، پرنیاں کو انہوں نے خصوصی اہمیت سے نوازا اور کتنی دیر تک خود سے الگ نہیں کیا تو پرنیاں کا گداز ہوا ہوا دل پانی بن کر بہنے لگا۔

”اب کیسی طبیعت ہے بیٹا۔“ پرنیاں سے جواب میں کچھ نہیں بولا گیا بس سر کو اثبات میں ہلانے پہ اکتفا کیا، اسے یقین تھا اگر وہ بولی تو آنسو نہیں رک پائیں گے۔

”ماشا اللہ اتنی پیاری لگ رہی ہو، خدا نظر بد سے بچائے۔“ انہوں نے پھر ساتھ لگا کر اسے چوما تھا پھر بھابھی کو اسے اوپر لے جانے کا اشارہ کیا، اس کے بعد رسم کی ادائیگی ہونے لگی تھی تب خفا خفا سا معاذ بھاگا آیا تھا۔

”میرے بغیر آپ نے آخر رسم شروع کیسے کر دی؟“ پرنیاں کے مقابل بیٹھتے ہوئے اس نے بے حد کڑے انداز میں استفسار کیا۔

”اس لئے کہ یہ رسم آپ کے بغیر بھی ہو سکتی تھی بڑی آسانی سے۔“ بھابھی کے انداز میں شرارت رقم تھی، وہ بہت نفاست سے پرنیاں کو ابٹن لگا کر شگن کی مٹھائی کھلا رہی تھیں۔

”میرے بغیر ان کا کوئی کام نہیں ہو سکتا، یہ بات آپ ہمیشہ کے لئے نوٹ کر لیں اوکے۔“ وہ کہاں

کم تھا نخوت سے بولا تھا بھابھی جواب میں ہنستے ہوئے اٹھ گئی تھیں۔

"چلو ژالے اب تم رسم کرو، پھر نوریہ کی باری آئے گی، بدتمیز صبح سے غائب ہے ابھی ایک جھلک دیکھی ہے کان کھینچتی ہوں اس کے۔" بزرگ خواتین رسم کی چکی تھیں، ژالے کو ان کاموں کے متعلق نہ آگاہی تھی نہ ہی کوئی تجربہ وہ قدرے نروس ہو رہی تھی۔

"ارے رے بھابھی رکیں ایک منٹ ٹھہریں ذرا۔" معاذ اسے بے اختیار ٹوکا وہ جو ابٹن پرنیاں کو لگانے لگی تھی سٹپٹا کر سوالیہ انداز میں معاذ کو دیکھنے لگی مگر وہ اس کی بجائے جہان کو بلا رہا تھا جو سامنے ہی جنید بھائی اور پاپا جان کے ساتھ کھڑا بات چیت میں مصروف تھا، معاذ کے اشاروں کو اس نے اگنور کر دیا تھا، ژالے نے معاذ کے تعاقب میں نگاہ اٹھائی، سرمئی کھدر کے کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس سادہ سے چپلوں میں وہ اس عام سے حلیے میں بھی اپنے وجود کی سحر انگیزی اور غضب کی دراز قامت کے باعث پورے ماحول پہ چھایا ہوا لگ رہا تھا، اس کی شخصیت میں بلاشبہ انوکھی کشش اور سحر انگیزی تھی، جس سے شاید وہ خود بھی آگاہ تھا جبھی تو اس کے انداز و مزاج میں ایسی بے نیازی اور شاہانہ پن سا گیا تھا، ژالے نے جہان کے گریز کو صاف محسوس کیا یقیناً وہ اس کی وجہ سے اوپر آنے سے کترا رہا تھا مگر معاذ کے آگے زیادہ اس کی چلی نہیں تھی، اسے آنا پڑا تھا۔

"بیٹھو ادھر لوگ تم دونوں کو اکٹھا دیکھنا چاہتے ہیں یار۔" معاذ نے اسے دھکیل کر ژالے کے مقابل بٹھا دیا تھا، ژالے پہ اس کی قربتوں میں آتے ہی بتدریج گھبراہٹ حملہ کرنے لگی، بڑی مشکلوں سے اس نے پرنیاں کی رسم ادا کی تھی، معاذ کے شوخ فقروں کے باعث اس کے ہاتھوں میں لرزش در آئی تھی رسم ادا کر کے وہ تیزی سے نیچے بھاگی تھی، جہان اس سے پہلے ہی رسے تڑا کر جا چکا تھا۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟" جیسے ہی انہیں اسٹیج پہ ذرا تنہائی میسر آئی معاذ جی جان سے اس کی سمت متوجہ ہوا تھا، پرنیاں کے حلق میں کڑواہٹ گھلنے لگی، اس نے جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو یار مگر ان لوگوں کو کیا ضرورت تھی تمہیں دلہن بنانے کی، دلہن تو میں نے تمہیں دوپہر کو ہی بنا دیا تھا نا۔" وہ معنی خیز انداز میں اپنی بے باکی کے اظہار کا حوالہ دے کر ہنس رہا تھا، پرنیاں کی ادھیڑی ہوئی حساس احساسات پہ اس کے الفاظ نے گویا نشتر زنی کا کام انجام دیا تھا، تکلیف اور ذلت و سبکی کا احساس اس کی پور پور کو نیلا کر گیا، ایسی رسوائی، ایسی ذلت اسے اندر تک شکستہ کر گئی تھی، ایک بار پھر اس کا جی چاہا تھا وہ یا تو معاذ کو قتل کر دے یا پھر خودکشی کر لے، معاذ کا یہ فقرہ اسے سراسر اپنا مضحکہ اڑاتا محسوس ہوا تھا جبھی ضبط کھو کر وہ بے ساختہ سسک پڑی، سرعت سے بکھرتے شفاف موتیوں جیسے آنسو اس کے گود میں دھرے ہاتھوں کو بھگو گئے، معاذ تو بری طرح سے سٹپٹایا تھا۔

"افوہ پری کیا ہوا؟ میری بات بری لگی؟ سوری یار میں مذاق کر رہا تھا، چپ تو کرو، دیکھو سب ادھر ہی متوجہ ہیں۔"

وہ واقعی ہی بوکھلا گیا تھا، جبھی جھک کر خود اس کے آنسو چننے لگا، پرنیاں نے نہایت تنفر بھرے انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا، معاذ نے چونک کر اسے دیکھا، اس کا شفاف مگر یہ سوز رعنائیوں سے بھرا چہرا اور آنکھوں میں مچلتا سوز معاذ کی نگاہ کی گرفت میں آ کر اسے لمحہ بھر کو عجیب سے احساس سے دوچار کر گیا، پرنیاں کی آنکھوں کے زیریں کناروں پر ابھی بھی سرخی ٹھہری ہوئی تھی، جو اس کی شدت گریہ کی گواہ تھی۔

"ابھی تک خفا ہو؟" معاذ نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا، پرنیاں نے اس مرتبہ بھی جواب نہیں دیا، ہونٹ بھینچے بار بار بھیگی آنکھوں کو ٹشو سے رگڑتی رہی، اس سے قبل کہ وہ کچھ اور ایکشن لیتا بھابھی نوریہ کو تقریباً کھینچتی ہوئیں اوپر لائی تھیں۔

"ابھی پرسوں دلہن بنو گی تم، وہ بھی آدھی ادھوری اور پردہ ابھی سے کرنا شروع کر دیا، چلو بیٹھو یہاں اور اپنے جٹھانی سے ذرا بے تکلفی پیدا کرو، ساری عمر ساتھ گزارنی ہے۔" بھابھی مذاق میں نوریہ کو رگید رہی تھیں یہ جانے بنا کہ اس کا دل اس نوک جھونک میں کیسے خار دار جھاڑی پہ گر جانے والے وجود کی طرح سے زخمی ہوا جا رہا ہے، معاذ نے گہرا سانس بھر کے ترچھی نگاہوں سے پرنیاں کو دیکھا تھا جو ایک بار پھر خود کو سنبھالنے کی کوشش میں مصروف تھی مگر اس کی شفاف کشادہ آنکھوں میں ہنوز آنسو تیر رہے تھے، معاذ بے بسی بے چارگی سے اسے دیکھ کر رہ گیا، رسم کی ادائیگی کرنے والوں کی ایک لمبی لائن تھی وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا، پھر دو گھنٹے بعد جب مہمان کھانا کھا چکے ان سب نے نئے سرے سے محفل ہال کمرے میں جمائی تو معاذ اس کیفیت کے حصار سے کب کا نکل بھی آیا تھا اور اسی خوش باش انداز میں چہکتا پھر رہا تھا، جبکہ اس کے برعکس پرنیاں نہ صرف تھکی ہوئی لگ رہی تھی بلکہ اداس بھی اور بار بار روتی تھی، رونے کو اس کے پاس اہم جواز تھا، زندگی کے اس اہم مقام پہ اس کے میکے سے کوئی ایک بھی رشتہ اس کے پاس نہیں تھا، سب اس کی اس محرومی سے آگاہ تھے کوئی اس نئی تازہ محرومی کو نہیں جانتا تھا جو اسے کچوکے لگا رہی تھی، اس نے دو تین بار بھابھی اور زینب سے کہا بھی تھا کہ اسے کمرے میں چھوڑ آئیں مگر انہوں نے پیار سے ٹال دیا تھا کہ ابھی تو محفل کا رنگ جمنا تھا، وہ سب لوگ ڈھولک بجا کر گیت گا رہی تھیں۔

"تمہارے بغیر ہم تو گزارا کر لیں گے مگر معاذ کے لئے محفل سونی ہو جائے گی۔" بھابھی نے اسے چھیڑا تھا اور معاذ نے ان کی بھرپور تائید کی تھی، پرنیاں کے زخموں کے ٹانکے ادھڑنے لگتے تھے اسے ہنستے دیکھ کر اندر بھڑکتی آگ کچھ اور دہکتی محسوس ہونے لگتی۔

"چھوڑیں یہ ڈھولک، میں آپ کو اپنی شادی کی خوشی میں گانا سناتا ہوں۔" معاذ کے کہنے پہ زیاد نے اسے دھر لیا تھا۔

"دیکھیں ذرا ان سے خوشی اور جذبات سنبھالے نہیں جا رہے، پہلے ہم سے منتیں کرا کے سنایا کرتے تھے اب خود آفر ہو رہی ہے۔" معاذ نے زیاد کی اس بات پہ مسکراتی نظروں سے پرنیاں کو دیکھا تھا، پھر ہنس دیا۔

"ہاں یہ سب کسی کی محبت کی حشر انگیزیاں ہیں، میں واقعی اپنے جذبات پہنچانا چاہتا ہوں، لہٰذا اب آپ ہمہ تن گوش ہو جائیے۔" وہ باقاعدہ گلا کھنکارنے لگا، باقی سب مسکرا کر منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے اور وہ بس پرنیاں کو اس کے دیکھنے کے انداز میں شرارت بھی تھی محبت بھی شوخی بھی تھی معنی خیزی بھی پرنیاں کو اپنے چہرے پہ الاؤ دہکتے محسوس ہونے لگے اور فشار خون بلند ہوتا ہوا، جبکہ اس کی آواز کا جادو ہر سو تمام تر ذومعنیت اور معنی خیزیت سے بکھرنے لگا۔

جانم دیکھ لو مٹ گئی دوریاں
میں یہاں ہوں یہاں ہوں یہاں ہوں
کیسی سرحدیں کیسی مجبوریاں

میں یہاں ہوں یہاں ہوں یہاں ہوں

اس کی پرتپش آنکھیں بیتے لمحوں کی تمام تر شوخی اور دلکشی کا عکس سمیٹ کر کچھ اور بھی گستاخ بے ادب اور بہکی بہکی لگ رہی تھیں، پرنیاں کا سارا وجود جیسے بھڑ بھڑ جلنے لگا۔

میں ہی میں اب تمہارے خیالوں میں ہوں
میں جوابوں میں ہوں میں سوالوں میں ہوں
دیکھتی ہو مجھے دیکھتی ہو جہاں
میں یہاں ہوں یہاں ہوں یہاں ہوں

پرنیاں کو صاف لگا تھا وہ اسے نظروں ہی نظروں میں اپنی ساری شوخ جسارتوں کو جتلا اور باور کرا رہا ہے اس کا ضبط ایک دم سے چھلک گیا، وہ یکدم اٹھ کر کھڑی ہو گئی، ماحول پہ چھایا طلسم اس کی اس طرح اٹھنے سے بکھر سا گیا، سب اس کی سمت متوجہ ہو گئے تھے اور تو اور معاذ بھی گانا چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا پری؟ طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے؟'' بھابھی نے اٹھ کر اسے نرمی سے تھاما تھا، پھر اس کا متغیر چہرا دیکھ کر استفسار کیا، وہ روہانسی سی ہو گئی۔

''جی...... میرا دل گھبرا رہا ہے، پلیز مجھے یہاں سے لے جائیں بھابھی۔'' وہ ان سے لگ کر سسک اٹھی تھی بھابھی نے اسے بے ساختہ خود سے لپٹا لیا۔

''چلو چلتے ہیں، ریلیکس سویٹی!'' ان کے ساتھ ساتھ زینب نے بھی اسے سہارا دیا تھا اور کمرے سے نکال لائیں۔

''بھابھی میری ضرورت ہوئی تو بتایئے گا، پری بی پی تو نارمل ہے تمہارا؟'' معاذ پریشان سا ان کے پیچھے آیا تھا، پرنیاں کے دل کو پنکھ سے لگے ہوئے تھے، اس کی آواز سن کر اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

''لالے آئی تھینک یہ تھک گئی ہے، آرام کرے گی تو بہتر ہو جائے گی طبیعت، آپ پریشان نہ ہوں۔'' زینب نے معاذ کی تشویش کو دیکھتے ہوئے تسلی دینی ضروری سمجھی، معاذ نے محض گردن ہلائی تھی اور پریشان کن نظروں سے پرنیاں کو دیکھتا جیسے مارے بندھے واپسی کو پلٹا تھا۔

☆☆☆

بہت خود پہ جبر کر کے
محبت کا سفر کر کے
اسے پانے کی چاہت میں مٹا کر ہر خوشی اپنی
بس اتنا جان پائے ہیں
محبت مر نہیں سکتی
محبت مار دیتی ہے

اگلا دن بہت زیادہ مصروفیت اور گہما گہمی لے کر طلوع ہوا تھا، مما بے حد مصروف تھیں مگر پھر بھی اس کا خصوصیت سے خیال کر رہی تھیں، کھانے پینے سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت تک، ناشتہ اس نے اپنے کمرے میں ہی کیا تھا، پھر ماریہ اور حوریہ وغیرہ کی تلاش میں کمرے سے نکلی تھی کہ لڑکیوں میں

انہی کے ساتھ اس کی کچھ بے تکلفی ہو پائی تھی مگر شفاف راہداری کے اختتام پہ اس کا سامنا اچانک زینب سے ہو گیا تھا، وہ سیل فون ہاتھ میں لئے بار بار کسی کا نمبر ڈائل کرتی بے حد جھلائی ہوئی نظر آتی تھی، آف وائیٹ پھولوں والا گلابی پیروں تک آتا ہوا لبادہ اور پشت پہ سیدھے گرتے ہوئے ریشمی بال جنہیں چہرے پہ ڈھلک جانے سے بچانے کو وہ بار بار ریشمی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستی تھی اور وہ پھسل کر پھر اس کی گردن اور گالوں کو وارفتگی سے چومنے لگتیں، وہ رات سے یکسر مختلف حلیے میں تھی مگر ویسی ہی فریش تر و تازہ اور صبح نوخیز کی طرح اجلی اور روشن روشن، ژالے کو لگا وہ شاہ ہاؤس میں موجود لڑکیوں میں شاید سب سے زیادہ حسین تھی، اس کی محویت تب ٹوٹی جب زینب کی نگاہ اس پر پڑی جو اگلے ہی لمحے تپش اور ناگواری و برہمی سمیٹ لائی تھی۔

''تو تم ہو ژالے آفریدی جس نے جے کو اپنے حسن کے جال میں پھانس کر تہذیب تک بھلا دی۔'' کچھ دیر اسے اپنی نظروں سے بھسم کرتے رہنے اور اچھی طرح سے نروس کرنے کے بعد وہ ژالے کے پاس رک کر سرد و تند آواز میں بولی تھی، الفاظ ایسے تھے کہ ژالے کا رنگ فق ہو کر رہ گیا۔

''جی......!'' وہ سخت ہراساں ہو کر ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔

''مجھے دیکھو، غور سے دیکھو، کیا تمہیں لگتا ہے تم مجھ سے زیادہ خوبصورت ہو؟'' ایک تو اس کے الفاظ اوپر سے انداز کی تلخی و درشتی ژالے کا اعتماد لمحوں میں ہوا ہوا تھا، وہ خشک ہوتے گلے اور گھبرائی نظروں سے مضطرب سی اسے دیکھے گئی۔

''آ...... آپ کیا کہہ رہی ہیں، مجھے قطعی سمجھ نہیں آ رہی۔'' وہ جیسے روہانسی ہو گئی تھی، کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ زینب کے اس انداز پہ گھبرا کر رو ہی پڑتی کہ جہان کی مداخلت پہ دونوں ہی چونک کر متوجہ ہوئی تھیں، بلیک سوٹ میں آف وائیٹ مردانہ شال لپیٹے سفید مرمر جیسے پیروں میں بلیک چپل پہنے وہ کسی مضبوط اور بلند چٹان کی طرح کچھ فاصلے پہ ایستادہ تھا، اس کے چہرے کے ہر نقش میں گمبھیر قسم کی سنجیدگی تھی، ژالے کے دل کو اس پل اسے روبرو پا کے عجیب سے تحفظ اور ڈھارس کا احساس ہوا تھا۔

''ژالے آپ اپنے کمرے میں جایئے۔'' وہ اسے ایک نظر دیکھ کر نارمل انداز میں بولا، اس ایک سادہ سی نظر میں کچھ بھی نہیں تھا مگر ژالے کو جیسے اپنا آپ معتبر ہوتا محسوس ہوا، کچھ کہے بغیر وہ الٹے قدموں پلٹ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

''بہت خیال ہے اس کا؟ گویا اس کی پہرے داری پہ لگے ہوئے ہیں۔'' زینب کو جہان کا یہ استحقاق اور احساس وہ بھی ژالے کے لئے ایک آنکھ نہیں بھایا تھا، اسے جتنی ناگواری محسوس ہوئی تھی اس حساب سے تڑخ کر بولی تھی، ایک بے نام سی کیفیت تھی جو چبھن بن کر اسے چبھ رہی تھی، وہ جس نے ہمیشہ اسے دیکھا تھا، اس کو اہمیت دی تھی اس کسی اور سمت متوجہ بھی ہوتا تو زینب سے برداشت کرنا دوبھر ہو رہا تھا، جہان نے تھکا ہوا اور بھنچا بھنچا سانس بھر کے زینب کے قہر ساماں تاثرات سے سجے چہرے کو دیکھا تھا۔

''آپ سمجھتی ہیں زینب کہ آپ کو ژالے سے یہ سوال کرنا چاہیے؟ اگر کرنا چاہیے تھا تو کس لحاظ سے؟'' جہان کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کچھ ایسا تو ضرور تھا جو کوڑا بن کر زینب کو لگا تھا۔

''ہر انسان کی ایگو اس کا بہت قیمتی سرمایہ ہونی چاہیے، یہ میں محض ایک بات کہہ رہا ہوں، آگے آپ

خود سمجھ دار ہیں۔'' اپنی بات کہہ کر وہ مضبوط قدموں سے آگے بڑھ گیا، جبکہ زینب سن اعصاب کے ساتھ ساکن کھڑی اپنے وجود کو جلتا محسوس کرتی رہی۔

(یہ کیسی حماقت کر دی میں نے، کیا سمجھتا ہوگا وہ کہ میں اس کی بیوی سے جیلس ہوں، میں کیوں ہوں گی جیلس میں نے خود ٹھوکر ماری تھی اسے اونہہ۔)

وہ اپنے خودی کے زعم اور تکبر میں تنفر بھرے انداز میں سوچتی رہی تھی پھر بھی اس کا دماغ سلگ رہا تھا، وہ کل سے تیمور سے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھی پتہ نہیں وہ کیوں نہیں پہنچا تھا اور یہاں وہ سب کے سوالوں کے جواب دیتی عاجز ہو رہی تھی، اس نے جھنجھلا کر پھر تیمور کا نمبر پش کیا اس بار نہ صرف رابطہ بحال ہو گیا بلکہ اس کی کال بھی ریسو کر لی گئی۔

''ہاں زینب بولو؟'' اس نے تیمور کی سوئی سوئی آواز سنی تھی اور جھلا سی گئی تھی۔

''کیا بولوں؟ آپ پہنچے کیوں نہیں ہیں ابھی تک، اوپر سے سیل بھی آف۔'' وہ مشتعل سی ہو کر بولتی چلی گئی تھی۔

''یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا؟ تمہیں ابھی تک یہ سمجھ نہیں آسکی کہ تم تیمور خان کی بیوی ہو اور تیمور کی بیوی کو کس طرح سے اس سے بات کرنی چاہیے؟'' وہ بھڑک کر پھنکارا تھا اور اس کے لتے لینے شروع کر دیئے تھے، تیمور کے لہجے کے کروفر اور طنطنے نے اسے لحہ بھر میں جتلا دیا کہ وہ اس سے ہر لحاظ سے کمتر ہے، یہ کمتری اسے وہ اپنے ہر عمل سے باور بھی کرا چکا تھا، اس کے لہجے سے جو حقارت نفرت اور تضحیک کے ساتھ بے زاری ٹپکی تھی اس نے زینب کو منجمد کر دیا تھا، توہین کے احساس سے وہ جتنا بھی سلگی مگر خود پہ ضبط ضروری تھا، ضبط اور جبر کیا ہوتے ہیں تیمور سے شادی کے بعد ہی تو وہ جان پائی تھی مگر مزاج چونکہ اپنا بھی شعلہ صفت تھا جبھی اکثر اپنی حیثیت بھول کر اس سے الجھ جاتی تھی پھر عزت افزائی کے بعد پھر سے اپنے مقام پہ لوٹ جاتی بالکل ایسا ہی اب بھی ہوا تھا، تیمور کا شمار بھی انہی مردوں میں ہوتا ہے جو رشتے کو اہمیت دیئے بغیر عورت کو بس پیر کی جوتی سے زیادہ گردانتے پہ آمادہ نہیں ہوتے، وہ تیمور کا کوئی اور عکس اور رنگ تھا جس پہ زینب نے اپنا سب کچھ اس پہ وار دیا تھا مگر سب کچھ ہار کے پچھتاوا ہی پچھتاوا تھا اس کے پاس۔

''یہاں شادی ہے تیمور اور سب آپ کا پوچھ رہے ہیں، آپ نے وعدہ بھی کیا تھا نا مجھ سے کہ آئیں گے یہاں۔'' اس کا سارا نخوت مصلحت اور نرمی کے پردے میں ملفوب ہو گیا تھا، اب اس کا لہجہ یکسر مختلف تھا ویسا جیسا تیمور کی خواہش تھی، دھیما کس قدر دبا ہوا اور التجا آمیز، وہ بدل گئی تھی کچھ بہت اہم کھو کر اندر سے مر گئی تھی۔

''آجاؤں گا، کل پرسوں، یہاں میں فارغ تھوڑی بیٹھا ہوں، اتنی بڑی ذمہ داریاں ہیں مجھ پہ، آخر ہونے والا سردار ہوں، اپنی فیملی کو سمجھاؤ کہ نہیں آسکتا میں۔'' وہ نخوت و بے نیازی سے بولا تھا، زینب کی جان ہوا ہونے لگی، اس نے تو یہاں سب سے کہا تھا وہ ضرور آئے گا اب بھلا نہ آنے پہ یہ بکی کیسے برداشت کرتی۔

''پلیز تیمور میری خاطر آجائیں بھلے اک رات کے لئے، آئیں گے نا۔'' وہ منت پر اتر آئی مزید ایسی کچھ منتوں کے بعد تیمور نے آنے کا وعدہ کیا وہ بھی کل اس نے سکھ کا سانس بھرا تھا، اتنا بھی کافی تھا

اگر سمجھوتہ کرنا ہوتو اور وہ سمجھوتہ کر رہی تھی۔

☆☆☆

مہندی کی تقریب کے لئے اس کا بلڈ ریڈ بے حد یونیک سی فراک تھی، جو اس کے پیروں تک آتی تھی، گھیرا اتنا تھا کہ جب وہ چلتی تو اس کا دامن پیچھے تک زمین پہ جھاڑو سا دیتا سرکتا آتا تھا کانوں میں اس نے زرقون کی جیولری پہنی تھی ویسا ہی گلوبند تھا جو اس کی صراحی دار راج ہنس جیسی گردن سے لپٹ کر شعاعیں بکھیرتا اس کی دودھیا گردن کو بے حد نمایاں کر رہا تھا، ایک بڑے سے نگ کا ٹیکہ جس کے ساتھ موتیوں کی لڑی تھی جسے بڑی احتیاط سے ماریہ نے اس کی مانگ پہ رکھ کر پنوں سے سیٹ کر دیا تھا، حالانکہ وہ یہ ٹیکہ نہیں لگانا چاہتی تھی، اسے اتنا سجنے سنورنے سے شرم محسوس ہوتی تھی، مگر ماریہ نے اس کی چلنے کہاں دی تھی اور ٹیکہ اس کی صبیح اجلی پیشانی پہ سجا کر ہی دم لیا تھا، ہلکا پھلکا میک اپ اور پشت پہ گرتے لمبے سیدھے بال پیروں میں کھسہ، اس پہ ایسا روپ آیا تھا کہ خود وہ بھی اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر گنگ رہ گئی تھی۔

''آئیں ذرا میرے ساتھ باہر۔'' ماریہ نے اسے سراہتی نظروں سے دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی باہر لے آئی، ژالے اس کی کارستانی خاک نہ سمجھ پائی اور ماریہ نے لا کر اسے لابی میں کھڑے ٹیلی فون سیٹ کا ریسور کان سے لگائے کوئی نمبر ڈائل کرتے جہان کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

''دیکھئے جہان بھائی میں نے آپ کی دلہن کو کتنا اچھا تیار کیا ہے، کیا انعام دیں گے بھلا مجھے؟'' جہان کی ساری توجہ اپنے کام کی طرف تھی، چونک کر متوجہ ہوا، جہاں وہ اس کے شعاعیں بکھیرتے پرحجاب چہرے پہ نگاہ ڈالتے ہی مبہوت ہوا تھا وہاں ژالے اسی لحاظ سے کنفیوژ اور جھینپی تھی، وہ حسین تھی بلاشبہ مگر اس سج دھج نے تو گویا اس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا تھا اور حسن کی زبان بھی ایک کرشمہ دکھاتی ہے، اپنا آپ منواتی ہے، جہان بھول گیا تھا کہ اس کے جذبات ژالے کے لئے کیسے تھے، وہ تو بس اس کے جکڑ لینے والے سراپے اور حیا آمیز شرمگیں چہرے پہ سجی مسکان کو دیکھ کر گنگ رہ گیا تھا۔

''آپ کو بھی پیاری لگیں نا؟ چلیں اب میرا انعام نکالیں۔'' ماریہ کی معصوم کھنکتی ہنسی جہان کو ہوش کی دنیا میں لے کر آئی تھی، اس نے بے اختیار اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر جیسے خود کو اس سحر سے آزاد کرانے کی کوشش کی اور خود کو جھڑکا تھا، اس کے چہرے کے زاویوں میں پہلے تناؤ آیا پھر ناگواری، اس نے کڑی نظروں سے ژالے کو دیکھا تھا، ان نظروں میں کس درجہ ملامت اور تلخی تھی ژالے کو محض ایک پل لگا تھا سمجھنے میں، اس کے گلابی شرمیلے گھبراہٹ زدہ چہرے پہ لمحوں میں سراسیمگی اور دھواں بکھرتا چلا گیا، ماریہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ آہستگی سے نکالتی وہ لڑکھڑاتے قدموں سے پلٹ گئی، ماریہ کو اس سے شاید یہ توقع نہیں تھی، وہ اسے آوازیں دیتی اس کے پیچھے دوڑی تھی، جہاں نے ناگوار سے انداز میں سر جھٹکا۔

(تم نے بہت گھاٹے کا سودا کیا ہے ژالے آفریدی، میرا دل تو ایک گھنا تاریک اور ہیبت ناک جنگل ہے اس کی بھول بھلیوں سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ نہیں ملتا، تم یہاں آنا چاہتی ہو، اول تو تمہیں یہاں داخلے کی اجازت نہیں، اگر کبھی کسی معجزے نے تمہیں اندر آ بھی لینے دیا تو یاد رکھنا، یہاں برسات نہیں ہوتی یہاں کسی آس کے جگنو کا بسیرا بھی نہیں ہے، یہاں صرف کانٹے اور سنگریزے ہیں، جو لہولہان کر دیں گے تمہیں اور اب تو میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہر نئی تکلیف بنا کرب ایجاد کروں تمہارے لئے میں نہ

تمہاری پذیرائی کروں گا، نہ تمہیں واپس لوٹنے دوں گا، یہ ہی تمہاری سزا ہے، یہی تمہارا بھگتان ہوگا۔)
نفرت اس کی پور پور کو نیلا کر رہی تھی۔

☆☆☆

یہ سارا دن بھی اس نے سوتے جاگتے روتے سسکتے ہی گزارا تھا، معاذ کئی بار اسے دیکھنے آیا مگر وہ اس کے سامنے سے بچنے کو ہی سوتی بن گئی تھی، وہ اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی، اس کے دل میں یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ معاذ نے محض اسے نیچا دکھانے کو ہی اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا اور وہ بکھر بکھر کر یہ سوال بار بار خود سے کرتی تھی، وہ کیا ایک بار ہار جانے والا انسان بار بار ہارتا ہی رہتا ہے۔

''کیا پھر کوئی محبت اس کا نصیب نہیں بن سکتی۔'' اس کی پلکیں بار بار نم ہوئی تھیں، معاذ نے اسے زیر کر لیا تھا، اپنی من مانی کر لی تھی، اس کے جذبات واحساسات کو بری طرح مجروح کر کے وہ چاہتا تھا پھر سب ویسا ہو جائے، وہ کیوں ایسا کرتی وہ کیوں اسے بار بار اپنے جذبات سے کھیلنے کا موقع دیتی، وہ اپنے اندر لگی آگ کو معاذ کے وجود کا حصہ بنا دینا چاہتی تھی، شاید تب اسے کچھ سکون آ جاتا، مہندی کی تقریب بے حد شاندار تھی، معاذ نے بلیک شیروانی پہنی تھی جو اس کے دراز قد اور غضب کے شاندار سراپے پہ بہت جچی تھی، وہ کل کی طرح آج بھی چاک وچوبند بے حد فریش اور مگن نظر آتا تھا بات بات پہ قہقہے بکھیرتا ہوا محفل کی جان بنا ہوا تا، اس کی شخصیت بڑی جاندار اور مسحور کن اور مغلوب کر لینے والی تھی اس کی شخصیت سب سے خاص چیز اس کا بھرپور اعتماد تھا، جو اس پہ اٹھنے والی ہر نگاہ کو پسندیدگی اور ستائش عطا کرتا تھا، گو کہ یہ اسی کی شادی کی تقریب تھی اس کے باوجود اچھی خاصی طرحدار لڑکیاں اس پہ فدا ہوئی جا رہی تھیں، پرنیاں کا خیال تھا اسی چیز نے اس کا دماغ ساتویں آسمان پہ پہنچا دیا تھا، وہ خود کو کوئی اونچی چیز سمجھنے لگا تھا، ان کی جوڑی کو بے حد سراہا جا رہا تھا، آج کی تقریب میں پرنیاں کا لباس چوڑی پاجامے اور انارکلی فراک کا تھا، جس کا گھیرا اتنا زیادہ تھا کہ دونوں سائیڈوں سے دو لڑکیاں اٹھاتی تھیں، تب وہ قدم اٹھا سکتی تھی، سلور کلر کا یہ انتہائی دیدہ زیب لباس تھا جس پہ سلور جھلملاتا ہوا کام بنا ہوا تھا، سلور ہی جیولری تھی، وہ اس لباس میں پھولوں کے گہنے پہنے اتنے منفرد اور پیاری لگ رہی تھی گویا چنچل پری ہو یا پھر کوئی اپسرا، رسم کے دوران بھی اس کی خاموشی اور حزن میں کمی نہیں آئی، معاذ تو اس کا یہ روپ سروپ دیکھ کر ہی صحیح معنوں میں دل تھام کر رہ گیا تھا، فوٹو سیشن کے دوران پرنیاں کی اصل بے بسی اور ضبط کی آزمائش ہوئی تھی، معاذ نے اتنے خوبصورت اور انوکھے پوز بنوائے تھے اپنے ساتھ کہ وہ عاجز ہو گئی تھی اس کی قربت سے اور شوخی کے مظاہروں پہ نالاں سی مگر کچھ کہنے سے قاصر بھی کہ سب وہاں ہی موجود تھے فوٹو سیشن کے بعد معاذ نے اپنی پسند کا گیت چلا دیا اور بار بار روائنڈ کر کے سننے لگا، اس کی شوخ بولتی نظروں کا مرکز پرنیاں ہی تھی، اس نے جب چھٹی بار یہی گانا لگایا تو اتنی سرمستی اور سرشاری کی کیفیت میں تھا کہ زیادہ کے ہاتھ پکڑ کر کھینچنے پہ اس کے ساتھ مل کر بھنگڑا ڈالنے لگا تھا پرنیاں کے ساتھ باقی سب بھی حیران رہ گئے، باقی شرارتیں ایک طرف مگر وہ کبھی بھی یوں ناچتا نہیں تھا، مگر جب اس کے قدم اٹھے تو ایک عجب بے خودی چھائی ہوئی تھی اس پہ، اس نے ثابت کیا وہ باقی سب کاموں کی طرح اس کام میں بھی لاجواب ہے، اس کا بھنگڑا اور راحت فتح علی خاں کی آواز نے ایک سماں باندھ دیا سب پلکیں جھپکائے بنا اسے دیکھنے لگے۔

کوئی بولے صحرا ہے کوئی مانے دریا ہے
کیسا ہے کیسا ہے عشق
کوئی سونے ساتھ لے رے
کوئی مائی سا بولے رے
کوئی بولے کہ چاندی کا ہے چھرا
ہوتا ایسے یہ موقع یہ روکا جائے نہ روکے سے
اچھا ہوتا ہے ہوتا ہے یہ برا
کیسا یہ عشق ہے عجب سا رسک ہے

اس کے قدم میوزک کی سرتال کے ساتھ اٹھتے تھے، تمام تر نفرت اور بے زاری کے باوجود پرنیاں کو اعتراف کرنا پڑا تھا کہ اس نے اس سے قبل کسی کو ناچتے ہوئے اتنا اچھا لگتے کبھی نہیں دیکھا تھا، ذاتی طور پہ اسے بھنگڑا ڈانس اور رقص وغیرہ بالکل پسند نہیں تھا نہ اسے ناچتے ہوئے لوگ کبھی اچھے لگے تھے پھر پتہ نہیں معاذ کی مرتبہ اس کا یہ خیال کیسے غلط ثابت ہو گیا تھا یا وہ اتنا شاندار تھا اتنا پاورفل تھا کہ اس کو خیال بدلنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

حسان بھاگم بھاگ اپنا ہنڈی کیم لے آیا تھا اور ان یادگار لمحات کو قلم بند کرنے لگا، مما اور مما جان یوں فدا ہوئیں کہ اس پہ نوٹوں کو نچھاور کرنے لگیں، باقی سب تالیاں بجا کر گویا اس کو داد دے رہے تھے اور پرنیاں وہ بس خالی دل خالی ذہن اور خالی نظروں سے اس کی بے تحاشا خوشی ملاحظہ کر رہی تھی۔

نیناں لاگے تو لاگے بنا ڈوری یا دھاگے
بندھتے ہیں دو نیناں خواب سے
نہ اتا ہو نہ پتہ ہو کہ اے نینوں میں کوئی آبسے
اس کا اس ہے نہ اس کا ہے جانے کتنا کا ہے کس کا ہے
کیسی بھاسا میں بھاسا میں ہے لکھا
کیا یہ عشق ہے عجب سا رسک ہے

گانا ختم ہوا تو تالیوں سے ہال گونج اٹھا تھا، وہ پسینوں میں نہایا ہوا دھپ سے پرنیاں کے پاس آ کر گرا اور گہرے گہرے سانس بھرتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرایا پھر شوخی سے بولا تھا۔

''آج کتنی ہی حسین لڑکیوں نے اپنے دل نذرانے کے طور پہ مجھ پہ نچھاور کر دیئے، ان میں آپ کا بھی دل تھا نا؟'' پرنیاں نے اس بات کے جواب میں ایک نفرت زدہ پھنکارتی نگاہ اس پہ ڈالی تھی اور منہ پھیر لیا تھا۔

☆☆☆

اس کا عروسی جوڑا بلڈ ریڈ کلر کا تھا جس پہ ایسا جھلملاتا ہوا کام تھا کہ نگاہ اس کی جھلملاہٹ اور چمک دمک کے آگے خیرہ ہوئی جاتی تھی، یہ جوڑا معاذ کی پسند کا تھا اور سب کو بے حد پسند آیا تھا، مگر جب وہ پرنیاں کے اجلے نازک بدن پہ سجا تب اس کی قیمت صحیح معنوں میں ٹھکانے لگی تھی، چولی کا دامن کام سے بوجھل تھا جس کی آستین آدھی سے بھی کم تھی، گلے کا گہراؤ بہت زیادہ گہرا تھا، اس پہ بیوٹیشن نے اس کے

منع کرنے کے باوجود سارا دوپٹہ پیچھے سیٹ کیا تھا، طلائی میچنگ جیولری اور دونوں کلائیوں میں سونے کی بھری ہوئی چوڑیاں بڑے بڑے جھمکی والے جھمکے اور اسی دن کی مناسبت سے کیا میک اپ وہ پچھلے تمام دنوں کی خوبصورتی کا ریکارڈ توڑ گئی تھی، جس نے بھی دیکھا تھا بے اختیار بلائیں لی تھیں، اس نے سختی سے مووی بنوانے سے انکار کر دیا تھا، جتنی وہ پیاری لگ رہی تھی مما کو بھی اس کی کسی لگ جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا، جبھی کسی نے بھی مجبور نہیں کیا تھا، اسے سب کے بیچ اسٹیج پہ بھی نہیں لا کر بٹھایا گیا کہ مما کو اس کی خرابی طبیعت کا اندازہ تھا، بس رسموں کی ادائیگی کو معاذ کے ساتھ زیادہ وغیرہ لحہ بھر کو اندر آئے تھے، معاذ نے البتہ وہاں آ کر ملنے سے انکار کر دیا تھا، خود وہ بلیک ٹو پیس میں ملبوس تھا، سرخ ٹائی باندھے اپنے اونچے پورے قد چوڑے شانوں خوبصورت چہرے اور ذہین آنکھوں کے ساتھ وہ بے حد مکمل اور وجیہہ لگ رہا تھا، جس کی شخصیت میں بے حد سحر انگیزی تھی، وہ پرنیاں کو دیوانہ وار دیکھتا تھا اور مسکرائے جاتا تھا۔

"مجھے فخر ہے میں اس دنیا کا سب سے خوش بخت انسان ہوں، اتنی خوبصورت ہے میری بیوی۔" دھیمی مسکراہٹ ہنوز اس کے لبوں کی تراش میں مچل رہی تھی، اس کا لہجہ خواب آسا تھا، زیاد نے وہاں آ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔

"باہر آئیں آپ کو جنید بھائی بلا رہے ہیں۔" معاذ کے احتجاج کی پرواہ کیے بغیر وہ اسے ساتھ گھسیٹ کر ہی لے کر گیا تھا، جہاں جنید بھائی نے اسے دیکھتے ہی آڑے ہاتھوں لیا۔

"شاباش ہے پتر تمہاری مردانگی کے، ابھی سے بیوی کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ گئے، ساری زندگی کیسے گزرے گی۔"

"ساری زندگی بھی بیوی کے گھٹنے سے لگ کر گزاروں گا ناٹ ڈاؤٹ۔" اس نے بلا جھجک کہا اور غصے سے انہیں دیکھا تھا۔

"کیوں بلایا ہے آپ نے مجھے؟ پتہ نہیں ہے آج میری شادی ہے اور میں اپنی بیوی سے پیار بھی کرتا ہوں۔" وہ انہیں گھور رہا تھا، اس بے شرمی اور دھڑلے پہ جنید بھائی کا منہ کھل گیا حسان بھائی اور زیاد کی کھی کھی نے الگ انہیں کھساہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

"حد ہے یار تم سے، یعنی کوئی شرم ہی نہیں۔" جنید بھائی نے بھی ہمت نہیں ہاری تو وہ الٹا انہیں ڈھیٹ کرنے لگا۔

"شرم کیسی بھئی، میں کوئی گناہ کا کام کرنے لگا ہوں کیا؟" جنید بھائی بغلیں جھانکنے لگے، پھر انہوں نے اپنی خجالت دور کرنے کو کہا تھا۔

"چل یار اک گانا ہی سنا دے، تیری آواز بڑی مست کر دینے والی ہے۔"

"اتنی بار تو سنایا ہے، کل تو ڈانس بھی کیا تھا، آپ کہاں تھے؟"

"دیکھا تھا یار میں آج کی بات کر رہا ہوں۔" انہوں نے زچ ہو کر جواب دیا مقصد اسے باتوں میں الجھانا تھا جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی تھے۔

"یہ پروگرام پھر کسی دن کے لئے اٹھا رکھیں، ابھی تو میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔" وہ اٹھا تو جنید بھائی نے اسے ہاتھ پکڑ کر واپس گھسیٹ لیا تھا۔

"ایسی بھی کیا بے مروتی ہے یار کچھ دیر تو بیٹھو ہمارے پاس۔" وہ جان بوجھ کر اس سے بحث کو طول دینے لگے، معاذ کی جھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی اور جنید بھائی حظ لے رہے تھے، اسی بحث میں وہ لوگ مشغول تھے جب جہان اس سمت آ نکلا تھا، انہیں الجھتے دیکھ کر حیران ہونے لگا۔

"خیریت کیا ہوا؟" اس کی سوالیہ نگاہیں ان دونوں پہ جم گئیں۔

"یار جے سمجھا انہیں کہ مجھے جانے دیں نا، جب ان کی شادی ہوئی تھی ہم نے ان سے ایسی زیادتی نہیں کی تھی۔" وہ نروٹھے پن سے بولا، جہان کے لبوں پہ مدھم سی مسکان بکھر گئی۔

"جانے دیں نا جنید بھائی! آپ نے اس سے کیا کرانا ہے؟"

"ہاں تم تو فیور کرو گے ہی، تم پہ بھی ایسا نازک وقت جو آنے والا ہے۔" جنید بھائی نے برا مان لیا، جہان انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

"میں جاؤں بھائی جان؟" معاذ، جنید بھائی کے منہ کے پاس منہ لا کے بولا اور ہنسنے لگا، جنید بھائی کھسیا کر اسے گھونسہ مارنے کو لپکے مگر وہ انہیں چڑاتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا تھا، ماحول خوبصورت تھا زندگی خوبصورت تھی، وہ بے حد سرشار تھا نہیں جانتا تھا یہ خوشی عارضی ہے زندگی پہ اس کا اس کی خوشی کا اک وقت متعین تھا جو پورا ہو گیا تھا، آگے کیا ہونا تھا یہ دھرتی پہ پھیلی تاریکی کی طرح غیر واضح تھا تاریک نظر نہ آنے والا۔

(جاری ہے)

سنا ہے اس محبت میں

حمیرا خان

''تو مائی ڈیئر فرینڈز آج کی تازہ خبر یہ ہے کہ میں نے عشق کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' ہما کی آواز پر نادیہ اور سعدیہ نے اس کی طرف یوں دیکھا گویا امریکہ نے افغانستان سے جانے کا اعلان کردیا ہو۔

''مگر عشق سے پہلے محبت کرنا پڑتی ہے محترمہ اور وہ بھی کسی انسان سے۔'' رانی نے اس اعلان سے ذرا بھی متاثر ہوئے بنا اس کی معلومات میں اضافہ کرنا ضروری سمجھا،

''مگر میں عشق مجازی کی نہیں عشق حقیقی کی بات کر رہی ہوں۔'' ہما نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''میں نے سنا ہے عشق مجازی عشق حقیقی تک جانے کی سیڑھی ہوتا ہے اور عشق مجازی تو کسی انسان سے ہی ہوتا ہے نا۔'' نادیہ نے اپنی عینک کے گول گول شیشوں سے ہما کو پرسوچ انداز میں دیکھتے ہوئے کچھ اس اندا میں کہا کہ وہ لفظ انسان کی اس تکرار سے بھنا ہی تو گئی۔

''کیا مصیبت ہے مجھے نہیں کرنی کسی انسان ونسان سے محبت۔'' ہما کے منہ بنانے پر وہ تینوں ہنس پڑیں۔

''آخر اس میں برائی کیا ہے؟'' یہ وہ سوال تھا جس کے جواب میں دو ڈھائی گھنٹے تقریر کرنا تو ہما کے لئے معمولی بات تھی اور اسی لئے نادیہ اور رانی نے سعدیہ کو خونخوار نظروں سے دیکھا مگر اس سے پہلے کہ ہما اپنی تقریر کا آغاز کرتی سعدیہ کے فون پر آئی رنگ ٹون نے ان سب کی توجہ کھینچ لی، سعدیہ نے جلدی سے فون اٹھایا اور دروازے کی طرف چھلانگ لگادی۔

''اُف۔'' اس کے اس انداز پر اگرچہ ہما کے لبوں کو بھی مسکراہٹ نے چھوا تھا مگر پھر بھی اس نے عادت کے مطابق بیزاری کا اظہار کرنا ضروری سمجھا اور ساتھ ہی منہ تک چادر کھینچتے ہوئے آنکھیں موندلیں۔

☆☆☆

محبت ہم سے نہ ہوگی
سنا ہے اس محبت میں
بہت نقصان ہوتا ہے
مہکتا جھومتا جیون
غموں کے نام ہوتا ہے
سنا ہے چین کھو کر وہ
سحر سے شام روتا ہے
محبت جو بھی کرتا ہے
بہت بدنام ہوتا ہے
محبت ہم سے نہ ہوگی
سنا ہے اس محبت میں
کہیں بھی دل نہیں لگتا
بنا اس کے نگاہوں میں
کوئی موسم نہیں جچتا
خفا جس سے محبت ہو
وہ جیون بھر ہیں ہنستا
بہت انمول ہے جو دل
اجڑ کر پھر نہیں بستا
محبت ہم سے نہ ہوگی
محبت ہم سے نہ ہوگی

''ارے بابا جب محبت کرنی ہی نہیں ہے تو اس کے بارے میں اتنی انفارمیشن لینا چہ معنی۔'' ڈائس پہ کھڑی ہما نے جسے ہی نظم مکمل کی ہال تالیوں اور شور سے گونج اٹھا مگر تالیوں کے تھمتے ہی یاسر کا کہا یہ جملہ پھر سے قہقہوں کا سبب بن گیا، وہ کینہ توز نظروں سے یاسر کو دیکھتی سٹیج سے اتر آئی، اس کے بعد سارے فنکشن میں اس کا موڈ خراب ہی رہا اور وہ بالکل بھی انجوائے نہ کر پائی، شام ڈھلے فیئرویل کا فنکشن ختم ہوا اور سب

لوگ اپنے ٹھکانوں کو سدھارے۔

☆☆☆

"اٹھ جاؤ دن کے بارہ بجے ہیں اور تم لوگ ابھی تک نحوست پھیلا رہی ہو۔" بقول سعدیہ صبح خیزی کی بیماری میں مبتلا نادیہ سب کی نیند برباد کرنے پر تلی تھی۔

"سونے دو نا یار بہت تھکے ہوئے ہیں۔" رانی نے بھی کمبل دوبارہ اوڑھتے ہوئے معصوم سی شکل بنا کر کہا۔

"اوہو بہت تھک گئے ہو تم لوگ کون سے پہاڑ توڑے ہیں تم لوگوں نے دو تین گھنٹے مزے سے بیٹھ کر فنکشن انجوائے کیا اور پھر ٹھونس ٹھونس کر واپس ہو لیں اس میں تھکن کا کیا سوال؟" نادیہ کو ذرا بھی جو رحم آیا ہو۔

"تم لوگوں سے اچھی تو ہما ہے جو بنا جگائے ہی جاگ گئی۔" نادیہ نے جیسے بریکنگ نیوز سنائی۔

"کیا ہما جاگ گئی وہ بھی خود بخود۔" رانی اور سعدیہ کی نیند اچانک ہی غائب ہوئی۔

"ہاں خود بخود۔" نادیہ نے دانت پیسے۔

"اس وقت کہاں ہے؟" ہما ان سب میں سب سے سست مانی جاتی تھی اسے جگانا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا اور آج وہ سب سے پہلے نہ صرف جاگ گئی تھی بلکہ کمرے سے بھی غائب تھی اس لئے سب کا حیران ہونا لازمی تھا۔

"اوئے تمہیں کیا ہوا ہے؟" اب وہ سب گراؤنڈ میں جھولے پر گم صم بیٹھی ہما کے سر پر سوار پوچھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا یار۔"

"یہ ایسا کیوں ہو رہا ہے کہ تم نہ کہہ رہی ہو ہمیں ہاں سن رہا ہے؟" نادیہ نے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے فلسفیانہ انداز اختیار کیا تو باقی سب بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے گردن ہلانے لگیں۔

"میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اس یاسر کے بچے کو سبق سکھا کر رہوں گی، جب دیکھو الٹی سیدھی بکواس کرتا ہے کل بھی تم نے دیکھا اس نے میری نظم کو کتنا پسند کیا تھا مگر آخر میں اس نے پھر بکواس کر دی۔" آخر بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔

"لیکن تم یہ کیسے کرو گی؟ میرا مطلب ہے یاسر کی تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی تو اس کے بچے کو سبق سکھانا۔" رانی کی حیرت پر ہما نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"تم سب میرے ساتھ ہو؟"

"ہاں بالکل ہم زندگی کی آخری سانسوں تک تمہارے ساتھ ہیں۔" سب نے جنگ پر جاتے سپاہیوں کی طرح ایک آواز ہو کر کہا تو ہما کسی چالاک سیاست دان کی طرح مسکرائی جسے عوام کی حمایت کا یقین مل چکا ہو۔

☆☆☆

"کوئی آئیڈیا آیا ذہن میں۔"

"ہاں آیا ہے نا، میں سوچ رہی ہوں لبو سے نوٹس لینے کی ٹرائی کرتی ہوں اس کے نوٹس مل جائیں تو جی پی اچھی آوے ہی آوے۔" کتنی دیر سے سوچوں میں غرق رانی نے جواب دیا۔

"تم ہمیشہ نوٹس کے چکر میں ہی رہنا اور بی بی اور بھی غم ہیں زمانے میں نوٹس کے سوا۔" ہما نے اس کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے شعر کا حلیہ بگاڑا۔

"مثلاً۔" رانی کون سا آسانی سے جان چھوڑنے والی تھی۔

"مثلاً پیار، محبت، عشق اور......"

"اور......" سعدیہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"اور شادی۔" نادیہ نے ٹھنڈی آہ بھرتے

ہوئے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"لعنت ہے تم سب پر اپنی اپنی بکواس کر رہے ہو کوئی میرے مسئلے پر بھی تو جو دو سوچو کیا کرنا ہے اس یاسر کا۔" ہما کے غصے پر سب اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"میں سوچتی ہوں اس کو اغوا کروا لیتے ہیں اور اچھی طرح سمجھا دیتے ہیں کہ ساڈے نال پنگا از ناٹ چنگا۔" رانی کی تجویز پر ہما نے بے بسی سے نادیہ اور سعدیہ کی طرف دیکھا۔

"ارے نہیں میرا خیال ہے اغوا کروانے کی ضرورت نہیں وائس چینجر کی مدد سے ہم اسے فون کر کے ہی دھمکی دے دیں تو کافی ہوگا۔" منگیتر کے فون کے انتظار میں موبائل ہاتھ میں گھماتی سعدیہ نے اپنی دانست میں معاملے کی سنگینی کو کم کرتے ہوئے کہا۔

"اور تم کیا کہتی ہو؟" ان دونوں سے مایوس ہو کر ہما نادیہ کی طرف گھومی۔

"میرے خیال میں تو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہماری ایک سمسٹر ہی تو رہ گیا ہے بس پھر تم کہاں یاسر کہاں، تب یہ سب صرف ایک یاد بن کر رہ جائے گا۔"

"ایک بھیانک یاد۔" ہما نے اضافہ کیا۔

"تم لوگوں کو بس ٹھونسنا آتا ہے یا بک بک کرنا باقی تم سب کسی کام کی نہیں خیر میں خود ہی کچھ سوچ لوں گی۔" دوستوں کی بے وفائی لاپرواہی سے شدید صدمے کا شکار ہما کمرے سے واک آؤٹ کر گئی۔

☆☆☆

"ایکسکیوز می۔"

"ایکسکیوزڈ۔" وہ سب کینٹین پر سموسوں اور دہی بڑوں سے انصاف کرنے میں مصروف تھیں تبھی یاسر کی آواز پر لاپرواہی سے کہتے ہوئے رانی پھر سے پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"کیا میں آپ لوگوں کو جوائن کر سکتا ہوں پلیز؟" وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

"جی ضرور بیٹھیے۔" آخر نادیہ کو اس پر ترس آ ہی گیا، ہما کی کھا جانے والی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ فالتو چیئر پر لدی کتابوں اور بیگز کو ٹیبل کی سائیڈ پر رکھتے ہوئے بولی۔

"تھینک یو، یہ مٹھائی کس خوشی میں ہے۔" ٹیبل کے بیچوں بیچ رکھے مٹھائی کے ڈبے کی طرف دیکھتے ہوئے یاسر نے پوچھا۔

"یہ نادیہ لائی ہے۔" رانی کے جلدی سے بتانے پر نادیہ نے اسے گھور کر دیکھا پھر اس سے پہلے کہ وہ آگے کچھ کہتی نادیہ بول پڑی۔

"ہماری پیاری دوست کا رشتہ طے ہو گیا ہے یہ کنجوس تو مٹھائی لائی نہیں میں نے سوچا میں ہی لے آتی ہوں۔" نادیہ کے اس جھوٹ پر جہاں اس کے گروپ نے اسے حیرت سے دیکھا وہیں یاسر بے چین ہو گیا۔

"آپ کی کس دوست کا رشتہ طے ہوا ہے؟"

"ہما کا۔" نادیہ آج جھوٹ بولنے کا عالمی ریکارڈ بنانے پر تلی بیٹھی تھی۔

"جی ہما کا۔" یاسر کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اور لہجے میں بھی اداسی در آئی تھی۔

"اتنی جلدی...... میرا مطلب ابھی تو ہمارا ماسٹرز بھی کمپلیٹ نہیں ہوا، اینی وے آپ کو بہت بہت مبارک ہو مس ہما اور آپ سب کو بھی۔" وہ مبارک باد دیتا جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے بیٹھیے نا یہ مٹھائی تو کھا کر جائیں۔" نادیہ نے زخموں پر نمک چھڑکا۔

"نہیں شکریہ میں مٹھائی نہیں کھاتا۔" اس کے بعد وہ رکا نہیں تھا نہ ہی سائیڈ پر بیٹھے اپنے

دوستوں کی طرف گیا تھا بلکہ اس کا رخ ڈیپارٹمنٹ کی پارکنگ کی طرف تھا۔

''اسے کیا ہوا؟'' اس کے جانے کے بعد سب سے پہلے رانی بولی۔

''عشق۔'' نادیہ نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا تو رانی سمیت باقی دونوں بھی سوالیہ نظروں سے اسے کی طرف دیکھنے لگیں۔

''اسے عشق ہوگیا ہے ہما...... اس کی ساری شرارتیں، لڑائی جھگڑے تم سے بات کرنے کا بہانہ تھے بس۔'' نادیہ نے ہما کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو اب کی بار باقی سب نے بھی ہما کے چہرے پر نظریں جمائی تھیں وہ ان نظروں سے کترائی وہاں سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہوگیا تھا اور ان کا آخری سمسٹر بھی سو وہ لوگ بھی سب بھول بھال کر سی جی پی مینٹین رکھنے کے چکر میں دوا (پڑھائی) اور دعا سے کام لے رہی تھیں، یاسر اس دن کے بعد دو دن ڈیپارٹمنٹ سے غائب رہا تھا تیسرے دن آیا بھی تو یکسر بدلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

''پتا نہیں کیا روگ لگ گیا ہے بیچارے کو ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا سب سے گڈ لکنگ لڑکا تھا اب دیکھو کیا حالت بنا رکھی ہے۔'' ثانیہ بڑے دکھ بھرے لہجے میں آمنہ سے کہہ رہی تھی ان کی آواز پر ہما کی نظریں بے اختیار یاسر کے چہرے کی طرف اٹھی تھیں، بڑی ہوئی شیو چہرے پر یاسیت لئے وہ واقعی بہت بدلا ہوا لگا اسی دم یاسر کی نظر اس کی طرف اٹھی تھی۔

''اُف...... ف کتنی ویرانی تھی ان آنکھوں میں۔'' ایک لمحے کو ہما کے دل کو کچھ ہوا لیکن وہ رخ موڑ گئی، نادیہ بھی دور کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں اپنے جھوٹ پر شرمندہ ہو رہی تھی اس نے تو بس ذہن میں آتے ایک خیال کی تصدیق کے لئے ایک مذاق کیا تھا، تصدیق تو ہوگئی تھی لیکن اسے کیا پتا تھا اس کا مذاق کسی کی زندگی کا روگ بن جائے گا۔

☆☆☆

''یار کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم لوگ کوئی عید ساتھ میں گزاریں؟'' اگلے دن سے عید کی چھٹیاں شروع ہو رہی تھیں اسی لئے وہ سب اپنا اپنا بیگ تیار کرنے میں مصروف تھیں ارادہ یہی تھا کہ ڈیپارٹمنٹ سے فری ہوتے ہی گھر کے لئے نکل جائیں گے ہاسٹل کی کافی لڑکیاں تو جا بھی چکی تھیں جو بچی تھیں انہوں نے اگلے دو دن میں چلے جانا تھا۔

''ہوسکتا ہے مگر ابھی نہیں؟'' سعدیہ نے الماری سے بکس نکالتے ہوئے جواب دیا۔

''تو پھر کب؟'' رانی کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''شادی کے بعد۔''

''ارے یار ہم سب کی شادی کے بعد، ابھی تو ہم میں سے کسی کے بھی امی ابو اس کی اجازت نہیں دیں گے لیکن شادی کے بعد ہم سب اپنے اپنے مجازی خداؤں کے ساتھ کہیں اکٹھے ہو کر ایک ساتھ عید انجوائے کرسکتے ہیں۔'' سعدیہ کے تسلی کرانے پر رانی کے چہرے پر رونق آگئی، ہما خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں تبھی ہما کے موبائل پر کال آنے لگی، اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا کال انجان نمبر سے آرہی تھی۔

''اٹھاؤ نا۔'' نادیہ نے کہا۔

''پتا نہیں کون ہے؟''

''تم اٹھاؤ تو کوئی اپنا ہی ہوگا، میرا مطلب ہے عید کے موقع پر کوئی اپنا ہی فون کرے گا نا۔''

اپنی بات پوری کرتے ہوئے سعدیہ نے فون آن کرتے ہوئے اس کے کان سے لگا دیا۔

''وعلیکم السلام! جی بات کر رہی ہوں آپ کون؟'' ہما دوسری طرف کی بات سنتے ہوئے جواب دے رہی تھی۔

''یاسر!۔'' اس نے فون پر کہتے ہوئے اپنی دوستوں پر نظر ڈالی، یاسر کا نام سنتے ہی وہ سب اس کے قریب آ بیٹھی اور فون سے کان لگا کر سننے کی کوشش میں ہما کے سر پر سوار ہوگئیں ہما نے جھنجھلا کر اسپیکر آن کر دیا۔

''سب ٹھیک تو ہے نا؟'' ادھر ان کے گرنے پڑنے کی آوازیں یقیناً یاسر تک پہنچ گئی تھیں تبھی پوچھنے لگا۔

''جی سب خیریت ہے آپ فرمایئے آپ نے کیسے زحمت کی۔'' آج ہما میں نادیہ کی روح گھس آئی تھی تبھی اتنے بھاری بھرکم الفاظ استعمال کر رہی تھی، لہجے میں بیزاری مگر آنکھوں میں چمک دیکھ کر تینوں نے اسے اشاروں ہی اشاروں میں انسانوں کی طرح بات کرنے کے لئے کہتے ہوئے دھمکیاں دیں۔

محبت رنگ ہے اور خواب خوشبو
سو ہم کو رنگ اور خوشبو پسند ہے

''تو میں کیا کروں جی آپ کی پسند ناپسند کا، مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔''

''ستیاناس۔'' ہما کے اس جواب نے یاسر کے سارے رومینٹک موڈ پر پانی پھیر دیا تھا۔

''ایک تو مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ مجھے تم جیسی عقل سے پیدل لڑکی پسند کیسے آگئی، میں غالب اور میر کا جانشین اور تم اشعار کو سمجھنے سے بالکل کوری۔''

''تو نہ کرو پسند میں نے کیا تمہیں دعوت نامہ دیا ہے کہ آؤ مجھے پسند کرو، ویسے بھی تمہیں شرم آنی چاہیے اس طرح کسی کی منگیتر کو فون کر کے محبت جتاتے ہوئے۔'' ہما کے جلے بھنے لہجے پر یاسر کا قہقہہ سنائی دیا تو وہ ہونقوں کی طرح فون دیکھ کر رہ گئی غور کیا تو وہ تینوں بھی منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی کنٹرول کرنے میں مصروف دکھائی دیں۔

''سنو مجھے تم سے شادی کرنا ہے اور اگر تم نے کسی اور سے شادی کی تو......''

''تو...... تو کیا، کیا کرلو گے تم؟''

''تو میں تمہارے شوہر کے ساتھ دوستی کروں گا اور اس کی تین شادیاں کروا کر تمہاری تین سوتنیں تمہارے گھر میں جمع کر دوں گا بھی۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔'' اس انوکھی دھمکی پر ہما سمیت وہ تینوں بھی ہنس پڑی اور اپنے

کہے الفاظ کو ذہن میں دہرایا تو یاسر بھی مسکرانے لگا۔

"سنو میری چھوٹی سی فیملی ہے میری امی ہاؤس وائف ہیں بے حد سویٹ خاتون ہیں سچ تو یہ ہے کہ ان میں ساس بننے والی ایک بھی خوبی نہیں نہ ان کو طعنے دینے آتے ہیں، نا نقص نکالنا اور نہ ہی ڈھیر سارا جہیز حاصل کرنے کی خواہش، اس کے علاوہ وہ میرے بابا ہیں۔"

"وہ آرمی میں ہوتے ہیں ان کے علاوہ آپ کا ایک بڑا بھائی ہے جس کی شادی ہو چکی ہے اور ایک عدد پیاری سی بیٹی بھی ہے آپ سے چھوٹی ایک بہن ہے جو ایم بی بی ایس کے دوسرے سال میں ہے۔"

"ارے تمہیں میرے بارے میں اتنا کچھ معلوم ہے۔" یاسر لہجے میں خوشگوار حیرت لئے پوچھ رہا تھا۔

"جب آپ میری فیملی اور شہر کے بارے میں معلومات لیں گے تو کیا میں ایسا نہیں کر سکتی۔" اپنی کھسیاہٹ مٹانے کو اس نے یاسر کی بات کاٹ دی۔

"خیر کچھ بھی ہے بہت اچھا لگا یہ جان کر کہ تمہیں بھی میری زندگی میں کوئی دلچسپی ہے۔"

"جی بس اب باقی فون بند کرنے کے بعد خوش ہوتے رہیے گا اس سے زیادہ بات کرنے کی اجازت نہیں مل سکتی آپ کو۔" سعدیہ نے موبائل ہما کے ہاتھ سے لیتے ہوئے رعب جمایا۔

"اُف یہ ظالم سماج۔" یاسر نے مصنوعی آہ بھری۔

"وہ محبت ہی کیا جس میں ظالم سماج درمیان میں نہ آئے۔" یہ رانی تھی۔

"او کے او کے گرلز تھینک یو سو مچ، اللہ حافظ۔" فون بند کر کے وہ لوگ پلٹیں تو ہما کو خطرناک تیور لئے اپنی طرف دیکھتے پایا۔

"غدارو، دوست میری اور ساتھ اس کا دیا۔"

"میں نے تو بس اسے یہ بتایا تھا کہ وہ مٹھائی میرے بھائی کی منگنی کی تھی۔" نادیہ نے دامن چھڑایا۔

"اور مجھے تو بس اس بیچارے معصوم کی حالت پر ترس آ گیا تھا۔" رانی کی ہمدرد طبیعت سے کون ناواقف تھا۔

"اور مجھے بھی کوئی عشق نہیں تھا اس کا ساتھ دینے کا اگر جو تم ٹھنڈی ٹھار آہیں لے لے کر جون کو دسمبر بنانے کی کوشش نہ کیا کرتیں۔" سعدیہ نے بھی تاک کر نشانہ لیا، ہما کو بے ساختہ اپنی پیاری دوستوں پر ٹوٹ کر پیار آیا جنہوں نے بنا کہے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کر دی تھی اور اس کا بھرم بھی قائم رکھا، محبتوں اور پیار بھرے رشتوں کے بنا یہ دنیا کتنی ادھوری ہے۔

"اے کیا ہوا کیا سوچ رہی ہو؟" ہما کو سوچوں میں گم دیکھ کر وہ تینوں بے چین ہو گئیں کہ شاید وہ سچ میں خفا ہو گئی ہے۔

"سوچ رہی ہوں ابھی تو فروری بہت دور ہے۔"

"تو......؟" وہ سب اس کے یاسیت بھرے لہجے پر ایک ساتھ پوچھنے لگیں۔

"تو یہ کہ میں نے ہمیشہ یہی سوچا ہے کہ چودہ فروری کو میری منگنی ہو۔" اس کے معصومیت سے کہنے پر وہ تینوں ہنستے ہوئے ہما سے لپٹ گئیں، محبت اپنی فتح پر مسکراتی ان کے گرد رقص کرنے لگی۔

☆☆☆

ثمینہ بٹ

"بھابھی! آپ کیوں نہیں بیٹھتی اعتکاف اس بار۔" عائشہ میری منہ چڑھی بھانجی نے حسب عادت اِدھر اُدھر کی چھوڑتے ایکدم پینترا بدلا اور میری بہو کو اس نادر و نایاب مشورے سے اس طرح نوازا کے اس کے ساتھ ساتھ ہم سب بھی بھونچکے رہ گئے، یوں تو وہ ہر کسی کو ہی مشورے اور تجاویز دینے میں ماہر تھی ہی اور ہم سب بشمول اس کے والدین اس کے مشوروں پر اکثر و بیشتر عمل پیرا ہو بھی جاتے تھے، مگر جیسے ہی وہ خاندان بھر کی بہوں اور بھابیوں کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازنا شروع کرتی تمام ساسوں اور نندوں میں اندرون خانہ بے چینی پھیل جاتی، کیونکہ عائشہ بی بی کو اس قسم کے "سوشل ورک" کا بخار اکثر چڑھتا ہی رہتا تھا اور ایسے موقعوں پر میری طرح کی عقلمند ساسیں اپنی بہوؤں پر "کڑی نگاہ" رکھتے ہوئے انہیں عائشہ سے کوسوں دور رکھنے کی کوشش کرتیں۔

"بھابھی! سوچ کیا رہی ہیں، نیک کام کے لئے اتنا سوچنے کی بھلا کیا ضرورت ہے، آپ تو بس یہ سوچیں کہ دوران اعتکاف آپ اللہ سے کس قدر قریب ہو جائیں گی، رمضان کی برکات، فضائل اور فیوض جھولیاں بھر بھر کر سمیٹیں گی اور آپ کے اس عمل کی برکت سے ہمارے گھر پر بھی کس کس طرح کے فضل نازل ہوگا، سوچیں ذرا بھابھی، اللہ کی رحمتیں، برکتیں اور فضیلتیں بارش کی طرح نازل ہو رہی ہوں گی اور اس بارش میں ہم سب سرتا پا بھیگ بھیگ جائیں گے، واہ سبحان اللہ۔" اور میں جو ابھی اس کے پہلے حملے سے ہی نہیں سنبھل پائی تھی اس کے دوسرے ڈرون اٹیک سے بالکل ہی چت ہو گئی، میرے تسبیح پر تیزی سے گردش کرتے ہاتھ یکلخت رک گئے اور ورد کرتے ہونٹ مارے حیرت کے پورے کے پورے کھل گئے، میں نے بے ساختہ کومل (اپنی بہو) کو اپنی اسی مخصوص گھوری سے نوازا تھا جس کے بعد نتیجہ ہمیشہ میرے حسب منشاء ہی نکلا تھا۔

"بھئی میں نے کہا ناں کہ میں بہت سمجھدار ہوں، جب سانپ بغیر لاٹھی کے ہی مر سکتا ہے تو پھر بھلا لاٹھی کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت، اسی لئے مجھ جیسی ذہین و فطین ساس کا کام جب صرف گھوری سے ہی نکل جاتا ہو تو پھر بھلا بڑ بڑ کر کے سارے زمانے میں بری کیوں بنتی پھروں۔"

اور یہ تو میرا شروع ہی سے وطیرہ رہا ہے کہ آنکھ کے اشارے پر چلاتی رہی ہوں سب کو یوں ہی تو نہیں خواجہ صاحب اور ان کے گھر پر آج تک راج کرتی پائی جاتی ہوں، اپنی اسی عقل و ذہانت کے بل بوتے پر ہی تو سب کو بشمول اپنی سسرال اور اپنے بیٹوں کی سسرال کو چت کرتی چلی آئی ہوں اور رہی کومل، تو وہ تو ہے ہی اللہ میاں کی گائے، سیدھی سادی اور بہت معصوم، ارے آپ کو یقین نہیں آرہا بھائی سچ کہہ رہی ہوں۔

پانچ سال ہونے کو آئے اسے میری راج دھانی میں آئے ہوئے مگر مجال ہے جو آج تک اس نے بھول کر ہی میری کسی بات سے اختلاف کیا ہو، ارے بھئی کرے بھی تو کیسے بھلا، میں نے کہا ناں میں اپنی عقل فہم و فراست کے زور پر سب کو اپنی آنکھ کے اشارے پر چلاتی آئی ہوں، جب خواجہ صاحب کو میرے کسی عمل سے آج تک اختلاف نہیں ہوا تو کومل بے چاری کس کھیت کی مولی تھی۔

ہاں البتہ میرے بڑے بیٹے نے خوب اپنی مرضی کی اور ایسی دھول جھونکی میری آنکھوں میں کہ میری ساری ذہانت، متانت منہ کھولے آنکھیں پھاڑے، بس دیکھتی ہی رہ گئی، مغیث ہمارا سب سے بڑا لاڈلا اور ہونہار بیٹا، جیسے ہی اے کے بعد مزید علم کا چسکا آکسفورڈ لے گیا اور وہ جو ہم سب سے خوب وعدے وعید کر کے، یورپی ڈگریاں لینے گیا تھا، یورپی ڈگریاں تو پتا نہیں اسے کب ملتیں، ہاں البتہ یورپی میم اسے ضرور مل گئی اور اس نے وہیں شادی کر کے سیٹل ہو جانا لاکھ درجہ بہتر سمجھا، بجائے اس کے کہ وہ واپس اس جنجال پورے میں آتا، جی ہمارا ہونہار لاڈلا سب سے انوکھا بھی تو تھا ناں، مغیث کی طرف سے مایوس ہونے اور ہاتھ دھونے کے بعد میں نے فوری طور پر منیب کے لئے لڑکی دیکھنا شروع کر دی اور اس کے لئے مجھے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا۔

خدیجہ (میری چھوٹی بہن) کی ملنے والی تھیں کومل کی والدہ بے حد شریف النفس سفید پوش لوگ تھے، والد پروفیسر اور والدہ اسکول ٹیچر تھیں اور یہ تین بہنیں، کومل سب سے بڑی تھی، مجھے اس کے ماں باپ کا دبو سا شریفانہ انداز ایسا پسند آیا کہ میں نے واقعی ہتھیلی پر سرسوں جما ڈالی اور چند ہفتوں کے اندر اندر کومل کو بہو بنا کر لے آئی، منیب میرا بڑا فرمانبردار بیٹا، اتنا فرمانبردار کہ اس نے میرے ایک بار کہنے پر ہی اپنی محبت کا گلہ گھونٹ دیا، میرے بہتے آنسو اور لرزتا وجود دیکھ کر اس کی اپنی حالت غیر ہو گئی اور یوں میں مغیث کی لو میرج سے ڈسی اور ڈری ہوئی اپنی ذہانت اور عقل کے بل بوتے پر اپنے دوسرے بیٹے کو اس محبت نامی بلا کے منہ سے کھینچ ہی لائی۔

☆☆☆

"ارے تو اور کیا اس طرف تو ہمارا کبھی دھیان گیا ہی نہیں، چلو امی تو بے چاری اپنے بلڈ پریشر اور شوگر کی وجہ سے روزے ہی نہیں رکھ سکتیں تو جب وہ روزہ دار ہی نہیں ہیں تو پھر بھلا اعتکاف میں کیسے بیٹھیں گی، مگر بھابھی تو یہ کام کر سکتی ہیں ناں، بچی میری ساری دوستوں کی امیاں اور بھابھیاں وغیرہ ہر سال بیٹھی ہیں اعتکاف میں اور ایسے ایسے روح پرور واقعات، برکات اور فضیلتوں کے سناتی ہیں کہ میرا بھی دل چاہنے لگتا کہ کاش کوئی تو ہمارے گھر میں ہی ایسی رحمتوں، برکتوں کے نزول کا باعث بنے۔" میں ابھی جانے اور کتنی دیر تک سناٹوں میں گھری کومل کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے اسے گھوریوں سے نوازتی رہتی کہ اپنی سب سے چھوٹی نور چشمی دعا کی دلی خواہش کا حال سن کر اچھل ہی پڑی۔

"تو بس ٹھیک ہے اس بار بھابھی ضرور ضرور اعتکاف میں بیٹھیں گی۔" عائشہ نے بڑے جوش و خروش سے فیصلہ سنایا تو کومل کے چہرے پر ہزار والٹ کے بلب روشن ہو گئے، مگر جیسے ہی اس کی نگاہ میری نگاہوں سے ملی، وہ بلب ایک جھٹکے سے بجھ گئے۔

"مگر میں کیسے دس دن اعتکاف کر سکتی ہوں، ابھی ٹیپو بہت چھوٹا ہے اور پھر سحری، افطاری کی تیاریاں، گھر کا سارا کام اور پھر عید کی اسپیشل تیاریاں، پھر عیشاء کی شادی بھی تو قریب آ رہی ہے، اس کی تیاریاں بھی تو کرنی ہیں ناں ساتھ ساتھ تو پھر......" یہ میری تیز نگاہ کا ہی تو اعجاز تھا کہ حسب سابق و حسب عادت کومل اپنے من کو مار میرے من کی سنا رہی تھی سب کو اور اس کی بات سن کر جو اطمینان اور سکون میں نے اپنے قلب میں اترتے محسوس کیا، الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔

"مگر بھابھی! رمضان کی برکتوں پر آپ کا بھی تو حق ہے ارے صرف سحریوں اور افطاریوں میں سب کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے ہلکان

ہوتے رہنے سے ہی تو ثواب نہیں مل جاتا ہے، اس کے لئے تو عبادت بھی کرنی پڑتی ہے نماز قرآن، تسبیح اور آپ کو کبھی ڈھنگ سے نماز پڑھنے کا وقت بھی نہیں ملتا میرے حساب سے، ہمیشہ بھاگم بھاگ فرض ادا کیئے اور پھر واپس کچن میں لینڈ فرما جاتی ہیں، ارے میری پیاری بھابھی جان، آپ کا بھی تو حق ہے ناں کہ آپ بھی ان برکات و فضائل سے بہرہ ور ہوں، سکون کے ساتھ، خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کا لطف اٹھائیں اور رہی ٹیپو کی بات تو، ہم سب ہیں ناں اپنے چھوٹو کا خیال رکھنے کے لئے، کیوں بھائی ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں۔" اور میرے سکون و اطمینان کو غارت کرنے کے لئے سب سے چھوٹا دعا سے بڑا ہمارا ہونہار سپوت حسیب میدان میں کودا تھا، ان کی باتیں سن کر میں نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا اور اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے ہی تھے ابھی کہ عیشاء کی آواز نے ایک بار پھر مجھے سہارا دیا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ روزہ داروں کے روزہ افطار کروانے اور روزے رکھوانے والے کو ثواب نہیں ملتا ارے نہیں تو دہرا اجر ملتا ہے، اپنے روزے کا بھی اور دوسرے روزے داروں کی خدمت کے عوض، ان کے روزے کا بھی اور پھر گھر کا سارا انظام بھابھی ہی تو دیکھتی ہیں، بھئی میرے پاس تو اتنا وقت نہیں کہ اپنی تیاریاں چھوڑ کر افطاریاں اور سحریاں بناتی پھروں اور دعا تو ابھی خود نا سمجھ بچی ہے اور رہ گئی یہ عائشہ تو یہ تو کبھی کبھار ہی شکل دکھاتی ہے پھر امی بے چاری تو کچھ کر ہی نہیں سکتیں، اب آگے کیا ہوگا، تم لوگ سوچ لو خود ہی۔"

جی ہاں یہ عشاء ہے مغیث اور منیب سے چھوٹی اور حسیب اور دعا سے بڑی، صحیح معنوں میں میری جانشین، جس کی شکل و صورت کے علاوہ عادات و خصائل بھی بہت حد تک مجھ سے ملتے تھے، عشاء کی بات سن کر میرا الٹا ہوا اطمینان واپس لوٹنا شروع ہوا، مگر...... عین وقت پر خواجہ صاحب نے اینٹری دے ڈالی اور کیا ہی غلط انداز میں دی کہ میں بھنا کر رہ گئی، انہوں نے کھلم کھلا، حسیب، دعا اور عائشہ کے حق میں ووٹ دے کر کومل کو اعتکاف کی اجازت دے دی اور میں جو ہر طرح کی ویٹو پاور جیب میں لیے پھرتی تھی، اپنی تمام تر پاورز سمیت بس دیکھتی ہی رہ گئی اور پھر میری نظر ایکدم منیب پر پڑی تو مجھے پھر کچھ حوصلہ سا ہوا، کیونکہ میرے خیال میں گیند ابھی بھی میرے ہی کورٹ میں تھی، ارے بھئی سیدھی سی بات ہے جب تک منیب اجازت نہ دیتا تو بھلا کومل کیسے بیٹھ سکتی تھی اعتکاف میں اور منیب تو میرا بے حد فرمانبردار اور واضح طور پر میری آنکھ کے اشارے پر چلنے والا بیٹا تھا، لہٰذا میں نے ایک بار پھر اپنی عقل لڑائی اور بظاہر بڑے لاپرواہ انداز میں گویا ہوئی۔

"بھئی آپ سب لوگ کس فضول بحث میں الجھ رہے ہیں، اعتکاف تو ایک نفلی عبادت ہے، فرض تو نہیں اور نفلی عبادت ادا کرنے سے پہلے بیوی کے لئے بہرحال شوہر کی اجازت لینا تو بہت ضروری ہے، اب اگر بہو کو ایسی کوئی عبادت کرنی ہے اور تو اسے چاہیے کہ اپنے شوہر سے اجازت لے میرے تیرے کہنے سے بھلا کیا ہو جائے گا؟" میں نے جس مکھی اڑانے والے انداز سے کہا تھا مجھے پورا یقین تھا کہ میرا فرمانبردار ذہین بیٹا میری منشاء ضرور سمجھ جائے گا اور اسی یقین نے ہی تو میرے اعتماد کے غبارے میں ہوا بھر دی تھی، جس کی بنا کر میں نے اپنے تئیں چوکا دے مارا تھا۔

"لیں بھلا مجھے کیا اعتراض ہونا ہے، یہ تو اچھی بات ہے کہ سب اس نیکی کے کام، اس عبادت کی ادائیگی کے لئے کومل کا ساتھ دینا چاہتے ہیں اور یہ تو کام ہے بھی بڑا نیک، اللہ نے چاہے تو فیق دے، مجھے بالکل بھی کوئی اعتراض نہیں ہے، کومل ضرور بیٹھے اعتکاف میں، ٹیپو اور گھر کا خیال ہم سب مل کر رکھ لیں گے۔"

"ٹھس......" جی یہ آواز میرے اس پھولے غبارے سے ہوا کے نکلنے کی ہی تھی، جس پر چڑھی میں ہواؤں میں اڑ رہی تھی اور اب اپنے فرمانبردار ہونہار ذہین بیٹے کے منہ سے نکلنے والے اجازت نامے کو سنتے ہی ٹھس ہو کر بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

پھر اس کے بعد باقی کے روزے، ساری تیاریاں کہیں پیچھے رہ گئیں اور گھر بھر میں کومل بھابھی کے اعتکاف کا اہتمام ہی نظر آتا رہا، اعتکاف کے لئے عشاء اور دعا کے کمرے میں ہی جگہ بنائی گئی کہ اپنے کمرے میں ٹیپو اور مغیث کی وجہ سے وہ نہیں بیٹھنا چاہتی تھی اور کچھ دعا کو دعائیں لینے کا زیادہ ہی چاہ (شوق) چڑھا ہوا تھا۔

اس دن بیسواں روزہ تھا، گھر میں صبح سے افراتفری اور ہلچل مچی تھی، عصر کے بعد کومل نے پردے میں چلے جانا تھا، لہٰذا منیب، حسیب کے ساتھ ساتھ خواجہ صاحب بھی چھٹی پر تھے، افطاری کے لئے کافی کچھ بازار سے منگوایا گیا تھا، مگر پھر بھی کومل نے کافی آئٹمز گھر پر ہی تیار کر رکھی تھیں، بلکہ اس نے تو تین چار دن لگا کر اپنے حصے کے کافی کام نپٹانے کی بھرپور کوشش بھی کی تھا۔

آخری عشرے کے لئے رول، سموسے، کباب وغیرہ بنا کر فریز کر دیئے تھے کہ افطاری میں عشاء اور دعا کا کام ہلکا ہو جائے، پھر منیب، حسیب دعا اور نازو (ملازمہ) کو ساتھ لگا کر پورے گھر کی تفصیلی صفائیاں بھی کر ڈالی تھیں پردے وغیرہ بھی بدلوا دیئے تھے اور نازو کو بھی بڑی سختی سے ہدایات دے دی تھیں کہ دعا عشاء کا پوری طرح ہاتھ بٹاتی رہے کام کے دوران، پھر عائشہ نے بھی تو روز چکر لگانے کا وعدہ کیا تھا، یوں وہ مبارک دن بھی آن پہنچا، افطاری پر عائشہ کی پوری فیملی سمیت کومل کے والدین بھی مدعو تھے، بہنیں اس کی دونوں بیاہی جا چکی تھیں، ایک سعودیہ تو دوسری کوئٹہ میں رہتی تھی، سالوں بعد ان کا آنا ہوتا تھا، ہاں البتہ فون پر رابطہ رہتا ہی تھا، اس کی بہنوں کے علاوہ، مغیث اور ماریہ نے بھی فون پر ہم سب کو اور خاص طور سے کومل کو مبارک باد دی تھی۔

عصر سے پہلے پہلے سارے مہمان آ چکے تھے اور آج تو کومل کو سب کی طرف سے گفٹس بھی خوب ملے تھے، یعنی کہ اعتکاف کی برکتیں، نظر آنا شروع ہو گئیں تھیں، اس کی امی اس کے لئے بڑا خوبصورت گلابی رنگ کا ملٹی شیڈ کڑھائی والا سوٹ لائی تھیں، خدیجہ اور عائشہ نے بھی کومل کو سرخ رنگ کا خوبصورت سوٹ دیا تھا اور تو اور خواجہ صاحب بھی اپنی بہو کے لئے بے حد خوبصورت موتیا رنگ کا ریڈی میڈ جوڑا لائے تھے جس کے گلے اور بازوؤں پر بے حد خوبصورت کشمیری کڑھائی، بہار دکھا رہی تھی اور سب سے زیادہ خوبصورت تو اس کا دوپٹہ تھا چوڑے خوبصورت بارڈر اور نفیس سے جال کے ساتھ، ایک لمحے کو تو میرا اپنا دل اس جوڑے پر آ گیا تھا، مگر پھر جانے کیا ہوا میں نے کومل کو وہ گفٹ دے ہی دیا۔

جیسے ہی عصر کی اذانیں ہوئیں، کومل تیار ہو

کر اپنے کمرے سے باہر نکلی، اس نے وہی موتیا جوڑا پہن رکھا تھا، ہاتھوں، بالوں اور کانوں میں موتیے کے پھول سجے تھے، جو یقیناً منیب اس کے لئے لایا تھا، نور ایمانی سے اس کا چہرہ جگر جگر کر رہا تھا، سب سے ملنے اور دعائیں لینے کے بعد وہ میری طرف آئی اور میرے گلے سے لگ گئی۔

''امی جان! مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے، جانے انجانے، اگر میرے کسی عمل کی وجہ سے آپ کا دل دکھا ہو یا میں آپ کے لئے تکلیف کا باعث بنی ہوں تو پلیز مجھے معاف کر دیجئے گا اور دعا کیجئے گا کہ اللہ پاک میری اس ادنیٰ سی کاوش کو قبول فرمائیں، ہمارے گھر اور ہماری زندگیوں میں رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائیں، پتا نہیں زندگی پھر موقع دے یا نہیں، مگر امی جان، میں آج اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ سب سے معافی مانگتی ہوں۔'' اس نے میرے گلے سے لگے لگے میرے کان میں بالکل ہولے سے کہا تو اس کی بھیگی آواز سن کر میرا دل کانپ گیا، میں جو مارے باندھے اسے ساتھ لگائے کھڑی تھی بے ساختہ اسے بانہوں میں بھینچ کر پیار کرنے لگی، جس پر وہ روتے روتے مسکرا دی۔

''شکریہ امی جان!'' اس نے میرے گال پر پیار کیا اور سب کو سلام کر کے اپنے لئے مخصوص کی گئی جگہ میں چلی گئی۔

☆☆☆

''بس جی کومل تو ہو گئی دس دنوں کے لئے پردہ نشین اور پیچھے رہ گئے ہم سب۔'' اس بے ضرر لڑکی کی اہمیت ایک رات میں ہی سب پر واضح ہو گئی تھی، کوئی اور مانے یا نہ مانے، مگر میں مان رہی تھی (اور وہ بھی صرف دل میں) رات افطاری اور ڈنر کے لئے بعد عائشہ کے سوا باقی سب مہمان جا چکے تھے، اکیسویں روزے کی سحری بنانے کے لئے مجھے خود اٹھنا پڑا اور ایسا ایک لمبے عرصے (چھ سال بعد) ہوا تھا، کیونکہ جب سے کومل بیاہ کر آئی تھی میں نے اسے ٹرینڈ ہی ایسا کیا تھا کہ کسی کام کو بھی دوبارہ نہ کہنا پڑتا تھا، صرف اور صرف دو ہی آنکھ کا اشارہ ہی کافی ہوتا تھا اسے سمجھانے کے لئے اور ویسے بھی ان دنوں میں مغیث اور ماریہ کی طوطا چشمی کے زیر اثر بظاہر افسردہ ہی رہتی تھی، اکثر و بیشتر مجھ پر افسردگی کے دورے پڑتے رہتے تھے اور منیب کے سامنے تو یہ افسردگی سوا نیزے پر جا پہنچتی تھی، کیونکہ اندر ہی اندر یہ خوف بھی تو رہتا تھا ناں کہ مغیث کی طرح اگر منیب بھی مجھ سے منہ موڑ گیا تو پھر میں کیا کروں گی؟ اور اسی ڈر اسی خوف کی وجہ سے میں اکثر ایسے مواقع پیدا کر دیتی کہ منیب تو منیب کومل بے چاری بھی میرے ہی اردگرد چک پھیریاں لیتی رہ جاتی۔

میں نے آہستہ آہستہ سارے گھر کی ذمہ داری کومل کے سر ڈال دی، حالانکہ عشاء اور وہ تقریباً ہم عمر ہی تھیں، مگر یہاں فرق نظریات کا آ گیا تھا، عشاء ابھی پڑھ رہی تھی، کنواری تھی اور پھر اپنے ماں باپ کے زیر سایہ بیٹھی تھی، لہٰذا وہ ابھی تک ہنوز بچی ہی تھی، جبکہ کومل شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اپنی عمر سے بڑی سمجھدار اور خاتون خانہ کے درجات کو جا پہنچی تھی اور انہیں درجات کی وجہ سے وہ گھریلو ذمہ داریوں میں الجھتی چلی گئی، حتیٰ کہ ٹیپو کی آمد بھی اس کے معمولات میں ذرہ برابر بھی فرق نہ ڈال سکی اور ویسے بھی ٹیپو تو ہمارا اکلوتا لاڈلا پوتا تھا اس لئے وہ کومل سے زیادہ ہمارے پاس خوش رہتا، کومل کے پاس تو وہ صرف ضرورت کے وقت ہی جاتا تھا۔

آج ایک عرصے کے بعد سحری میں اٹھنا

مجھے دوبھر لگ رہا تھا، کہاں تو میں سب سے آخر میں آرام سے اٹھ کر سجے سجائے ٹیبل پر آ بیٹھتی تھی اور کہاں اب سب سے پہلے اٹھ کر سیدھی کچن میں جانا پڑا اور جو افراتفری اور بے ترتیبی نے میرا استقبال کیا، ایک لمحے کو تو میرا دماغ ہی گھوم گیا، برتن دھلے ہوئے ضرور تھے، مگر اوندھے سیدھے یہاں وہاں بکھرے پڑے تھے اور رات کی چائے کے کپ بغیر دھوئے سنک میں تھے، ایک لحہ دروازے میں کھڑے کھڑے ہی جائزہ لینے کے بعد میں وہیں سے الٹے قدموں عشاء دعا کے کمرے میں چلی گئی، اب اسی کمرے میں تو بہو رانی مصروف عبادت تھیں، لہٰذا میں ان لڑکیوں کو سخت سست بھی نہ سنا سکی اور زبردستی انہیں اٹھا کر مندی مندی آنکھوں سمیت چولہے کے آگے لا کر کھڑا کیا، بس جی کچھ نہ پوچھیئے، وہ ہی سحری جو ایک اکیلی بہو (کومل) نازو کے ساتھ مل کر پوری ذمہ داری، اطمینان، محبت اور خلوص سے تیار کرتی تھی (کہ اس کی ہر ہر چیز سے اس کی ذمہ داری اور خلوص جھلکتا تھا) وہ ہی سحری ہم سے مل کر بنانا محال ہو رہا تھا اور پھر یہ ساری افراتفریاں یہ ساری ہڑبونگ روز کا معمول ٹھہریں، عشاء تو اپنے کہے کے مطابق ایک دوبار تو ہاتھ بٹانے آئی تھی مگر پھر اس نے یہ کہہ کر ہاتھ کھڑے کر دیئے کہ جی ''میں تو خود مہمان ہوں، مجھ سے نہیں لگائی جاتیں یہ صبح شام دوڑیں رہ گی دعا تو وہ اپنی لاابالی طبیعت کے باوجود جتنا اس سے بن پڑتا کرنے کی کوشش کر ہی رہی تھی) اور عائشہ میری لاڈلی بھانجی اور ہونے والی چھوٹی بہو اس ساری ہلچل، اس سارے ہنگامے کو رچانے والی ''بھابھیوں کی بہوؤں'' کی سب سے بڑی ہمدرد، میری بہو کو پردہ نشین کروانے کے بعد ایسی غائب ہوئی تھی، جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

☆☆☆

اور آج انتیسواں روزہ ہے اور مطلع بالکل صاف، اندر کا بھی اور باہر کا بھی، گمان غالب ہے کہ صبح عید ہو ہی جائے گی اور اسی حساب سے ہماری تیاریاں بھی تقریباً مکمل ہی تھیں، اب انتظار تھا تو صرف ہلال عید کے نظر آ جانے کا، کومل کے اعتکاف میں بیٹھنے کی جو روحانی برکات اور فضیلتیں نازل ہو رہی تھیں وہ سب تو اپنی جگہ، مگر ان گزرے دنوں میں ہماری آنکھیں پوری طرح کھول دی تھیں، کم از کم مجھے تو صحیح معنوں میں قدر ہو رہی تھی اپنی بہو کی۔

☆☆☆

چھبیسویں روزے عشاء کی سسرال والوں کی دعوت تھی، افطار کے وقت میرے ساتھ ساتھ مہمانوں نے بھی شاید ٹیبل پر خامی کمیاں دیکھی اور محسوس کی تھیں کیونکہ ٹیبل پر تقریباً ساری آئٹمز ہی بازاری تھیں، حتیٰ کہ چاٹ اور پکوڑیاں بھی اور پھر ڈنر میں بھی تقریباً سارا کھانا ہی ہوٹل سے منگوایا گیا تھا اور پھر میٹھے میں قلفہ سے کام چلا لیا گیا اور پھر جتنی دیر وہ لوگ بیٹھے رہے اس کی ساس بات بات پر کومل کی تعریف ہی کرتی رہی، ان سب کو بھی کومل کی کمی خوب کھل رہی تھی اور تو اور اس کی ساس جاتے جاتے عشاء کو جتا بھی گئی تھیں۔

''دیکھو بیٹا بہو ہو تو ایسی کہ جس کی غیر موجودگی خود من سے بولے اور ہر آیا گیا اس کے بارے میں پوچھے بھی کہ وہ کہاں ہے، خیریت سے تو ہے تو بس بیٹا سمجھ لو کہ سسرال ایسی جگہ ہے جہاں کام پیارا ہوتا ہے چام نہیں، تم بھی کومل بہو کی طرح اپنے گھر میں ایسے ہی دل لگانا تاکہ ہر جگہ تمہاری موجودگی کا احساس ہو، کہ ہاں اس گھر کی بہو بہت سگھڑ اور سلیقہ مند ہے؟'' اور عشاء

کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنی کوتاہی کا شدت سے احساس ہوا تھا، جو باتیں میں اپنی بیٹی کو نہ سمجھا سکی اور اس کی ساس اسے سمجھا رہی تھی اور اپنی بہو کی جن خوبیوں کو میں اس کی بے وقوفی اور جس محبت کو اس کا فرض سمجھتی رہی اس کا احساس بھی شدت سے ہو رہا تھا، عشاء نے بھی خود سے اور پھر مجھ سے بھی وعدہ کیا تھا کہ کومل کی طرح اچھی اور سگھڑ بہو بن کر دکھائے گی، جیسے آج تک کومل نے کسی کو موقع نہ دیا کہ اس کی ماں کی تربیت پر انگلی اٹھا سکیں، وہ بھی اپنا رویہ ایسے ہی رکھے گی کہ سب اس کی سسرال میں اسے سراہیں گے۔

اور پھر جیسے ہی شوال کا چاند نظر آیا، ہر سمت شور مچ گیا، ہر کوئی ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے، میں بھی تیزی سے کومل کو اعتکاف سے اٹھانے کے لئے آگے بڑھی، کومل جیسے ہی باہر آئی ہم سب نے اسی پر پھولوں کی بارش کر دی، آخر کو اس کی عبادت ریاضت اور پھر اس ماہ مبارک کی برکتوں کی وجہ سے تو ہم پر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہو رہا تھا، میں نے آج اپنی بہو کی اہمیت کو پوری طرح دل سے سمجھ لیا تھا، اس کی قدر جان گئی تھی اور دل سے مان بھی لیا تھا اور اب سب کے سامنے کھلے دل سے اعتراف بھی کر رہی تھی کہ۔

''ہاں واقعی میری بہو، ہیرا ہے ہیرا اور مجھ پر اور میرے بیٹے پر اللہ کا خاص کرم ہوا کہ کومل جیسی نیک اطوار اور فرمانبردار لڑکی ہمیں ملی۔'' اور منیب میرا فرمانبردار سعادت مند بیٹا آج بھی سارا کریڈٹ مجھے ہی دے رہا ہے کہ آخر کومل دریافت تو میری ہی تھی۔

''منیب! میری بہو کو عید کی زبردست سی شاپنگ کرواؤ، اور ہاں مہندی ضرور لگوانا اسکے ہاتھوں پر، کہ اس کی مہندی کے رنگ اور خوشبو سے ہی تو مہکتے رہیں گے ہمیشہ ہمارے در و بام، جاؤ بیٹا اور خوب ڈھیر ساری چوڑیاں بھی دلوانا میری چاند سی بہو کو۔'' سب مہمانوں کے جانے کے بعد (جو کومل سے ملنے آئے تھے) میں نے بڑی محبت سے کومل کو خود سے لپٹاتے ہوئے منیب کو اسے باہر لے جانے کو کہا تو وہ دونوں مسکرا دیئے۔

''ہم بھی جائیں گے چوڑیاں، مہندی، جیولری تو ہمیں بھی لینی ہیں اور وہ بھی بھابھی کی پسند کی اور بھیا کے پیسوں کی۔'' حبیب، دعا، عشاء اور عائشہ کے ساتھ ساتھ نازو بھی انہیں گھیرے کھڑی ہو گئیں تو ہم سب بے ساختہ ہنس دیئے۔

''ہاں بھئی کیوں نہیں سب چلیں گے، آخر کو چاند رات ہے خوشیوں کی رات۔''

''ہرا بھابھی زندہ باد۔'' کے نعروں سے پورا لاؤنج گونج اٹھا اور ان سب کو ہنستے مسکراتے باہر جاتے دیکھ کر میں، میں مسکراتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئی کہ مجھے ابھی شکرانے کے نوافل بھی تو ادا کرنے ہیں ناں اپنے رب کے حضور شکرانہ بھی تو ادا کرنا ہے اور اپنے بچوں کی دائمی خوشیوں کے لئے دعائیں بھی تو مانگنی ہوں کہ یہ رات تو دعاؤں کی قبولیت کی رات ہے۔

''ارے آپ ابھی تک یہیں بیٹھے ہیں، ارے بھئی جائیے ناں آپ بھی جا کر شکرانہ ادا کیجئے، اس رب رحیم کے حضور جس نے اس ماہ مقدست کی برکتیں اور فضلیتیں سب پر یکساں نازل فرمائیں بغیر کسی فرق کے، بغیر کسی تخصیص کے اور ہاں مہندی اور چوڑیاں لینا ہرگز نہ بھولیے گا اپنی بیٹیوں اور بہوؤں کے لئے کہ عید تو سجتی ہی پریوں جیسی بیٹیوں اور شہزادیوں جیسی بہوؤں کے سنگھار سے ہی ہے، کیوں ٹھیک کہا ناں میں نے۔''

☆☆☆

کرسی پر بیٹھتے ہوئے ان کے گھٹنوں میں درد کی لہر دوڑ گئی، سردی کافی ہو گئی تھی، بیڈ شیٹ ٹھیک کرتی نادیہ نے ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھے تو فوراً ان کی طرف بڑھی۔

''کیا ہوا آنٹی؟'' نادیہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

''بس بیٹا! بڑھاپا بذات خود بڑی بیماری ہے سردی کی وجہ سے گھٹنوں میں درد ہو رہا ہے۔'' نادیہ عقیدت سے ان کا ہاتھ تھامے انہیں بیڈ تک لے آئی، دیکھنے والوں کو ساس بہو کی اتنی محبت دیکھ کر کافی حیرت ہوتی تھی۔

''آنٹی! آپ کی ٹانگیں دباؤں؟'' نادیہ نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا، صوفیہ بیگم کے چہرے پر شفیق سی مسکراہٹ آ گئی۔

''نہیں بیٹا تم آرام کرو، تھک گئی ہو گی۔''

تھک تو وہ واقعی گئی تھی، آج اس کی نند عیشال اپنے بچوں سمیت میکے آئی تھی، آج وہ سارا دن کچن میں مصروف رہی تھی، عیشال اور اس کے بچوں کے پسندیدہ کھانے بنائے اور ان کے جانے کے بعد ڈھیروں برتن دھو کر وہ ابھی فارغ ہوئی ہی تھی، عیشال ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود بھی مہینوں میں میکے کا چکر لگاتی تھی، وہ بھی حسان کے فون پر فون کرنے پر۔

''اے میری بہن! زندہ ہو تو ذرا اپنی شکل دکھا جاؤ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے ہم نے تمہاری شادی سات سمندر پار کی ہے، مہینوں میں شکل دکھاتی ہو۔'' حسان اور عیشال کے بیچ ہونے والی گفتگو سن کر نادیہ کے چہرے ہمیشہ مسکراہٹ آ جاتی تھی، اس نے اس گھر کے مکینوں کو ہر رشتہ نبھاتے دیکھا تھا، حسان کے سنگ زندگی گزارتے وہ بہت مطمئن تھی، وہ ایک اچھا شوہر، ایک اچھا بھائی اور ایک اچھا بیٹا تھا۔

''قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا۔'' عیشال مسکراتے ہوئے حسان کی بات کا جواب دیتی تھی۔

''آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے دیجئے گا۔'' نادیہ نے اٹھتے ہوئے ہدایت کی، صوفیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''جیتی رہو۔'' ان کی دعا پر نادیہ کے چہرے پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ آ گئی۔

وہ آہستگی سے دروازہ بند کر کے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

صوفیہ بیگم دروازے کو دیکھ رہی تھی جہاں سے ابھی نادیہ گئی تھی، ان کے چہرے پر بڑا سکون تھا۔

انہوں نے بڑوں سے سنا تھا جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔

محبتوں کے بیج بوؤ گے تو نفرتیں نہیں اُگیں گی اور اگر نفرت کے بیج بوؤ گے تو محبتیں کیسے اُگ سکتی ہیں بھلا۔

کبھی دیکھا ہے چنے بو کر گندم کاٹی ہو؟ صوفیہ بیگم نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی اور ماضی کا سفر کرنے لگیں۔

☆☆☆

''اف کیا ضرورت تھی امی کو اتنی گرمی میں سفر کرنے کی۔'' اس نے کوئی دسویں بار ساتھ بیٹھی امی کو دیکھتے ہوئے سوچا، جن کی وجہ سے وہ اس خستہ حال لوکل بس میں سفر کر رہی تھی۔

''پتہ نہیں امی کو کیا شوق ہے اپنے ان رشتہ داروں سے ملنے کا۔'' اس کے ذہن میں اپنی ممانی کا چہرہ گردش کرنے لگا، جن سے ملنے کے لئے امی اپنے ساتھ ساتھ اسے بھی خوار کر رہی تھیں وہ تین چار بار عفان اور بچوں کا بہانہ بنا کر

ٹال چکی تھی، مگر کب تک ٹالتی وہ ایک اچھی بیٹی تھی۔

یہ بات وہ نہیں بلکہ امی اور بابا اکثر کہتے تھی، جس کے جواب میں وہ مسکراتے ہوئے ''یہ سب آپ کی تربیت ہے۔'' کہتی تھی، یہ واقعی ان کی تربیت ہی تھی کہ وہ آج ایک اچھی بیٹی، اچھی بہن، اچھی بیوی اور اچھی ماں تھی۔

اس خستہ حال بس کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے جس کی وجہ سے گرم لو اور دھوپ دل کھول کر اپنی من مانی کر رہی تھی۔

اس نے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتے ہوئے امی کو دیکھا جو سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے پرسکون سی بیٹھیں جانے کہاں گم تھیں۔

وہ اپنی زندگی کو بڑی پلاننگ سے گزار رہی تھی، شادی کے پانچ سال گزر جانے کے باوجود آج تک اس کی اپنی ساس سے ایک بار بھی لڑائی نہیں ہوئی تھی، اس نے شروع میں ہی سوچ لیا تھا کہ وہ اوروں کی طرح آئے دن ساس اور اپنی لڑائی جھگڑوں سے اپنا مذاق نہیں بنوائے گی، وہ شروع ہی سے ساجدہ آنٹی سے دور دور رہتی تھی، خاموشی سے ان کے سارے کام کر دیتی اپنی کزن صباء کی مثال اس کے سامنے تھی، شروع شروع میں دونوں ساس بہو ایک دوسرے پر واری صدقے رہتی تھی اور پھر وہ متنفر ہوئے کہ الامان الاحفیظ پورے خاندان میں ان کا مذاق اڑایا جاتا۔

کنڈیکٹر کرایہ لینے پہنچ گیا تھا، اس نے بیگ سے پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے کرایہ دے کر صوفیہ نے خستہ حال سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی، اس کے ذہن میں اپنا بچپن گھوم گیا، جب وہ ہر سال گرمیوں کی چھٹیوں میں گاؤں جایا کرتی تھی، نانی سے بے تحاشا لڑتی

جھگڑتی عصمت ممانی اور خاموشی سے بیٹھ کر لڑائی دیکھتے ماموں، انہوں نے کبھی عصمت ممانی کو ڈانٹا تک نہیں تھا کہ یہ تم کیا کر رہی ہو، وہ شاید ان سے بہت ڈرتے تھے، صوفیہ بیگم کو ہمیشہ سے ایسے بیٹے زہر لگتے تھے اور ایسی بہوئیں بھی جو اپنی ماں کو تو جان اور شوہر کی ماں کو وبال جان سمجھتی ہیں۔

اس نے کبھی ساجدہ آنٹی کو برا بھلا نہیں کہا تھا، مگر پھر بھی جانے کیوں وہ آج کل بجھی بجھی سی رہتی تھیں۔

☆☆☆

وہ ماموں کے گھر پہنچ چکے تھے، انہوں نے جیسے ہی گیٹ پار کیا، حیران رہ گئی گھر کی حالت عجیب سی تھی، بہت کچھ بدل گیا تھا، کچن سے نکلتی عصمت ممانی کی نظر جیسے ہی ان دونوں پر پڑی انہوں نے آنکھوں کے اوپر ہاتھ رکھ کر پہچاننے کی کوشش کی۔

''ارے آسیہ تو...... تو کب آئی؟'' وہ فوراً امی کی طرف بڑھیں۔

''خیال آ گیا رشتہ داروں سے ملنے کا۔'' عصمت ممانی نے گلے ملتے ہوئے شکوہ کیا۔

''بس بھابھی وقت ہی نہیں ملتا تھا۔''

''یہ کون ہے؟'' انہوں نے صوفیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ میری بیٹی ہے صوفیہ...... صوفی۔'' امی نے مسکراتے ہوئے تعارف کروایا۔

''ماشاءاللہ کتنی بڑی ہو گئی ہے۔'' انہوں نے سر سے پاؤں تک جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''جب یہاں آئی تھی تو بالکل چھوٹی سی تھی۔'' عصمت ممانی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھابھی اب تو اس کی شادی کو بھی

پانچ سال ہو گئے ہیں۔"
"کتنے بچے ہیں اس کے؟"
"دو، ایک بیٹا ایک بیٹی۔" امی نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
عصمت ممانی امی کا ہاتھ تھامے دائیں طرف بنے برآمدے میں چل دی، برآمدے کے بیچ میں دیوار دیکھ کر صوفیہ کو حیرت ہوئی۔
یہ تین کمروں کا گھر تھا، تینوں کمرے ایک لائن میں بنے ہوئے تھے مگر اب دو کمرے شاید دیوار کے دوسری طرف تھے۔
امی بھی حیرت سے اس دیوار کو دیکھ رہی تھی، وہ اچانک پوچھ بیٹھی۔
"ایاز کی بیوی کیسی ہے؟"
"نہ پوچھو آسیہ، ایسی پھاپھے کٹنی ہے میری بہو، کچھ کہتی بھی نہیں ہوں پھر بھی سارا دن میرے پیچھے پڑی رہتی ہے ایاز سے کہہ کر یہ دیوار اسی نے اٹھوائی ہے اور ایاز بیوی کے سامنے بولتا بھی نہیں ہے نہ اسے منع کرتا کہ میری اماں کو کچھ نہ کہا کر۔" عصمت ممانی روہانسی ہو گئی، صوفیہ کے ذہن میں ماموں کا چہرہ گھوم گیا انہوں نے بھی کبھی ممانی کو منع نہیں کیا تھا کہ نانی سے لڑا مت کریں۔
عصمت ممانی اپنے دکھڑے رو رہی تھی صوفیہ کو ان پر بالکل ترس نہیں آیا، وہ وہاں سے اٹھ کر صحن میں کھڑے نیم کے درخت کے پاس آ گئی جس کے سائے میں بیٹھ کر وہ گرمیوں کی دو پہروں میں کھیلا کرتی تھی۔
عصمت ممانی کے ساتھ بالکل ویسا ہی ہو رہا تھا جیسا انہوں نے نانی کے ساتھ کیا تھا۔
"میں نے تو کبھی ساجدہ آنٹی کو برا بھلا نہیں کہا۔" صوفیہ اپنے بارے میں سوچ رہی تھی۔
"اس کا تو پوچھو مت آسیہ۔" عصمت ممانی کی تیز پر آواز پر سوچوں میں گم صوفیہ چونکی۔
"وہ بیچاری تو بستر سے لگ گئی ہے اتنی بری اس کی بہو...... اتنی بری کہ بس۔" عصمت ممانی نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔
ممانی کے انداز پر صوفیہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"کبھی جو دو منٹ اپنی ساس کے ساتھ بیٹھ کر دکھ سکھ کی بات کر لے، وہ بیچاری تو بالکل پاگل ہو گئی ہے جب بھی اس کے پاس جاؤ ہاتھ جوڑ کر کہتی ہے میرے پاس آ جایا کرو، مجھ سے باتیں کیا کرو۔"
"یہ تو بہت بری بات ہے، بڑھاپے میں تو بندے کا دل چاہتا ہے کوئی اس کے ساتھ ہنسے بولے، نا کہ اسے پرانے فرنیچر کی طرح اسٹور میں پھینک دے۔"
کبھی کبھی یوں ہوتا ہے نا کہ ہم خود کو پرفیکٹ سمجھ رہے ہوتے ہیں اور ایک لمحہ ایسا آتا ہے جب ہم پر ہماری غلطیاں آشکار ہو جاتی ہے، جب ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم غلط ہیں۔
صوفیہ کے ساتھ بھی یونہی ہوا تھا، اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ ساجدہ آنٹی کی اداسی کی وجہ کیا ہے، وہ اتنی بجھی بجھی کیوں رہتی ہیں، حالانکہ وہ اپنی سمجھ میں ان کی خدمت میں کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھی ان کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھتی اور جب بھی شاپنگ کے لئے جاتی ان کے لئے ایک دو سوٹ ضرور لاتی تھی۔
صوفیہ کو آج سے پانچ سال پہلے کی ساجدہ آنٹی یاد آئی، جو بے پناہ ہنستی بولتی، خوش اخلاق سی خاتون تھیں مگر اب خاموش طبیعت، تنہائی پسند ہو گئی تھیں۔
صوفیہ کو احساس ہو رہا تھا کب اور کہاں غلطی ہوئی ہے شروع شروع میں ساجدہ آنٹی نے بہت کوشش کی کہ وہ ان سے بات کرے مگر وہ ان کی بات کا جواب ہوں ہاں سے زیادہ نہیں دیتی تھی۔
اس نے اپنی سمجھ میں لڑائی سے بچنے کا بہت اچھا طریقہ اپنایا تھا، مگر آج اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔
واپسی پر سارا راستہ وہ اپنا احتساب کرتی رہی، اپنا احتساب خود کرنے کا حوصلہ بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے، بڑی ہمت چاہیے ہوتی ہے اس کے لئے، جو ہر کسی میں نہیں ہوتی۔
انہیں گھر پہنچتے پہنچتے عصر کا ٹائم ہو گیا تھا، عفان اسے لینے آ گئے تھے، وہ جیسے ہی گھر پہنچی عیشال اور حسان بھاگتے ہوئے اس کی طرف آئے تھے، ساجدہ آنٹی شاید اپنے کمرے میں تھیں، وہ جلد از جلد اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتی تھی، وہ ساجدہ آنٹی کے کمرے کی طرف چل دی، وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے شاید سو رہی تھیں۔
"آنٹی!" صوفیہ کے پکارنے پر انہوں نے فوراً آنکھوں سے ہاتھ ہٹا لیا۔
"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ اس وقت سو رہی ہیں۔" مغرب کی نماز کے بعد وہ زیادہ تر وظائف وغیرہ کرتی تھیں۔
"بس ذرا سر میں درد تھا۔" ساجدہ بیگم کو اس کے پوچھنے پر حیرت ہوئی۔
"لائیں میں سر دبا دیتی ہوں۔" صوفیہ ان کے سرہانے بیٹھتے ہوئے بولی، ساجدہ آنٹی کی آنکھیں حیرت سے مزید کھل گئی۔
انہیں اتنا حیران دیکھ کر صوفیہ کو شرمندگی ہوئی، ساجدہ آنٹی کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ شرمندہ ہے اس لئے انہوں نے دوبارہ آنکھوں پر بازو رکھ لیا، صوفیہ اپنے رویے پر بہت نادم تھی، اس کی آنکھوں سے دو موتی ٹپک کر ساجدہ آنٹی کے چہرے پر گرے وہ فوراً گھبرا کر اٹھ بیٹھیں۔
"کیا ہوا بیٹا کیوں رو رہی ہو؟" ساجدہ آنٹی نے تشویش سے پوچھا۔
"آئی...... ایم سوری۔" وہ صرف اتنا ہی بول پائی، آنسو بڑی روانی سے بہہ رہے تھے۔
"کس بات کی معافی بیٹا، تم تو میری بیٹی ہو۔" انہوں نے فوراً اسے گلے لگا لیا۔
"میں آئندہ کبھی آپ کو اگنور نہیں کرونگی، میں غلط سوچتی تھی کہ ساس بہو کی لڑائی سے بچنے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ ساس سے کم سے کم بات کی جائے، مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ میری وجہ سے آپ تنہائی کا شکار ہوتی جا رہی ہیں، آپ مجھے معاف کر دیں، میں غلطی پر تھی۔" صوفیہ نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، ساجدہ آنٹی نے اس کے ہاتھ تھام لئے، انہوں نے صوفیہ کو دل سے معاف کر دیا۔
اور پھر وہ بجھی بجھی سی ساجدہ آنٹی جلد ہی اپنی ٹون میں واپس آ گئیں، چہرے پر پہلے جیسی مسکراہٹ پھر سے لوٹ آئی، صوفیہ اور وہ گھنٹوں مختلف موضوعات پر بحث کرتیں، صوفیہ کو وہ ساس کم اور سہیلی زیادہ لگتیں تھیں۔
صوفیہ کی اور ان کی کبھی جنگ عظیم روم سوئم کی نوبت نہ آئی، ہاں کبھی کبھار تھوڑا بہت اختلاف ضرور ہو جاتا تھا، مگر دو تین گھنٹے تک ہی رہتا تھا۔
پھر صوفیہ جو ایک اچھی بیٹی، بہن بیوی اور ماں تھی ایک اچھی بہو بھی بن گئی تھی۔
اور آج وہی صوفیہ ایک اچھی ساس بھی تھی، اس کی زندگی میں سکون تھا اس نے محبتوں کے بیج بوئے تھے۔ جس کا پھل آج اسے مل رہا تھا۔

☆☆☆

میٹھی سویاں

سباس گل

''اماں! سویاں کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔'' نوید عرف پپو نے آٹا گوندھتی زبیدہ سے کہا۔

''بیٹا! اپنے دل کو سمجھالے گھر میں گھی اور چینی اتنی نہیں ہے کہ ہم فالتو کی عیاشی کر سکیں، عید آنے والی ہے عید پہ بنادوں گی۔'' زبیدہ نے آٹا گوندھ کے ہاتھ دھوتے ہوئے اپنے چودہ سالہ بیٹے کو دیکھا۔

''عید پہ تو تم ادھر ادھر سے آئی، مانگے تانگے کی اور جھوٹی دوسروں کی بچی کچی سویاں سامنے رکھ دیتی ہو، مجھے تو بس اپنے گھر کی آپ کے ہاتھ کی بنی میٹھی سویاں کھانی ہیں اور وہ بھی ابھی کے ابھی ہاں۔'' پپو نے روٹھتے، ناراض لہجے میں فرمائش کی۔

''دیکھو پپو، مجھے تنگ نہ کر آج میں بہت تھک گئی ہوں، کام بہت زیادہ تھا کوٹھی میں، ان بڑے لوگوں کی دعوتوں میں بیس پچیس تو پکوان ہوتے ہیں، کھائیں گے کم، گرائیں گے زیادہ، اللہ سائیں بھی جسے دیتا ہے چھپڑ پھاڑ کے دیتا ہے۔'' زبیدہ نے کوٹھی سے لایا ہوا کھانا برتنوں میں نکالتے ہوئے کہا۔

''اور جسے نہیں دیتا، اسے ان بڑے لوگوں کو نوکر بنا دیتا ہے، ان کا جھوٹا کھانے والا، ان امیروں کا بچا کچا کھا کے پیٹ بھرنے پہ مجبور کر دیتا ہے، ان کے نصیب میں دوسروں کی ان امیروں کی اترن لکھ دیتا ہے اماں! کیا کبھی ہمارے گھر میں مزیدار پکوان نہیں پکیں گے، جب ہمیں مہینے کے آخری دنوں میں راشن ختم ہونے کی پریشانی نہیں ہوگی کیا ایسا بھی کوئی دن آئے گا اماں کے تو مجھے ہر روز صبح سویرے ناشتے میں اپنے ہاتھوں سے دودھ والی میٹھی سویاں پکا کر کھلائے، کتنا مزا آئے گا نا اماں، اگر ایسا ہو تو۔''

پپو خوابوں، خیالوں میں کھوسا گیا تھا بولتے بولتے اور زبیدہ اپنے اس حساس اور ذہین بیٹے کو حسرت اور محبت سے دیکھ رہی تھی۔

''ایسا ہوگا ضرور ہوگا تو دل برا نہ کر میں اپنے ہاتھوں سے تیرے لئے میٹھی سویاں بناؤں گی۔'' زبیدہ نے اسے امید دلائی۔

''کب بناؤ گی؟'' پپو نے قدرے بدتمیزی سے کہا۔

''کہا نہ بنادوں گی۔''

''مر جاؤں گا، تب بناؤ گی۔''

''چپ کیا اول فول بکتا ہے۔''

''ہاں تو اور کیا؟ جب لوگ میرا پرسہ دینے آئیں گے ناں تجھے تو پھر ان کو وہ میٹھی سویاں کھلانا۔''

''چپ کر جا پپو، کچھ بھی بکے جا رہا ہے اللہ نہ کرے کے ایسا ہو، دونوں وقت ملتے ہوں تو منہ سے ایسی الٹی بات نہیں نکالتے قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے، کچھ اچھا بول۔'' زبیدہ نے سہم کر دل پہ ہاتھ رکھ کے اسے سمجھایا۔

''اماں! جس گھڑی دعا قبول ہو جائے وہی گھڑی قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے۔'' پپو نے اپنی عمر سے بڑی اور گہری بات کہی تھی۔

''تو...... تو اتنا سیانا ہے نا تو میرے لعل، اللہ سائیں اسے دعا مانگا کر کے وہ ہمارے دن پھیر دے۔'' زبیدہ نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

''ہم سے تو ہمارے سگے رشتے داروں نے منہ پھیر لئے، ہمارے دن کیا پھریں گے؟'' پپو بہت حساس ہو رہا تھا اور دکھی بھی۔

''نہ میرا بچہ، مایوسی کی باتیں نہیں کرتے اللہ سے اچھی امید رکھنی چاہیے، میں نے کہا ہے نا میں میٹھی عید پہ تجھے میٹھی سویاں اپنے ہاتھوں سے

پکا کے کھلاؤں گی، تو بس چند دن انتظار کر لے۔"

زبیدہ اس کے سر پہ دست شفقت پھیرتی اس کے چہرے کو ممتا بھری نظروں سے دیکھتی اسے سمجھا رہی تھی اس کی آٹھ سالہ بیٹی گڑیا پاس آ بیٹھی۔

"اماں! بہت بھوک لگی ہے۔" گڑیا نے زبیدہ کو دیکھا۔

"بھوک لگی ہے میری گڈی کو لے یہ پلاؤ کھا مرغ پلاؤ ہے کباب بھی ہیں اور میٹھا بھی ہے، اس میں پستے بادام بھی ہیں لے کھا لے میری گڑیا رانی۔" زبیدہ نے پلاؤ اور کھیر پلیٹوں میں ڈال کر ان دونوں کے سامنے اسٹول پر رکھ دی۔

"اماں! سویاں پستے بادام اور الائچی ڈال کر بنانا۔" پپو نے کھیر کھاتے ہوئے منہ میں پستے بادام اور الائچی کا ذائقہ محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا میرے لعل، پستے بادام اور الائچی والی سویاں بناؤں گی میں تیرے لئے، ابھی تو تو یہ پلاؤ اور کباب کھا بہت مزیدار بنے ہیں۔" زبیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اماں! تم بھی کھاؤ نا۔" پپو نے کھیر کھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں کھاتی ہوں پہلے تیرے ابا کو کھانا کھلا دوں وہ بھی بھوکے ہیں۔"

"اماں! میں یہ بوٹی کھا لوں۔" گڑیا نے مرغی کا لیگ پیس ڈونگے میں دیکھ کر ماں سے پوچھا۔

"ہاں کھا لے آدھی بھائی کو بھی دینا۔"

"اچھا اماں!" گڑیا نے خوش ہو کر کہا اور فوراً ڈونگے میں موجود پلاؤ میں سے مرغے کی ٹانگ اٹھائی اور آدھی بوٹی خود کھا لی اور آدھی پپو کی طرف بڑھا دی، زبیدہ نے بہت دکھ اور حسرت سے اپنے بچوں کو دیکھا اور اپنے معذور شوہر مجید کے لئے کھانا لے کر اس کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

مجید اور زبیدہ کا تعلق لوئر مڈل کلاس سے تھا، مجید احمد ایک سرکاری محکمے میں معمولی کلرک تھا، تنخواہ اتنی تھی کے روز و شب کی گزر اوقات با آسانی نہیں ہو پاتی تھی، مہنگائی کے عفریت نے نچلے اور درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والوں کو اپنے زہر آلود پنجوں میں جکڑ رکھا تھا، مجید احمد شام کو اخبار بیچا کرتا تھا تا کہ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال سکے اور اپنے بچوں کی ضروریات با آسانی پورا کر سکے، اس نے محنت سے کبھی جی نہیں چرایا تھا، جیسے بھی کر کے اپنی بیوی اور بچوں گڑیا اور پپو کی ضروریات پوری کی تھیں۔

بچوں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں اور فرمائشیں پوری کر کے بیوی کو مطمئن دیکھ کر اسے دلی سکون اور مسرت حاصل ہوتی تھی، ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کے مجید کے گھر کھانا نہ پکا ہو یا فاقے تک نوبت آ گئی ہو۔

جب تک مجید احمد تندرست رہا، مشین کی طرح کام کرتا رہا، زبیدہ کو مجید جیسے محنتی شوہر کے ہوتے ہوئے گھر کے اخراجات کی پریشانی کبھی نہیں ہوئی تھی، مجید نے بہت محبت سے اسے رکھا ہوا تھا، بچوں کو وہ بے انتہا چاہتا تھا اور انہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کامیاب خوشحال اچھا انسان بنے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔

شومئی قسمت ایک دن دفتر سے گھر کی طرف آتے ہوئے مجید کی سائیکل سے ایک تیز رفتار ویگن ٹکرا گئی اور اس خطرناک حادثے نے مجید احمد کو موت کے منہ میں جانے سے تو بچا لیا مگر معذوری کا شکار کر کے ہمیشہ کے لئے چارپائی پر ڈال دیا تھا، مجید احمد کی ریڑھ کی ہڈی پر بہت زیادہ چوٹیں گیں تھیں اور حرام مغز بھی متاثر ہوا

تھا، جس کی وجہ سے اس کا نچلا دھڑ مفلوج ہو گیا تھا، گھر کا کماؤ مرد، گھر کا سربراہ اگر اپاہج ہو جائے تو زندگی کی گاڑی ایک جگہ پر رک جاتی ہے، جسے دھکا دیئے بغیر سہارا دیئے بنا آگے نہیں بڑھایا جا سکتا، ایک معذور سربراہ کے ساتھ ان تینوں کی زندگی بھر مفلوج ہو گئی تھی یہ بھی غنیمت تھا کے تین مرلے کا یہ گھر اپنا تھا سر چھپانے کا ٹھکانہ اپنا تھا جو تھوڑی بہت جمع پونجی تھی مجید کے علاج اور دوا پر خرچ ہو گئی تھی، مجید کو مستقل دوا، اچھی غذا اور آرام کی ضرورت تھی اور کمائی کا واحد ذریعہ وہ خود تھا اس گھر کا جو کے معذور ہو کر اپنے بیوی بچوں پر بوجھ بن گیا تھا، اپنے ہر کام کے لئے دوسروں کا محتاج ہو گیا تھا، مجید تو جیسے نومولود بچے جیسا ہو گیا تھا اسے کھلانا پلانا، رفع حاجت، سہلانا دھلانا، غرض کے کہ ہر کام ایک چارپائی پر محدود ہو کر اس کی بیوی کے ذمے آن پڑا تھا، وہ ہی اس کی مدد، خدمت اور تیمار داری کیا کرتی تھی، گھر میں جب پیسہ نام کی شے ختم ہو گئی تو فاقے شروع ہو گئے، زبیدہ سب کچھ سہہ سکتی تھی لیکن اپنے معصوم بچوں کو بھوکا نہیں دیکھ سکتی تھی، سو مرتی کیا نہ کرتی؟ زبیدہ لوگوں کے گھروں میں صفائی ستھرائی، برتن کپڑے دھونے کا کام کرنے لگی، مجید اپنی معذوری اور بے بسی پر کڑھنے اور آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔

اب زبیدہ کی کمائی سے گھر کا گزارہ ہو رہا تھا، مجید کے ساتھ اچھا وقت گزارہ تھا جبھی اس کے برے وقت میں اس کی اچھی ساتھی، وفادار، خدمت گزار، بیوی بن گئی تھی اور جو ہوتا مجید بد مزاج، نک چڑا، جابر، حاکم، شرابی، جواری، نشئی، سخت دل تو بھلا وہ اس کی اتنی خدمت کرتی؟

مجید نے ہر حال میں اسے خوش رکھا تھا اور وہ خوش تھی اپنے شوہر کے ساتھ مگر تقدیر نے اس کی خوشیوں کو اپاہج کر کے ایک چارپائی پہ ڈال دیا تھا، جو خوشیاں اسے ملی تھیں، تقدیر اب اس سے ان کا خراج وصول کر رہی تھی وہ بھی سود سمیت، تقدیر کسی کا لحاظ نہیں کرتی، قسمت کسی کو نہیں بخشتی، خوشیاں دیتی ہے تو دکھ اور غم بھی ساتھ ہی تیار رکھتی ہے، جینے کے لئے مکمل خوشی اور دائمی آسودگی بھلا کسی کا مقدر بنی ہے، جو زبیدہ کا مقدر بنتی۔

شوہر کی معذوری، اپنی مفلسی، بچوں کی پیلی پڑتی رنگت اور ان کی دم توڑتی ننھی منی خواہشیں اس کا دل کاٹا کرتیں، مجید جس محکمے میں ملازم تھا انہوں نے مجید کا علاج کرایا مگر اس کے گھر شفٹ ہونے کے ایک ماہ بعد علاج کے مزید اخراجات اٹھانے سے معذرت کر لی کیونکہ محکمے والوں کو نظر آ رہا تھا کہ مجید اب ان کے کسی کام کا نہیں رہا، وہ تندرست ہو کر اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا لہٰذا اسے نوکری سے بھی برطرف کر دیا گیا، پپو چونکہ اس وقت صرف بارہ برس کا تھا لہٰذا اسے باپ کی جگہ ملازمت پر بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا، اگر وہ بائیس برس کا ہوتا بی اے پاس ہوتا تو اس کو نوکری مل سکتی تھی، مگر یہ سرکاری مہربانی بھی ان کے مقدر میں نہ تھی، لہٰذا گھر کی گاڑی کو کھینچنے کے لئے زبیدہ کو لوگوں کے جھوٹے برتن، میلی اترن دھونا پڑ رہی تھی، اس پر بڑھتی ہوئی مہنگائی، جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی، دو وقت کی روٹی پوری کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا اس کے لئے۔

مجید کی معذوری کے بعد کے گزرے دن ان دو برسوں میں زبیدہ برسوں کی بیمار لگنے لگی تھی، اس کی کھلی کھلی گندمی رنگت جھلس کر رہ گئی تھی اس کی خوشیوں کی طرح، ہاتھوں کا نازک پن ماند پڑ گیا تھا، کومل سے ہاتھ اب کھردرے اور سخت ہو گئے تھے جیسے کسی بوڑھے مزدور کے ہاتھ ہوں، وہ

بچوں کی طرف دیکھتی تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا، کیسے کملا کے رہ گئے تھے اس کے دونوں بچے، محکمہ بہبود آبادی والے ایسے ہی کروڑوں روپے اشتہار بازی پر خرچ کرتے ہیں محض یہ سمجھانے کے لئے کہ بچے دو ہی اچھے ہیں، وہ کیا جانیں کہ غریب آدمی کو تو اپنے دو بچے بھی دس کے برابر لگتے ہیں جب بچوں کی بنیادی ضروریات پوری نہ ہو سکتی ہوں، جب پہننے اوڑھنے کو ڈھنگ کا کپڑا نہ ہو، پیٹ بھرنے کو ٹھیک سے دو وقت کھانا نہ ملے، تو بچے دو ہی اچھے کیسے پلیں بڑھیں گے؟ یہاں تو پیٹ کا دوزخ بھرنے کی فکر میں ہی صبح سے رات ہو جاتی ہے، اچھی تعلیم اچھا اسکول تو بہت دور کی باتیں تھیں۔

جب تک مجید احمد تندرست تھا کام پہ جا رہا تھا، گڑیا اور پپو بھی سرکاری اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ سرکاری اسکول کی فیس کم تھی، بچوں کے اسکول کے کپڑوں، جوتوں اور کتابوں کاپیوں کا خرچہ بھی جیسے تیسے پورا ہو جاتا تھا، مگر مجید احمد کی معذوری نے سب کچھ درہم برہم کر دیا تھا، قریبی عزیز رشتے دار بھی ساتھ چھوڑ گئے تھے کہ کہیں وہ ان سے پیسے نہ مانگ لیں، ایک آدھ سے بہت مجبوری میں زبیدہ نے کچھ رقم ادھار مانگی بھی تو اس نے صاف انکار کر دیا اور اس دن کے بعد اخلاقاً بھی زبیدہ اور مجید احمد کے گھر کا رخ نہیں کیا تھا، ایسے میں گڑیا اور پپو پہلے کی طرح اسکول جانے سے بھی معذور ہو گئے تھے، اسکول کی کئی کئی ماہ کی فیس کی عدم ادائیگی کی وجہ سے دونوں کا نام اسکول سے خارج کر دینے کا نوٹس مل چکا تھا، فیس معافی کی درخواست دے کر سفارش کرا کے منتیں کر کے زبیدہ نے پرنسپل کو راضی کیا تھا کہ وہ اس کے بچوں کو اسکول میں رہنے دیں، دونوں بچے ان حالات و واقعات سے ذہنی طور پر منتشر اور قلبی طور پر صدمے سے دوچار ہو کر پڑھائی سے بددل ہو گئے تھے، اس پر اب انہیں پرانے گھسے ہوئے جوتے، بدرنگ پیوند زدہ یونیفارم پہن کر اور مانگے کی پھٹی پرانی کتابیں اور بستہ لے کر اسکول جاتے ہوئے شرم اور جھجک محسوس ہوتی تھی اور وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتے، انہیں اس حال میں اسکول بھیجتے ہوئے زبیدہ کا دل بھی دکھ سے بھر جاتا اور وہ نم آنکھوں سے کونے میں بچھی چارپائی پر پڑے معذور و مفلوج وجود کو دیکھتی اپنے مجازی خدا کے اپاہج وجود کو غمزدہ چہرے کو دیکھتی جو اس سے کہیں زیادہ دکھ اور بے بسی کی تصویر بنا اسے دیکھنے لگتا، آنسو اس کی آنکھوں کے کناروں سے بہنے لگتے، جنہیں چھپانے کے لئے وہ منہ دوسری جانب پھیر لیتا۔

زندگی نے خوشیوں نے خوشحالی نے تو منہ پھیر ہی لیا تھا ان سے، اس کے گھر سے، بے چارگی سی بے چارگی تھی، وہ چاہ کر بھی اپنے بیوی بچوں کے لئے کچھ نہیں کر پاتا تھا۔

☆☆☆

پپو کو میٹھی سویاں بہت پسند تھیں، پہلے تو زبیدہ ہر چھٹی کے دن صبح ناشتے میں میٹھی سویاں پکایا کرتی تھی اور سب بہت شوق سے کھاتے تھے، پپو کی تو عید ہو جاتی تھی جس دن زبیدہ سویاں پکاتی وہ بہت خوشی خوشی ناشتہ کرتا، مگر اب دو سال سے گھر میں دال روٹی، دال سبزی کے سوا کچھ نہیں پکا تھا، زبیدہ جن کوٹھیوں میں کام کرتی تھی ایک وقت کا کھانا اسے وہاں سے مل جاتا تھا اور عید الفطر کو بھی انہیں گھروں سے اسے میٹھی سویاں مل جاتی تھیں اور محلے کے کسی ایک آدھ گھر سے سویاں آ جاتیں خدا ترسی کے طور پر تو، زبیدہ وہی میٹھی سویاں گڑیا، پپو اور مجید کے سامنے دھر دیتی، پپو کو ان خیراتی اور بھیک کی صورت میں دی گئی سویاں زہر لگا کرتیں، وہ ماں کے سامنے بمشکل سویاں حلق سے نیچے اتارتا، یا ماں سے نظر بچا کر کوڑے دان میں پھینک دیتا، یا گڑیا کی پلیٹ میں ڈال کر خاموشی سے اٹھ جاتا۔

اور زبیدہ اس کی ماں تھی اور ماں کی نظر شکوے اور باز کی سی تیز ہوا کرتی ہے اولاد کے چہرے پر لکھی اس کی پریشانی اس کی سوچ تک بھانپ لیتی ہے، اس کی پوشیدہ حرکتوں کو بھی دیکھ لیتی ہے، زبیدہ بھی دیکھ لیتی کہ اس کا بیٹا غیروں کی دی گئی سوغات، خیرات نہیں کھاتا، خالی پیٹ، بھوکا ہی سونے چلا جاتا ہے۔

"تو نے سویاں کیوں نہیں کھائیں؟" زبیدہ اس کے سر پہ جا پہنچی۔

"کھا لوں گا اماں، جب تو اپنے گھر میں اپنے ہاتھوں سے پکائے گی۔" پپو سنجیدگی سے کہتا تو وہ سمجھانے لگتی۔

"دیکھ پپو، جو بھی ملے اس پر صبر شکر کرنا چاہیے۔"

"ہاں تو صبر کر تو رہا ہوں اماں۔" پپو کا جواب بہت گہرا ہوتا۔

"اب بھوکا سوئے گا کیا؟"

"بھیک میں ملے من و سلویٰ کھانے سے بہتر ہے کہ میں بھوکا ہی سو جاؤں۔" پپو کی باتیں اس کی عمر سے بڑی ہوتیں جنہیں سن کر زبیدہ بعض دفعہ تو حیران رہ جاتی اور بعض دفعہ اسے پپو پر غصہ آنے لگتا۔

"بات سن پپو، یہ جو خودداری، انا غیرت اور عزت نفس ہے نا اس سے کتابوں کا پیٹ تو بھرا جا سکتا ہے لیکن انسانوں کا نہیں، انسان کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے روزی روٹی کی ضرورت ہوتی ہے اب وہ خدمت اور مزدوری کے عوض ملے یا، مفت میں رحم اور بھیک میں ملے پیٹ کو بھرنے کے لئے روٹی چاہیے کھانا چاہیے، تو بھی اللہ کا نام لے کہ کھا لیا کر، وہ سب دیکھتا ہے اس نے ہمارا رزق اب اسی طرح لکھا ہے۔"

"تو غلط لکھا ہے نا اماں۔" وہ اللہ سے بھی خفگی کا اظہار کرتا۔

"چپ کفر بکنے سے، شکر کی عادت نہیں رہتی اور جب شکر کی عادت ختم ہو جائے تو گھر سے روزی سے زندگی سے برکت ختم ہو جاتی ہے، آہستہ آہستہ ہر نعمت ختم ہو جاتی ہے۔" زبیدہ اسے ڈپٹتی۔

"تو اماں! کیا ہم ناشکرے ہیں؟" پپو اگلا سوال اٹھاتا۔

"اور وہ جو بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہتے ہیں، کاروں میں گھومتے پھرتے ہیں، جن کے گھروں میں ایک ایک وقت کے کھانے پر بڑی سی میز مختلف اقسام کے پکوان سے سجی بھری ہوتی ہے وہ لوگ سب اللہ کے شکر گزار بندے ہیں، کیا وہ سب انہیں ان کی شکر گزاری کے سبب ملا ہے؟ نہیں اماں، ایسا نہیں ہے یہ سب تو اللہ کی اپنی مرضی سے ہوا ہے، وہ مالک ہے نا اس لئے اس کی مرضی ہے کہ وہ جسے چاہے بڑے گھر اور ڈھیر ساری دولت دے اور جسے چاہے دو وقت کی روٹی کے لئے صبح سے رات تک مزدوری کے کارخانے میں لگائے رکھے، سب اس کی مرضی ہے اماں، وہ چاہے نا تو ایک سیکنڈ میں ہمارے حالات اور ابا کی حالت ٹھیک کر سکتا ہے، مگر وہ چاہے تب نا۔"

"اللہ جانے کیسی باتیں کرتا ہے میری تو سمجھ سے باہر ہیں تیری باتیں، اپنی عمر سے بڑی باتیں نہ سوچا کر ورنہ جلدی بڈھا ہو جائے گا۔" زبیدہ جز بز ہو کر کہتی۔

"یہاں کل کی خبر نہیں ہے اور تو بڑھاپے کا ذکر کر رہی ہے حالات دیکھے ہیں ناں شہر کے۔" پپو مجروع سے انداز میں ہنستا۔

"ہاں ہاں دیکھے ہیں، جیسے حالات اس گھر کے ہیں ویسے ہی حالات اس شہر کے ہیں، امن سکون نہ ادھر ہے نہ ادھر۔" زبیدہ کا لہجہ حالات کی ستم ظریفی کے احساس سے تھکن سے چور ہو جاتا اور وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔

☆☆☆

"کچھ بھی ہو اس عید پر میں اپنے پپو کی من پسند سویاں ضرور بناؤں گی، سادہ بھی اور دودھ والی بھی پستے بادام ڈال کے بناؤں گی، میرے بچوں کو تو عیدیں بھی روکھی پھیکی ہو گئیں ہیں، مگر اب کی میٹھی عید، میٹھی بناؤں گی میں اپنے بچوں کے لئے ڈھیر ساری میٹھی سویاں بنا کے ہاں۔"

زبیدہ کوٹھی میں کام کرتے ہوئے دل ہی دل میں سوچ رہی تھی، رمضان کا آخری عشرہ چل رہا تھا اسے دو تین گھروں سے زکواۃ، فطرانے کے پیسے مل گئے تھے اور ایک مالکن نے اس کے بچوں کے لئے کپڑے دیئے تھے، وہ ان سب کو دعائیں دیتی گھر لوٹی تھی، اس بار بچوں کی عید کی خوشیاں وہ ان کے چہروں سے چھلکتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی، کپڑوں اور سویوں کا بندوبست ہو گیا تھا، نئے جوتے خریدنے کے لئے پیسے جوڑے تھے مگر جب جوتے خریدنے دکان پر پہنچی تو زبیدہ کو گڑیا اور پپو کے اسکول کے پھٹے پرانے اور گھسے ہوئے جوتے آ گئے، بس پھر اس نے بچوں کے اسکول کے جوتے خرید لئے یہ سوچ کر کہ عید کے دن بھی پہن لیں گے اور بعد میں اسکول آنے جانے میں کام آ جائیں گے، گڑیا اور پپو تو نئے جوتے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

"اماں! ابا کے لئے جوتے نہیں لائیں۔" گڑیا نے معصومیت سے استفسار کیا۔

"نہیں میری گڑیا رانی، تیرے ابا کو تو اب جوتے پہننے کی ضرورت ہی نہیں رہی، اس کی زمین تو سمٹ کے ایک چارپائی تک محدود ہو گئی ہے۔" زبیدہ نے آزردگی سے مجید احمد کی طرف دیکھتے ہوئے دکھ سے کہا۔

"اماں! اس بار میٹھی سویاں بھی بناؤ گی نا عید کے دن؟" پپو نے ایکدم سے پرجوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں پکاؤں گی سویاں بھی پکاؤں گی اور تم دونوں کو عیدی بھی دوں گی۔" زبیدہ نے ان دونوں کو خوش دیکھ کر پرعزم لہجے میں کہا۔

"مجھے تو بس عیدی میں تم "میٹھی سویاں" ہی دے دینا۔"

"مجھے بھی۔" گڑیا بھی پپو کی بات سن کر خوشی سے بولی۔

"ہائے میرے بچے میری آنکھوں کے تارے، یا اللہ سائیں مجھے میرے معصوم بچوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشیں پوری کرنے کے قابل بنا دے۔" زبیدہ نے دونوں بچوں کو دائیں بائیں اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیتے ہوئے دل سے دعا مانگی۔

☆☆☆

"بیگم صاحبہ! تھوڑے سے پستے بادام ملیں گے کیا؟" زبیدہ نے کام ختم کرنے کے بعد کوٹھی والی مالکن سے جھجکتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہاں بازار میں ملیں گے خرید لو جا کے۔" بے نیازی سے جواب آیا۔

"بازار سے خریدنے کی حیثیت ہوتی تو آپ سے کیوں مانگتی جی؟"

"جب تمہیں اپنی حیثیت کا پتا ہے تو پھر حیثیت سے بڑھ کر خواہشیں کیوں پالتی ہو؟

حیثیت کے مطابق مانگ رکھنی چاہیے نا۔" بیگم صاحبہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جانتی ہوں جی، مگر حیثیت بدلتے دیر تو نہیں لگتی نا جی، کل تک میں اپنے گھر کو سجاتی سنوارتی تھی مگر آج آپ جیسے بڑے لوگوں کے گھروں کو سجاتی سنوارتی ہوں صاف ستھرا کرتی ہوں، جو سودا سلف میرا شوہر لایا کرتا تھا وہ اب مجھے محنت کر کے خریدنا پڑتی ہیں، اصل میں بیگم صاحبہ! میرے بیٹے کو میٹھی سویاں بہت پسند ہیں میرے ہاتھ کی پکی سویوں پہ تو وہ جان دیتا ہے، سوچا اس عید پہ اپنے بچے کو اس کی من پسند عیدی دوں گی سویوں کی صورت میں تو وہ کتنا خوش ہو جائے گا نا بیگم صاحبہ۔" زبیدہ نے سنجیدہ دلگیر، اور بھیگتے لہجے میں اپنی مجبوری بے بسی اور مفلسی کا اپنی ننھی سی خواہش کا ذکر کیا تو بیگم صاحبہ کا دل پسیج گیا اور اسے پستے بادام دینے کے لئے تیار ہو گئیں مگر یہ کہنے سے نہ رکیں کہ۔

"سویاں تو بنا پستے بادام الائچی کے بھی پک سکتی ہیں مگر تم لوگوں کو بھی پوری عیاشی کرنے ہے، بچوں کی خواہشیں اپنی آمدنی کے اندر پورا کرنے کی کوشش کرو ورنہ بچے سر چڑھ جائیں گے پستے بادام کھا کر۔"

"نہیں بیگم صاحبہ! میرے بچے ایسے نہیں ہیں لیکن عید کی خوشیوں پر میرے بچوں کا بھی تو حق ہے نا، ان کی چھوٹی سی فرمائش پوری ہو گی تو انہیں بہت بڑی خوشی مل جائے گی جی۔" زبیدہ نے پرنم آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا

"اچھا یہ لو پستے بادام، عید کے دن آ جانا شیر خرمہ چاہیے ہو تو۔" بیگم صاحبہ مٹھی بھر بادام اور چند پستے کے دانے اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں میں ڈال دیئے، زبیدہ کے لئے یہ بھی بہت تھے، احساس کم مائیگی سے اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

"شکریہ بیگم صاحبہ!" وہ اپنی میلی چادر سے اپنے آنسو پونچھتی وہاں سے چلی آئی۔

عید کے دن کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا تھا، زبیدہ تو فجر کے وقت سے جاگی ہوئی تھی اور مجید احمد کے کاموں سے فارغ ہو کر اسے نہلا کر تیار کر کے گھر کی صفائی کر کے خود بھی نہ کر صاف ستھرے کپڑے پہن لئے تھے، پھر گڑیا اور پپو کو جگایا، وہ دونوں بھی نہا کر تیار ہو گئے، زبیدہ نے انہیں کھجور کھلائی، چائے پینے کے لئے دی تو پپو کہنے لگا۔

"اماں میٹھی سویاں۔"

"میٹھی سویاں بھی تقریباً تیار ہیں بس تو جلدی سے عید کی نماز پڑھ کے آ جا پھر جی بھر کے سویاں کھانا میں نے پستے بادام اور الائچی ڈال کر پکائی ہیں سویاں۔" زبیدہ نے پپو کے سر پہ دست شفقت پھیرا اس کا روشن ماتھا چوما وہ سفید کاٹن کے کرتا شلوار میں بہت جچ رہا تھا، زبیدہ نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری تھی۔

"سچ اماں!" پپو کے منہ میں پانی آ گیا پستہ بادام اور الائچی والی سویاں کا سن کر۔

"ہاں اماں کی جان، چل جا شاباش جلدی سے عید کی نماز پڑھ کے آ جا مسجد میں اعلان آٹھ بجے کا ہوا تھا اور آٹھ بجنے والے ہیں جا کہیں نماز کو دیر نہ ہو جائے۔"

"اچھا اماں!" پپو خوشی خوشی جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور ہاں میرے لعل، اللہ سے دعا مانگنا اپنے ابا کی تندرستی کے لئے اور اپنے گھر کے حالات کی بہتری کے لئے اپنی اور اپنے ملک کی بہتری کے لئے دل سے دعا مانگنا۔" زبیدہ نے ہدایت کی۔

"ٹھیک ہے اماں، اچھا ابا میں چلتا ہوں، اللہ نگہبان۔" پپو نے باری باری ماں اور باپ دونوں کے چہروں کو دیکھا جہاں آج عید کے سبب مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔

"خدا حافظ بھیا! جلدی آنا مل کر سویاں کھائیں گے۔" گڑیا جو سبز اور پیلے رنگ کے لان کے سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی پپو کو دیکھتے ہوئے خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے گڈی، خدا حافظ۔" پپو اسے دیکھتا ہوا مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہتا دروازے سے باہر نکل گیا۔

"گڈی لے بیٹا یہ پلیٹیں ادھر اسٹول پر لگا دے، پپو نماز پڑھ کے آئے گا تو سویوں کا شور مچا دے گا۔" زبیدہ نے گڑیا کو پلیٹیں دیتے ہوئے کہا۔

"جی اماں! ہائے اماں، یہ کیسی آواز ہے؟" گڑیا نے دھماکے کی سی آواز پر سہم کر ماں کو دیکھا تھا۔

"یا اللہ خیر۔" زبیدہ نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا، گڑیا دروازہ کھول کر باہر گلی میں جھانکنے لگی۔

"یہ تو دھماکے کی آواز تھی۔" مجید احمد گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"دھماکہ۔" زبیدہ ہراساں سے دروازے کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"ہاں زبیدہ کہیں یہ بم دھماکہ تو نہیں تھا کہیں مسجد میں تو بم دھماکہ نہیں ہو گیا۔" مجید احمد کے بے جان وجود میں پپو کے خیال سے کرنٹ سا دوڑ گیا۔

"مسجد میں، مسجد میں تو میرا پپو عید کی نماز پڑھنے گیا تھا۔" زبیدہ کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔

"پپو میرا بچہ۔" مجید احمد چارپائی سے اترنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا، پپو کی فکر اس معذور باپ کو بے کل و بے قرار کر رہی تھی مگر وہ اپنی معذوری کے سبب پپو کے پیچھے بھی نہیں جا سکتا تھا۔

"اماں ابا گلی میں بہت شور ہو رہا ہے، وہ کرموں چاچا ہیں ناں بیکری والے وہ کہہ رہے ہیں کے پپو گھر آ رہا ہے۔" گڑیا جو دروازے سے باہر جھانک کر آئی تھی ان دونوں کو دیکھتے ہوئے بتانے لگی، اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"پپو گھر آ رہا ہے، یا اللہ تیرا شکر ہے، میرا پپو گھر آ رہا ہے۔" زبیدہ نے گڑیا کا بازو پکڑ کر ذرا سا مسکرا کر کہا اس پر تو جیسے شادی مرگ طاری تھی۔

"میں پپو کے لئے سویاں لاتی ہوں میرے بچے کو بھوک لگی ہو گی۔" زبیدہ تیزی سے باورچی خانے کی طرف گئی اور میٹھی سویوں کا ڈونگہ اٹھا لائی جو اس نے بہت محبت سے پکائی تھیں۔

"اماں! محلے والے باتیں کر رہے تھے کے مسجد میں بم دھماکہ ہوا ہے بہت سارے نمازی شہید اور زخمی ہوئے ہیں۔" گڑیا نے پریشان اور سہمی ہوئی نظروں سے زبیدہ کو دیکھتے ہوئے بتایا تو زبیدہ کا تو جیسے دل دھڑکنا ہی بھول گیا، میٹھی سویوں سے بھرا ڈونگہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے زمین پر جا گرا اور میٹھی سویاں مٹی مٹی ہو گئیں تھیں، ان کو کھانے کے متمنی نے آنے میں دیر کر دی تھی شاید۔

"کیا؟"

"ہاں اماں۔" گڑیا بے بسی اور دکھ سے زمین پر گری سویوں کو دیکھ رہی تھی، آنسو آپ ہی آپ بہنے لگے تھے اس کے، نجانے سویوں کے ضائع ہو جانے کھا نہ سکنے کا دکھ ہو رہا تھا اسے یا وہ بھی اماں اور ابا کی طرح پپو کے لئے پریشان تھی، لیکن یہ بھی سچ تھا کے وہ پپو کے بنا میٹھی سویاں چکھتی بھی نہیں، اسے تو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر کھانے میں مزا آتا تھا، مگر آج ابھی تک اس کا بھائی نہیں آیا تھا۔

یکا یک دروازہ کھلا اور ان تینوں کے دل بند ہونے کو ہو گئے محلے کے تین آدمی ایک چارپائی لے کر اندر داخل ہوئے جس پر چودہ سالہ پپو خون میں لت پت بے جان لیٹا تھا۔

"پپو۔" زبیدہ کی دل زور چیخ سے در و بام لرز اٹھے۔

"پپو میرا بچہ، ہائے میرا بچہ، میرا لعل نہیں مر سکتا، ابھی تو اس نے میٹھی سویاں بھی نہیں کھائیں تھی۔" مجید احمد اپنی پوری قوت لگا کر اٹھنے کی کوشش میں چارپائی سے نیچے گرا۔

"بھیا اٹھو نا دیکھو اماں نے پستے باداموں والی میٹھی سویاں بنائی ہیں تمہارے لئے، اٹھو نا بھیا، اماں بھیا کو کیا ہوا ہے یہ اٹھتے کیوں نہیں، پپو بھیا بولتے کیوں نہیں؟" گڑیا چارپائی کے سرہانے کھڑی روتے ہوئے پپو کے زخمی بازو کو ہلا رہی تھی، زبیدہ ساکت سی نظروں سے اپنے لاڈلے بیٹے کے خون آلود چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

اس کا معصوم اور خوبصورت چہرہ دہشت گردوں کی بے حسی اور موت کی سفاکی سے لتھڑا ہوا تھا، میٹھی سویاں کھائے بنا ہی عید کا دن منہ موڑ گیا تھا، خوشی اور تہوار کا دن تھا، جیسے چند شر پسند دہشت گردوں کی اس بیمانہ حرکت نے آزردگی، دکھ اور آنسوؤں میں ڈبو دیا تھا، نجانے عید کے دن پھر کتنے گھروں کے چراغ گل ہو گئے تھے، کتنی سہاگنیں اجڑی تھیں، کتنے معصوم بچے یتیم ہوئے تھے، کتنی بہنوں کے بھائی اور بیٹیوں کے باپ اس بم دھماکے نے ان سے چھین لئے تھے، یہ خودکش بم دھماکہ تھا، دھماکہ کرنے والا تو نجانے کون سی جنت کے لالچ میں اپنی جان گنوانے آیا تھا، مگر جو نمازی عید کی نماز کے لئے صف باندھے کھڑے تھے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جنت میں پہنچ گئے تھے شہادت کا رتبہ پا گئے تھے، مگر وہ جو جانے والوں کے پیچھے رہ گئے تھے ان کی زندگیاں کتنی کھٹن اور تکلیف دہ بنا دی تھیں اس بم دھماکے نے یہ شاید ان کے سوا کوئی نہیں جان سکتا تھا۔

زبیدہ جیسی کتنی ہی مائیں تھیں جن کی گود اس دہشت گردی نے اجاڑ دی تھی، زبیدہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی، مجید احمد اپنے نوجوان بیٹے کی لاش سامنے دیکھ کر اپنے بال نوچ رہا تھا، اپنا سر پیٹ رہا تھا، گڑیا بلک بلک کر رو رہی تھی ان کی میٹھی سویوں والی عید پھیکی بلکہ کڑوی ہو گئی تھی ہمیشہ کے لئے۔

پپو، زبیدہ اور مجید احمد کا لاڈلا، بیٹا نوجوان کی دہلیز پر قدم رکھتا ان کا وارث ان کے گلشن کا پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گیا تھا، اس کی ناگہانی موت سے ان تینوں کا مستقبل بھی تاریک ہو گیا تھا، ان کا اکلوتا سہارا چھوٹ گیا تھا، ان کا تو دایاں بازو کٹ گیا تھا، امید کی لو بجھ کر ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔

معذوری و مفلسی کے ننگے رقص کے بعد اب موت کا سوگ بھی ان کے کچے آنگن میں اترا آیا تھا، میٹھی عید میٹھی سویوں والی عید اسی کڑوی کسیلی حقیقت کے ساتھ نوحہ کناں تھی، زبیدہ اور مجید احمد کے پپو کی موت کے غم میں عید کی صبح بال کھولے گھر کی دیواروں سے سر پٹخ رہی تھی، رو رہی تھی، عید بھی ان کے دکھ میں، ان کے غم میں لہولہو تھی۔

☆☆☆

روبینہ سعید

"رضیہ...... نی رضیہ...... دروازہ بند کر لے۔" اماں نے چادر کھونٹی سے اتارتے ہوئے رضیہ کو پکارا جو مسلسل درد سے کراہے جا رہی تھی۔

"چل شاباش...... اٹھ جا...... میں تیری دوا لے آؤں حکیم صاحب سے، اٹھ کر دروازہ بند کر لے، ابھی تک امام صاحب بھی نہیں آئے۔"

"اچھا اماں!" رضیہ بڑی مشکل سے اٹھی اور اماں کے پیچھے پیچھے ہائے ہائے کرتی صحن میں آ گئی اور اماں کے باہر نکلتے ہی کنڈی لگالی۔

"یا ہو۔" کنڈی لگاتے ہی اس نے خوشی سے بالکل ویسا نعرہ لگایا جیسا وہ بہت سے ڈراموں میں ہیروئن کو خوشی کے موقع پر لگاتے کئی بار دیکھ چکی تھی اور اندر کمرے کی طرف بھاگ گئی، اس نے جلدی سے چارپائی کے نیچے چھپا کر رکھا بیگ نکالا اور ٹرنک کھول کر جلدی جلدی اپنے دو چار جوڑے نکال کر بیگ میں رکھے، یہ بیگ پچھلی ملاقات میں اشرف نے دیا تھا اور کہا تھا۔

"یہ دیکھو۔" اس نے بیگ کی زپ کھول کر دکھائی تھی۔

"اس میں بس دو چار جوڑے رکھ لینا، زیادہ سامان رکھنے کی ضرورت نہیں۔"

"نہ...... پر کیوں...... ضرورت تو آخر پڑے گی نہ۔" وہ الجھی۔

"او تو میں کیا مر گیا ہوں۔" اشرف جھنجلا گیا۔

"ہائے ربا، اللہ نہ کرے۔" رضیہ نے بے اختیار اشرف کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"بد فالیں منہ سے کیوں نکالتے ہو۔" اشرف نے اس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"تو پھر ایسی بات کیوں کرتی ہو، میں آخر تجھ سے نکاح کروں گا تو کیا تجھے نئے کپڑے اور ضرورت کی چیزیں نہیں لے کر دوں گا۔"

"اچھا تو یوں بولو نہ۔" رضیہ تھوڑا شرما گئی۔

"اور سنو۔" چند لمحوں بعد اشرف نے دوبارہ کہا۔

"یہ جو خفیہ زپ ہے نہ۔" اس نے بیگ کی اندرونی زپ کھول کر دکھائی۔

"ہاں ہے...... پھر؟" رضیہ نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

"اگر گھر میں کچھ نقد رقم ہو تو اس میں رکھ لینا۔"

"نقد رقم۔" رضیہ چونکی۔

"پر وہ کیوں؟ تم ساتھ ہو گے تو سہی، پھر میں نقد رقم کیوں لاؤں۔" اس کی خوبصورت پیشانی پر سلوٹیں نمایاں ہو گئیں، اشرف کچھ ٹپٹا گیا مگر پرانا کھلاڑی تھا لہٰذا فوراً سنبھل کر بولا۔

"او جھلیے، میں تو ساتھ ہوں گا، لیکن تجھے شہر کا ابھی اتنا نہیں پتا، اگر کسی نے رستے میں میری جیب کاٹ لی تو پھر؟ کم از کم تیرے پاس کچھ تو ہو گا اور ویسے بھی وہ رقم تو احتیاطاً ساتھ رکھیں گے، جب ہمارا نکاح ہو جائے گا تو منی آرڈر کے ذریعے امام صاحب کو واپس بھیج دیں

گے۔"

"اچھا۔" رضیہ نے کچھ دیر سوچا۔

"چلو پھر ٹھیک ہے، میں لے آؤں گی۔" اشرف نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا تھا، اب جو بیگ میں کپڑے رکھے تو بے اختیار نقد رقم کا خیال آیا، اس نے بیگ چارپائی پر رکھ دیا اور خود ابا کی الماری کی طرف بڑھ گئی، الماری کے دروازے کو ہاتھ لگاتے ہوئے بے اختیار اس کے ہاتھ کانپے۔

"یہ کیا کر رہی ہے رضیہ تو؟" کوئی اس کے

اندر چینا تھا، اس نے یکدم ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔
"ذرا سوچ تجھے کتنے لاڈ پیار سے پالا ہے تیرے ماں باپ نے، لڑکی ہوتے ہوئے تجھے میٹرک تک پڑھایا، وہ بھی شہر کے سکول سے۔"
"ہاں تو شہر کے سکول سے کیا اس لئے پڑھایا تھا کہ اپنے اس مولوی بھتیجے کے پلے باندھیں؟ وہ جو اس مولوی سے میرے دو بول پڑھوانے کی تیاری کر رہے ہیں، وہ کیا صحیح ہے؟" اس نے نروٹھے پن سے سوچا اور الماری کے دونوں پٹ کھول دیئے، یہ دھڑکا بھی لگا ہوا تھا کہ کہیں اماں نہ آ جائیں، کتنی مشکلوں اور ہزار جتنوں سے اماں کو گھر سے باہر بھیجنے میں کامیاب ہو سکی تھی، آج تو اماں کسی بھی کام سے گھر سے باہر نکل ہی نہیں رہی تھی، ان کی طبیعت صبح سے خراب تھی، ٹانگوں میں شدید درد تھا، آخر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا، بہت سوچ بچار کے بعد بیماری کا بہانہ کیا، سر سے پٹی باندھ لی اور مسلسل کراہنا شروع کر دیا تو اماں بے چین ہو گئیں اور اس کی دوا لینے حکیم صاحب کی طرف چلی گئیں، اس نے جو تیاری کرنی تھی اماں کے آنے سے پہلے پہلے کرنی تھی، اماں کی موجودگی میں تو بیگ میں کچھ رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
"گھر بھی تو چھوٹا سا ہے، ہونہہ چھوٹا سا گھر۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا، اشرف ٹھیک ہی کہتا ہے اتنے چھوٹے سے گھر میں کوئی پرائیویسی نہیں ہوتی، وہ جب سے اشرف کے جال میں پھنسی ہوئی اسے اپنا گھر بہت تنگ اور گھٹن زدہ لگنے لگا تھا۔
"ہونہہ، یہ بھی کوئی گھر ہے۔" اس نے نخوت سے چاروں طرف دیکھا اور سر جھٹکا۔
"گھر تو اسے کہتے ہیں جس کی تصویریں اشرف نے مجھے دکھائی تھیں یہ بڑا سا بیڈ روم، ڈرائنگ روم، خوبصورت کچن، ٹی وی لاؤنج، وسیع و عریض سر سبز لان، گیراج میں نئی اور خوبصورت گاڑیوں کی لائن، واہ...... کیا بات ہے۔" اس نے جذب کے عالم میں سر دھنا۔
"بس کل کی بات اور ہے پھر میں اس گھر کی مالک ہوں گی اور رہ گئے اماں ابا تو اشرف کہہ رہا تھا کہ وہ بعد میں ان سے معافی مانگ کر انہیں منا لے گا، تو ہم ان کے پیر پکڑ لیں گے اور اس وقت تک نہیں اٹھیں گے جب تک وہ معاف نہیں کر دیں گے۔" الماری کے پٹ کو تھامے تھامے وہ خیالوں میں کھو چکی تھی، اچانک گلی میں کسی پھیری والے کی آواز سن کر وہ جیسے اچھل پڑی۔
"کہیں اماں نہ آ جائیں۔" وہ جلدی جلدی الماری کی تلاشی لینے لگی، ابا نے کبھی الماری کو تالا نہیں لگایا تھا، وہ چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی، آخر ایک بوسیدہ سے پلاسٹک کے لفافے پر نظر پڑی، اس نے جلدی سے لفافہ کھولا، اندر ایک کپڑے میں کچھ لپٹا نظر آیا، اس نے بے تابی سے کپڑا کھولا، اندر سے ہزار ہزار کے پانچ پانچ سو کے کئی نوٹ تہہ کیے ہوئے رکھے تھے، اس نے ایک بار اماں سے سنا تھا کہ جس دن سے رضیہ پیدا ہوئی تھی، ابا نے اسی دن سے بچت شروع کر دی تھی تا کہ اس کی شادی پر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، رقم کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ملال سا اتر آیا، مگر اگلے ہی پل سارا ملال اڑن چھو ہو گیا جب اشرف کے الفاظ کانوں میں گونجے۔
"جب ہمارا نکاح ہو جائے گا تو منی آرڈر کے ذریعے رقم امام صاحب کو واپس بھیج دیں گے۔" اس نے رقم نکال کر گنی، تقریباً ساٹھ ہزار روپے تھے اس نے کپڑا اسی طرح تہہ کر کے پلاسٹک کے لفافے میں رکھا اور الماری کی چیزیں

پہلے کی طرح رکھ دیں، بیگ بند کر کے اسے کپڑوں کے ٹرنک کے پیچھے بنے آتشدان میں رکھ دیا، اپنی چادر اس نے کھونٹی پر لٹکا دی تا کہ رات کے اندھیرے میں ڈھونڈنا مشکل نہ ہو، چپلیں چارپائی کے پاس رکھ لیں اور مطمئن ہو کر لیٹ گئی۔
اشرف سے اس کی ملاقات حمیدہ کے ذریعے ہوئی تھی، وہ حمیدہ سے ملنے آتا تھا، پھر دو ایک دفعہ حمیدہ اسے ساتھ لے کر اشرف سے ملنے جاتی رہی، بعد میں حمیدہ نے اسے بتایا تھا کہ اشرف اس سے نہیں بلکہ تیری خاطر ملنے آتا ہے۔
"رضیہ وہ تو تیرا دیوانہ ہے، وہ کہتا ہے جب تک رضیہ کی من موہنی صورت نہیں دیکھ لیتا اسے تو قرار ہی نہیں ملتا۔" شروع شروع میں تو وہ بہت گھبرائی مگر حمیدہ بہت چلتر اور مکار تھی، اس نے رضیہ کے سامنے اشرف کی امارت اور رکھ رکھاؤ کی تعریفیں کر کر کے اس کی دوستی اشرف سے کروا دی۔
شروع شروع میں تو رضیہ کو بہت شرم آئی تھی، مگر اشرف نے جب اسے پے در پے مہنگے مہنگے اور قیمتی تحفے دینے شروع کیے تو وہ بھی آہستہ آہستہ اس سے بے تکلف ہوتی گئی۔
"اشرف کو غور سے دیکھ بے وقوف بالکل ڈراموں کا ہیرو لگتا ہے نہ۔" اکثر حمیدہ اسے یہی کہتی رہتی، اسے خود بھی ایسا ہی محسوس ہوتا، وہ جب چوری چوری اس کی جانب دیکھتی تو خود کو کسی ڈرامے کی ہیروئن سمجھتی اور وہ جب اس کی جانب مسکراتے ہوئے دیکھتا تو وہ خیالوں خیالوں میں اس کے ساتھ نجانے کہاں پہنچ جاتی جہاں ایک بنگلہ نما بڑا سا گھر ہوتا اور وہ دونوں ہوتے ابا نے اس کی منگنی اپنے چھوٹے بھائی کے بیٹے سلمان سے کر رکھی تھی۔
جو حافظ قرآن تھا اور درس دیا کرتا تھا، اشرف کے مقابلے پر اسے سلمان ایک آنکھ نہ بھاتا، پھر اس کے میٹرک کرتے ہی ابا نے اپنے بھائی سے بات کی تا کہ اس کے فرض سے عہدہ برآہ ہو سکیں، مگر انہی دنوں دادی اماں کا قرعہ اندازی میں حج کے سفر کے لئے نام نکل آیا پھر دونوں بھائیوں نے دادی کی واپسی تک شادی موخر کر دی اور رضیہ نے سکھ کا سانس لیا، کبھی کبھی تو وہ سوچتی کہ شادی بھی بھلا اس کی زندگی میں کیا تبدیلی لائے گی، ایک امام کے گھر سے رخصت ہو کر وہ دوسرے امام کے گھر پہنچ جائے گی، ایسے میں ایک ملاقات کے دوران جب حمیدہ نے ساری صورتحال اشرف کو بتائی تو اس نے فوراً کورٹ میرج کا مشورہ دیا، رضیہ راضی نہیں تھی مگر حمیدہ نے ہزار دلیلیں دے دے کر اسے منا ہی لیا۔

☆☆☆

"دیکھ رجو! ابا تیرا کبھی بھی اشرف کا رشتہ قبول نہیں کرے گا کیونکہ سب سے پہلے تیرے ابا کا یہی رونا ہونا ہے کہ اشرف کی داڑھی نہیں ہے، پھر دوسرا اعتراض امام صاحب کو اشرف کے کپڑوں پر ہونا ہے، انہوں نے یہی کہنا ہے کہ فرنگیوں والے کپڑے پہنتا ہے، پھر اشرف اکیلا ہے، ایسے چھڑے چھانٹ کو کون رشتہ دے گا، میری گل من لے جھلیے، تو کیسے راضی کرے گی ماں پیو کو اور یہ بھی گل میری پتھر پہ لکیر کی طرح ثابت ہو گی کہ اگر تو نے اشرف کا نام بھی گھر میں لیا تو تیری شادی جو سلمان سے دادی کے آنے پر ہونی ہے وہ اگلے دن ہی ہو جانی ہے آخر عزت سب کو پیاری ہوتی ہے۔" وہ اسے کسی تجربہ کار عورت کی طرح سمجھا رہی تھی۔

"پھر کیا کروں؟" رضیہ بری طرح پریشان ہو چکی تھی اور یہی حمیدہ اور اشرف چاہتے تھے کہ وہ پریشان ہو کر اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کمزور پڑ جائے۔

"تو بالکل چپ رہ، گھر میں تو اشرف کا نام لینے کی ہرگز ہرگز کوئی ضرورت نہیں، بس خاموشی سے جو اشرف کہے وہ کر لے جا۔" اس نے مکاری سے کہا۔

رضیہ نے بے اختیار اشرف کی طرف دیکھا، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اشرف نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کورٹ میرج۔" اشرف نے کہا۔

"کورٹ میرج؟" رضیہ جو پارک کے بینچ پر بیٹھی تھی بے اختیار اشرف کا ہاتھ جھٹک کر یکدم کھڑی ہو گئی۔

"نہ بابا نہ۔" اس نے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھ لئے۔

"اماں ابا تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے اور پھر سارا زمانہ تھو تھو کرے گا کہ امام کرم الٰہی کی اکلوتی بیٹی بھاگ گئی۔" اشرف نے بے چینی سے پہلو بدلا اور حمیدہ کو اشارہ کیا۔

"تُو بیٹھ جا، زمانہ تھو تھو کرے گا۔" اس نے رضیہ کا ہاتھ پکڑ کر بینچ پر بٹھاتے ہوئے اس کی نقل اتاری۔

"کچھ نہیں ہوتا امام صاحب کی عزت کو۔" اس نے اس کا ہاتھ دبایا۔

"امام صاحب عزت دار ہیں، دنیا کے خوف سے یہ بات کسی کو نہیں بتائیں گے کہ بیٹی گھر سے بھاگ گئی ہے، ذرا خود سوچ، کہہ سکتے ہیں وہ کسی محلے دار کو کہ میری بیٹی گھر سے بھاگ گئی ہے۔" رضیہ کا سر نفی میں ہلا، حمیدہ کچھ مطمئن ہوئی، اشرف نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔

"اور پھر...... تم نے کون سا ہمیشہ کے لئے غائب ہو جانا ہے، جیسے ہی نکاح ہو جائے گا اس کے بعد تم اور اشرف آ کر امام صاحب کے پاؤں پکڑ لینا، دیکھنا اپنی عزت دنیا کی نظروں میں برقرار رکھنے کے لئے انہیں تم دونوں کو معاف کرنا پڑے گا۔" بات رضیہ کو سمجھ آ رہی تھی۔

"واقعی یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا، آخر اکلوتی اولاد ہوں، لاڈلی بھی حد سے زیادہ، صحیح کہتی ہے حمیدہ، معافی مانگوں گی تو ذرا پس و پیش کے بعد معاف کر دیں گے۔" وہ سوچ کر آپوں آپ مسکرائی۔

اسے مسکراتا دیکھ کر حمیدہ اور اشرف بھی مطمئن ہو کر مسکرائے، وہ بے خبر سر جھکائے مسکراتی رہی اور خیالوں ہی خیالوں میں اس گھر میں پہنچ چکی تھی جو بالکل ویسا تھا جیسے ٹی وی ڈراموں میں ہوتا ہے اور پچھلی ملاقات میں اشرف نے یہ کہہ کر گھر کی تصویریں دی تھیں کہ یہ تمہارے گھر کی تصویریں ہیں، جو میں نے تمہارے لئے لیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے تصویریں اس کے سامنے رکھیں۔

"یہ دیکھ یہ تمہارا عالیشان کچن ہے یہاں تم میرے لئے مزے مزے کے کھانے بنانا۔" اس نے کچن کی تصویر دکھائی، کچن دیکھ کر ہی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"اتنا خوبصورت کچن۔"

"اور یہ دیکھو یہ بیڈ روم۔" اس نے بیڈ روم دیکھ کر بے یقینی سے اشرف کو دیکھا۔

"ہاں یہ سب تمہارا ہے، یہاں صرف ہم دونوں ہوں گے، بس میں اور تم۔" اور گھر آ کر وہ چوری چوری نجانے کتنی بار تصویریں دیکھ چکی تھی۔

"کتنا اچھا ہے اشرف۔" اس نے تصویریں چارپائی پر بچھے گدے کے نیچے رکھتے

ہوئے سوچا۔

"ابھی تو ہماری شادی بھی نہیں ہوئی اور اس نے میرے لئے گھر بھی خرید لیا ہے۔"

☆☆☆

اماں دوا لے کر آ گئی تھیں، وہ رات کے انتظار میں بے چین ہو کر کروٹ پہ کروٹ بدل رہی تھی اور اماں سمجھ رہی تھیں اسے بخار چین نہیں لینے دے رہا، خدا خدا کر کے رات ہوئی، اشرف سے کوئی ٹائم سیٹ نہیں ہوا تھا، اس نے یہی کہا تھا کہ جیسے ہی موقع ملے گا وہ گھر سے نکل کر اسٹاپ پر آ جائے گی، اشرف نے یقین دلایا تھا کہ وہ سر شام سے ہی اسٹاپ پر موجود رہے گا، رات دبے پاؤں گزرتی جا رہی تھی، اماں اس کے ساتھ ہی سوتی تھیں۔

گرمیوں کے دن تھے ابا چھت پر سوئے تھے، جب اسے اماں کے گہری نیند میں سونے کا یقین ہو گیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کا دل آنے والے وقت کا سوچ کر گھبرا گیا۔

"یہ کیسی رخصتی ہے؟" اس کے آنسو نکل آئے، اس نے سوئی ہوئی اماں کے پیروں کو ہاتھ لگایا۔

"اماں مجھے معاف کر دینا۔" اس نے دل میں معافی مانگی، اماں اس کے پیروں کے چھوتے ہی بیدار ہو گئیں۔

"کیا ہوا کڑیے؟" وہ مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں مگر چونکہ اندھیرا بہت تھا اس لئے اماں کو اس کا صرف ہیولہ نظر آیا، اماں کو اٹھتا دیکھ کر وہ بدحواس سی ہو گئی۔

"یہ کیا کر بیٹھی میں؟" اس نے خود کو کوسا۔

"اماں دل بڑا گھبرا رہا ہے میں ذرا برآمدے میں بیٹھ جاؤں؟" اس نے آواز میں نقاہت سموئی۔

"ہاں ہاں جا بیٹھ جا۔" اماں نے کروٹ لے لی، وہ مطمئن ہو گئی، اس نے اطمینان سے کھونٹی سے چادر اتاری، ٹرنک کے پیچھے سے بیگ نکال کر آہستہ آہستہ باہر لے گئی، پھر چپ چاپ چارپائی کے نیچے سے چپلیں نکالیں اور ہاتھوں میں تھام کر باہر لے آئی، باہر آ کر اس نے اوپر چھت کی طرف دیکھا پھر دبے پاؤں سڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی، ابا بے خبر سو رہے تھے، وہ اسی طرح نیچے اتر آئی، چپلیں پہنیں، چادر اوڑھی، بیگ اٹھا کر گھر پر چاروں طرف ایک اداسی سی نظر ڈالی اور انتہائی آرام سے کنڈی کھول کر گھر سے نکل آئی اور دہلیز پار کرتے ہی ایک انجانے سے خوف نے اسے گھیر لیا، بے اختیار اس نے سوچا کہ واپس لوٹ جاؤں اس نے قدم واپس موڑے مگر پھر وہی شاندار اور یہ بڑا سا گھر اس کے سامنے آ گیا، حمیدہ کی باتیں اور سب سے بڑھ کر اشرف کی سحر انگیز شخصیت، وہ تیز تیز چل کر اسٹاپ پر پہنچ گئی، گاؤں کا بس اسٹاپ سنسان پڑا تھا، اس نے ادھر ادھر دیکھا کوئی بھی نہیں تھا، وہ ڈر گئی، بس اسٹاپ پر چھپر ڈالا ہوا تھا، دو بینچ تھے جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے ایک کا رخ سڑک کی طرف تھا، دوسرے کا رخ اسٹاپ کی پچھلی طرف تھا، وہ پیچھے والے بینچ پر بیٹھ گئی۔

"نجانے اشرف کہاں رہ گیا۔" اس کے اندر ہول اٹھنے لگے۔

"اگر نہ آیا تو؟" وہ بینچ پر مزید نیچے ہو کر بیٹھ گئی، اگر گاؤں کے کسی شخص نے دیکھ لیا تو۔

ایک اور سوال دماغ میں کلبلایا اور تو کچھ نہ سوجھا بینچ سے نیچے اتر کر زمین پر بیٹھ گئی، اس طرح کہ غور سے دیکھنے پر ہی پتا چلتا کہ کوئی نیچے بیٹھا ہے۔

"ہاں اب ٹھیک ہے، اشرف جیسے ہی آئے

گا میں اٹھ جاؤں گی۔" تب ہی اسے کسی کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی، وہ ڈر کر مزید سمٹ گئی، آوازیں نزدیک آتی جا رہی تھیں، غور سے سننے پر پتہ چلا کہ تھانیدار اور ساتھ کوئی سپاہی ہے وہ اپنی جگہ پر مزید نیچے ہوگئی، مانو بینچ پر لیٹ ہی گئی، سپاہی نے دوسرے شخص کو تھانیدار جی کہہ کر مخاطب کیا تو اس کا خوف کے مارے دم نکلنے والا ہوگیا، وہ دونوں معمول کے گشت پر تھے، باتیں کرتے ہوئے کافی دور نکل گئے تھے، اس کا رکا سانس بحال ہوا، وہ تھوڑا سا سر اوپر کر کے دیکھنے لگی شاید اشرف آ رہا ہو، اچانک کسی کے بولنے کی آواز آئی اور وہ پھر دبک گئی۔

اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور گہری سانس لی، کیونکہ وہ باتیں کر رہا تھا، آنے والا اکیلا نہیں اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے، رضیہ دبکی پڑی تھی، وہ شخص باتیں کرتا کرتا بینچ پر آ بیٹھا، بینچ کی دوسری طرف وہ زمین سے چپکی پڑی تھی، زمین نے ماں کی طرح اپنی چھاتی سے اسے لگا رکھا تھا، باتوں باتوں میں اپنا نام سن کر وہ چونک پڑی، وہ مزید غور سے اس کی باتیں سنتی جا رہی تھی، جیسے جیسے وہ باتیں سن رہی تھی ایک پردہ سا تھا جو اس کے آگے سے چھٹتا جا رہا تھا، اس کی باتیں سمجھ کر اسے کے جسم سے ٹھنڈے پانی کا پسینہ پھوٹ پڑا، خوف کے مارے اس کے رونگھٹے کھڑے ہوگئے۔

"یہ میں نے کیا کر دیا۔" وہ مزید نیچے ہو گئی۔

"یا اللہ میری حفاظت فرمانا۔" اس نے اپنی چادر کا کونہ منہ میں ٹھونس لیا، مبادا چیخ ہی نہ نکل جائے۔

"اماں میں کیا کروں۔" اسے بے اختیار اماں یاد آئیں۔

"اماں...... ں...... ں۔" اس کے دل سے بے ساختہ صدا بلند ہوئی، ادھر گھر میں اماں ایک دم اٹھ بیٹھیں، شاید کوئی خواب دیکھا تھا۔

"رضیہ......!" انہوں نے پکارا، اس کی طرف سے جب جواب نہ ملا تو اٹھ کر اس کی چارپائی تک آئیں۔

"پتر رضیہ!" انہوں نے اندھیرے میں اس کا بستر ٹٹول کر دیکھا، بستر خالی تھا۔

"جھلی نہ ہووے تے۔" وہ باہر کی طرف لپکیں۔

"ابھی تک باہر صحن میں بیٹھی ہے۔" صحن میں انہوں نے چاروں طرف دیکھا، رضیہ کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

"ہائے میں مر گئی۔" یکدم ان کی نظر صحن کے دروازے پر پڑی، وہ دھک سے رہ گئیں، دروازہ کھلا ہوا تھا۔

وہ دل پر ہاتھ رکھ کر وہیں بیٹھ گئیں، مگر سمجھدار تھیں اس لئے شور نہیں کیا، آنسو امڈ امڈ کر آ رہے تھے، نجانے کیسے ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں، اندر کمرے میں آ کر انہوں نے بلب جلایا اور اس کا بستر الٹ پلٹ کر دیکھنے لگیں تب ہی گدے کے نیچے سے کچھ تصویریں ہاتھ لگیں، کسی گھر کی تصویریں تھیں وہ تصویریں جلدی جلدی دیکھنے لگیں، ایک تصویر کسی آدمی کی تھی، کوٹ پینٹ پہنے ہوئے وہ شخص انہیں اپنے گاؤں کا ہرگز نہیں لگا، اچانک ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے ان کے دل میں آیا، انہوں نے تصویریں گدے کے نیچے واپس رکھیں اور امام صاحب کی الماری کی طرف لپکیں، جلدی جلدی انہوں نے پلاسٹک کا لفافہ نکالا، کپڑے کی تہہ خالی دیکھ کر ان کی جان نکل گئی، ہاتھ پیر جیسے بے دم سے ہوگئے۔

"ہائے نی کملیے۔" وہ اپنی چارپائی پر آ

بیٹھیں۔

"یہ تو نے کیا کر دیا رضیہ، نی کیا کر دیا تو نے۔" انہوں نے سینے پر دو ہتڑ مارے۔

"ہائے میریا ربا، میری دھی تو بڑی سیدھی سادھی تھی، اسے تو گاؤں کے رستے بھی ٹھیک سے نہیں معلوم وہ ایسا کیسے کر بیٹھی میرے مالکا۔" ان کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں۔

"اب کیا ہوگا؟" ایک نیا خوف دامن گیر ہوگیا۔

"لوگوں کو کیا بتائیں گے؟ اپنی عزت کیسے بچائیں گے ربا۔"

"امام صاحب کو کیسے بتاؤں؟" وہ اٹھیں تاکہ چھت پر جا کر امام صاحب کو بتا سکیں کہ ان کی بے داغ زندگی کی داغدار صبح طلوع ہونے کو ہے۔

"نہیں نہیں۔" انہوں نے سر نفی میں ہلایا اور آسمان کی طرف منہ اونچا کیا۔

"بچا لے میرے مولا، ہماری عزت بچا لے، وہ نجانے کون ہے رضیہ کے ساتھ مخلص بھی ہے یا نہیں، ایسے واقعات میں عموماً لڑکیوں کے ساتھ بڑا برا سلوک ہوتا ہے نجانے میری بچی کیسے اس کے ہتھے چڑھ گئی، کیا میری رضیہ کے ساتھ بھی، نہیں نہیں میرے ربا، نہیں...... عزت تیرے ہاتھ، ذلت تیرے ہاتھ میریا مالکا، میں تجھ سے اپنی عزت کی طلبگار ہوں، ہمیں ذلیل ہونے سے بچا لے ربا بچا لے، میری رضیہ معصوم ہے، نفس کے جال میں پھنس گئی ہے، اسے معاف کر دے ربا معاف کر دے، اسے واپس پھیر دے میرے مولا، اس کے قدم موڑ دے ربا، تو...... تو جو چاہتا ہے کر دکھاتا ہے۔" ان کے آنسو بہے جا رہے تھے ٹانگوں کی جان نکلی جا رہی تھی، وہ امام صاحب کو اٹھانے کے لئے اوپر جانے کا ارادہ کرتی آگے بڑھیں تب ہی نظر نماز کی چوکی پر پڑی، ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح ان کے دماغ میں لپکا، اللہ کہتا ہے مجھ سے مانگو میں تمہاری پکار سنتا ہوں، وہ اوپر جانا بھول گئیں اور ذرا دیر بعد ہی وہ وضو کر کے مصلے پر آ کھڑی ہوئیں۔

"میں تیری بندی ہوں، تجھی سے مدد مانگتی ہوں۔" وہ گڑگڑا رہی تھیں۔

"ہاں مدد مانگنی ہے صرف اللہ سے، وہ دیتا ہے جو مانگو دیتا ہے۔"

"ایاک نعبدو ایاک نستعین۔" ان کی زبان مسلسل اک ہی ورد کئے جا رہی تھی۔

"ایاک نعبدو ایاک نستعین۔" ان کے آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے۔

"ایاک نعبد و ایاک نستعین۔" وہ سجدے میں کب گری تھیں، انہیں کچھ ہوش نہیں تھا، یاد تھا تو صرف اتنا کہ اپنے مالک کے آگے گڑگڑانا ہے اور اسی کے آگے جھولی پھیلانی ہے، وہ دیتا ہے، جو مانگو دیتا ہے اور انہوں نے اپنی لاڈلی بیٹی کی بحفاظت واپسی اپنے رب سے مانگی تھی۔

ان کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی تھیں، مگر وہ سجدے میں پڑے پڑے اپنے مالک کو پکارے جا رہی تھیں، لبوں پر ایک ہی ورد جاری تھا۔

"ایاک نعبدو ایاک نستعین۔"

☆☆☆

جونہی رضیہ کو کوئی شخص بس اسٹاپ کی طرف آتا دکھائی دیا، تو وہ جوش میں اٹھنے لگی یہ سمجھ کر کہ اشرف آ گیا ہے، مگر اسے لگا کہ وہ کسی سے باتیں کر رہا ہے، وہ پھر بیٹھ گئی، یہ سوچ کر کہ کوئی ایرا کا جان پہچان والا آدمی نہ ہو، اگر کسی نے اسے ابھی دیکھ لیا تو کل کے پکڑے جاتے ابھی یہیں دھر لئے جائیں گے، کیونکہ امام کرم الٰہی کی عزت

گاؤں کے چوہدریوں کی طرح کی جاتی تھی، وہ دبک کے بیٹھ گئی، اشرف موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا، باتوں کے دوران وہ بینچ پر آ بیٹھا، وہ خاموشی سے سننے لگی یہ سمجھ کر کہ اس کے ساتھ کوئی آدمی ہے جس سے وہ باتیں کر رہا ہے۔

''ہاں ہاں بائی جی، گھبرایا نہ کرو۔''

''بائی جی۔'' وہ چونک پڑی، بائی جی تو غلط کام کرنے والی عورتوں کے لئے بولا جاتا ہے، اس نے کئی ڈراموں میں بائی جی کا لفظ سنا تھا، وہ کان لگا کر سننے لگی۔

''لڑکی نکال کر لانا کوئی آسان کام نہیں ہے، سو جتن کرنے پڑتے ہیں۔'' اشرف نے بینچ سے ٹیک لگا لی۔

''کوشش کر تو رہا ہوں، وہ الو کی پٹھی ابھی تک بس اسٹاپ نہیں پہنچی، یہاں بیٹھا خوار ہو رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے نجانے کیا کہا گیا رضیہ کو اندازہ نہیں ہو سکا۔

''ہاں ہاں سب انتظام مکمل ہے، گاڑی تیار ہے، جھورے کو میں نے ریڈی رکھا ہوا ہے، رضیہ جیسے ہی آتی ہے پھر نکلتے ہیں۔'' رضیہ کے جسم سے ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا، اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''اور بات سن لو بائی جی، پچھلے ریٹ پر سودا نہیں ہو گا، اس لڑکی پر میرا بڑا مال لگا ہے۔'' رضیہ کا جسم کانپنے لگا۔

''نہیں نہیں بائی جی۔'' اشرف نے دوسری طرف کی بات سن کر کہا۔

''لڑکی لڑکی میں فرق ہوتا ہے، دیکھو گی تو پھڑک اٹھو گی، ہیرا ہے ہیرا، امام کرم الٰہی کی گدڑی کا لعل نکال کر لا رہا ہوں، پہلے دن ہی دیکھنا بازار میں ہلچل مچا جائے گی، پھر جو تیرے چوبارے کا رستہ بھول گئے ہیں وہ بھی تیری سیڑھیاں بے اختیار چڑھیں گے، پورے بازار میں رضیہ جیسا مکمل حسن نہیں ملے گا۔'' اشرف پوری ترنگ میں تھا، جب ہی بولے جا رہا تھا، دوسری طرف رضیہ اب تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''یا اللہ یہ میں نے کیا کر دیا، ابا کا گھر کتنا محفوظ ہے، یا اللہ میری حفاظت فرما، میرے مالک میری خطا کو بخش دے، میری غلطی معاف فرما دے، تو...... تو معاف کرنے والا ہے، مجھے کسی طرح گھر پہنچا دے۔'' بے اختیار اس کا دل خدا کو پکار رہا تھا۔

''میں کیا کروں، یہ میں نے کیا کیا، اب یہاں سے کیسے نکلوں گی، یہ اشرف مجھے بھاگنے تھوڑی دے گا۔'' خوف سے اس کا جسم کانپنے لگا، اس نے اپنی چادر کا کونہ اپنے منہ میں ٹھونس لیا، کہیں خوفزدہ ہو کر چیخ ہی نہ پڑے۔

''اماں!'' بے اختیار اس کے دل سے صدا بلند ہوئی۔

''ابا کہتے تھے کہ ماں کی دعا اولاد کے حق میں اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے، ابا نے ایک بار اسے بتایا تھا کہ جب حضرت موسیٰ کی والدہ انتقال کر گئیں تو اللہ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا تھا، ''اے موسیٰ اب سنبھل کر قدم اٹھانا کیونکہ تیرے لئے دعا کرنے والی ماں اب نہیں ہے۔'' ایک دن اماں نے کسی بات پر ڈانٹ دیا تو وہ اماں سے ناراض ہو گئی، تب ابا نے حضرت موسیٰ کا واقعہ سنایا تھا۔

''مگر اماں تو سو رہی ہوں گی۔'' اشرف باتوں میں مگن تھا، رضیہ کی آنکھوں سے آبشار بہہ رہا تھا، وہ تو منہ میں چادر کا کونہ ٹھونسا ہوا تھا ورنہ سسکیاں بھی سنائی دیتیں۔

''اب کیا کروں، یا اللہ بچا لے، بچا لے میرے اللہ، میری مدد کر، میں تیری بندی ہوں، گنہگار ہوں مگر تو تو غفار ہے تو تو رحیم ہے رحمت فرما، تو کریم ہے کرم فرما دے، مجھے اشرف کے چنگل سے نجات دلا دے۔'' وہ زمین سے چپکی ہوئی اللہ کو پکارے جا رہی تھی۔

''ہاں بابا ہاں، اب میرا دماغ نہ کھاؤ، کل مال تمہارے پاس ہو گا، تم بس میرا مال تیار رکھنا، جتنی رقم میں نے بتائی ہے اس سے نہ ایک پیسہ کم نہ زیادہ۔''

☆☆☆

ایاک نعبد وایاک نستعین، اماں سجدے میں تھیں۔

''سمجھا کرو بائی جی، اس رقم کو کم نہیں کر سکتا کتنے ہی لوگوں کو حصہ دینا ہے، وہ سب سے بڑی تو حصہ دار حمیدہ ہے۔'' رضیہ کا جسم سن ہو گیا۔

''حمیدہ بھی شامل ہے اس گھناؤنے کاروبار میں۔'' اس کا جی چاہا حمیدہ سامنے ہو اور وہ اس کا منہ نوچ لے۔

''اس ہاتھ مال لینا اور اس ہاتھ مال دینا۔''

''ایاک نعبد وایاک نستعین۔'' اماں کے لب مسلسل ہل رہے تھے۔

نجانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا جو اشرف نے زوردار قہقہہ لگایا اور فون آف کر دیا۔

''نجانے یہ رضیہ کہاں رہ گئی۔'' وہ بڑبڑایا۔

''ایاک نعبد وایاک نستعین۔'' اماں مسلسل ورد کیے جا رہی تھیں۔

اشرف فون کے نمبر پش کرنے لگا۔

''ہاں یار سب ٹھیک ہے نہ۔'' رابطہ ہوتے ہی وہ بولا۔

''ایاک نعبد وایاک نستعین۔'' اماں اپنے مالک کو پکارے جا رہی تھیں۔

''گاڑی تیار ہے، ٹھیک ہے، بس چھورے زیادہ دیر نہیں بس آتی ہی ہو گی۔''

ٹھیک اسی لمحے دونوں پولیس والے ادھر دوبارہ آ نکلے، اشرف بینچ سے ٹیک لگائے باتیں کیے جا رہا تھا، رضیہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''اللہ پاک صرف ایک بار، بس ایک بار، گھر پہنچا دے۔'' اس کا دل کسی پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

''ایاک نعبد وایاک نستعین۔'' اماں کی ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔

''ہاں ہاں یار، کلوروفام والا رومال میری جیب میں ہے۔'' اشرف کی آواز سنائی دی اور یکایک رحمت خداوندی کو جوش آیا، گزرتے ہوئے پولیس والوں کے کانوں میں کچھ اشرف کے الفاظ پڑ گئے، انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ایاک نعبد وایاک نستعین۔'' اماں گڑگڑا رہی تھیں۔

''اوئے کون سا کلوروفام والا رومال؟'' تھانیدار نے سپاہی کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا، وہ دونوں معمول کے گشت پر تھے، سپاہی نے کندھے اچکائے۔

''اوئے کھوتے کے پتر۔'' تھانیدار نے جھپٹ کر اشرف کی گدی پر ہاتھ جمایا، اشرف کے ہاتھ سے موبائل نکل کر دور جا گرا۔

''اوئے بولتا نہیں، کون سا رومال اور کیسا کلوروفام۔'' تھانیدار نے اشرف کی گردن دبوچ لی۔

''او جی سر جی، کون سا کلوروفام کیا کہہ رہے ہو آپ؟'' اشرف کراہا۔

''او جی، مجھے چھوڑیں تو سہی، میں شریف شہری ہوں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''اوئے غلام حسین۔'' رات کے سناٹے میں تھانیدار کی پاٹ دار آواز گونجی۔

"جی سر جی۔" سپاہی نے سعادتمندی سے جواب دیا۔

"اوئے اس الو کے پٹھے کی تلاشی لے، یہ کوئی کلوروفام والا رومال لے کر پھر رہا ہے۔" تھانیدار نے اشرف کے ایک اور ہاتھ جمایا۔

"سر جی آپ زیادتی کر رہے ہیں۔" اشرف منمنایا۔

"میں شریف شہری ہوں۔"

"اوئے شریف شہری، کلوروفام والا رومال لے کر نہیں پھرتے، تلاشی لے غلام حسین اس کی، بڑا آیا شریف شہری کا تایا۔"

تلاشی میں کلوروفام میں بھیگا ہوا رومال کے علاوہ اس کی جیب سے کچھ مقدار میں ہیروئن بھی برآمد ہوئی۔

"ایاک نعبد و ایاک نستعین۔" اماں زارو قطار روئے جا رہی تھیں۔

تھانیدار نے ہاتھ میں پکڑا ڈنڈا گھمایا۔

"اب بول اوئے شریف شہری۔" اس نے ایک زوردار ڈنڈا اس کے پہلو پر دے مارا اشرف چیخ پڑا۔

"اوئے یہ بتاؤ رات کے اس پہر اسٹاپ پر کیا کر رہا ہے تو۔" اچانک تھانیدار کو ایک اور خیال آیا۔

"او جی بس کا انتظار کر رہا تھا۔" اشرف کراہا۔

"اوئے کون سی بس۔" تھانیدار نے اس کی گردن دبوچی۔

"تجھے نہیں پتہ یہ گاؤں کا بس اسٹاپ ہے، یہاں رات کو کوئی بس نہیں آتی، اوئے غلام حسین۔" تھانیدار نے سپاہی کو پکارا۔

"حاضر سر جی۔" سپاہی نے فوراً ایڑھیاں بجا کر سلوٹ مارا۔

"اوئے مجھے تو کوئی اور ہی چکر لگ رہا ہے، پولیس موبائل بلا فوراً۔" تھانیدار نے دو ہاتھ اس کے اور رکھ کر جمائے۔

"او سر جی معاف کر دیں۔" اچانک ہی اشرف گڑگڑانے لگا۔

"او جی، معاملہ یہیں طے کر لیتیں ہیں او جی کچھ خدمت شدمت۔"

"اوئے چل تھانے۔" تھانیدار نے ڈنڈا گھمایا۔

"تھانے میں کروائیں گے کاکا ساری خدمتیں، ابھی تو ہمیں اپنی خدمت کر لینے دو۔" سپاہی نے اتنی دیر میں وائرلیس سے پولیس موبائل بلوائی تھی۔

"ایاک نعبد و ایاک نستعین۔" اماں سجدے میں گری ہوئی تھیں۔

ذرا دیر میں ہی پولیس وین آ موجود ہوئی، اشرف چیختا رہا مگر پولیس والے اسے مارتے ہوئے وین میں بٹھا کر لے گئے، رضیہ رونا دھونا بھول چکی تھی وہ زمین کے سینے سے لگی چپ چاپ قدرت کا تماشا دیکھ رہی تھی، جب اشرف کو گئے کچھ دیر ہو گئی تو رضیہ نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا، وہ آہستہ آہستہ اٹھی اور کھڑی ہو گئی، کچھ دیر بے یقینی سے ادھر ادھر دیکھتی رہی جب یقین ہو گیا کہ ادھر ادھر کوئی بھی نہیں ہے تو وہ بیگ سنبھال کر دو قدم آگے بڑھی اور گھر کی طرف قدم بڑھائے، کچھ دیر وہ آہستہ آہستہ چلتی گئی پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی گھر کی طرف بھاگی۔

"ایاک نعبد و ایاک نستعین۔" اماں روئے جا رہی تھیں۔

رضیہ اب دیوانہ وار بھاگ رہی تھی، وہ ہوش و حواس سے بے گانہ تھی۔

"ایاک نعبد و ایاک نستعین۔" اماں کا ورد

جاری تھا۔

رضیہ کے قدم خود بخود راستہ طے کر رہے تھے، میدان، بڑی بڑی گلیاں بل کھاتی کھیتوں کی پگڈنڈی، اس کے قدم خود بخود مڑ رہے تھے۔

"ایاک نعبد و ایاک نستعین۔" اماں اپنے مالک کو بے خود ہو کر پکارے جا رہی تھیں، رضیہ دوڑتی جا رہی تھی، اپنی گلی میں پیر رکھتے ہی اس کے پیروں میں بجلی بھر گئی، بھاگتے بھاگتے وہ اپنے دروازے تک آئی دروازہ کھلا تھا، دوڑتی ہوئی جو آئی تو دروازے کو تھام کر رکی، دروازہ تھامنے سے آہٹ پیدا ہوئی۔

"ایاک نعبد و ایاک نستعین۔"

"ایاک نعبد و ایاک نستعین۔"

آہٹ سنتے ہی اماں نے تڑپ کر سجدے سے سر اٹھایا، سامنے جو نظر گئی تو صحن کے دروازے کے بیچوں بیچ رضیہ کھڑی تھی۔

"رضیہ!" اماں تڑپ کر اٹھیں، معجزہ ہو گیا تھا۔

"اماں!" رضیہ کے رکے ہوئے پیروں میں بجلی بھر گئی، دوڑ کر اماں سے لپٹ گئی، اماں کے سینے سے لگتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اماں بھی زارو قطار رو رہی تھیں اسے چومتی جاتی تھیں روتی جاتی تھیں۔

"مجھے معاف کر دو اماں۔" وہ ہچکیوں کے درمیان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہہ رہی تھی۔

"اماں بس ایک بار معاف کر دو۔" اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"اماں جہاں کہو گی میں شادی کر لوں گی، بس اماں ایک دفعہ، معاف کر دو۔"

"معافی مجھ سے نہیں کملیے، اس سوہنڑی ذات سے مانگ جو ہمیں تحفظ دیتا ہے، ہماری حفاظت کرتا ہے، ہماری خطاؤں کو معاف کرتا ہے۔" اماں ایک جذب کی کیفیت میں بول رہی تھیں، انہوں نے آہستگی سے اسے خود سے علیحدہ کیا اور کھلے دروازے کی طرف بڑھ گئیں، دروازہ بند کر کے رضیہ کی طرف دوبارہ آئیں، بیگ لے کر رکھا، رضیہ پھر ان سے چمٹ گئی، اس کا جسم ابھی تک تھر تھر کانپ رہا تھا، وہ پھر ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"او کیا ہوا؟ رضیہ کی اماں؟" اچانک اوپر چھت سے امام کرم الہٰی کی آواز آئی، یقیناً رضیہ کی گریہ زاری کی آواز امام صاحب تک پہنچ گئی تھی، رضیہ باپ کی آواز سنتے ہی رونا بھول گئی اور خوفزدہ نظروں سے اماں کو دیکھا۔

"اب کیا ہو گا اماں؟" وہ بمشکل بول پائی۔

"کچھ نہیں رضیہ کے ابا۔" اماں ہولے سے مسکرائیں انہوں نے ہاتھ بڑھا کر رضیہ کو لپٹا لیا۔

"رضیہ کا بخار گیا ہے، صبح دم کر دینا۔" انہوں نے چھت کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" امام صاحب کی آواز سنائی دی۔

اماں نے رضیہ کو ہولے سے علیحدہ کیا اور صحن کے بیچ لگے نل سے وضو کرنے لگیں، انہیں اس مالک کا شکر ادا کرنا تھا جو غفور الرحیم ہے، بندے کے گناہ بخش کر اپنی رحم کی چادر اس پر ڈال دیتا ہے۔

وہ مالک سمیع البصیر ہے اسے جب پکارو وہ سنتا ہے، بے شک ہم سب اسی کے بندے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔

رضیہ نے اماں کو وضو کرتے دیکھا تو وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر وضو کرنے لگی، آخر سجدہ شکر تو اس پر بھی واجب تھا۔

☆☆☆

سائرہ غفار

محبتیں امر بیل کی طرح ہوتی ہیں ہمیشہ مہکتی کھلتی رہتی ہیں، سدا بہار ہوتی ہیں ہر موسم میں پھول کھلاتی ہیں، خزاں کے اجاڑ راستوں میں بکھرے پتوں سے بھی محبتوں کے موسم میں خوشبو آتی محسوس ہوتی ہے، محبت دل سے نکلتی ہوئی ایسی صدا ہے جو سدا سننے والے کے کان میں رس گھولتی ہے، محبت ایک ایسا دریا ہے جو کبھی کسی بارش کا محتاج نہیں رہتا بس ایک ہلکی سی بوندا باندی بھی اسے پانی سے لبالب بھر سکتی ہے، محبت اس خوش رنگ خوش گلو پرندے کی طرح ہوتی ہے جو اپنی مدھر بھری بولی میں راگ الاپ کر سب کو سر دھننے پر مجبور کر دیتی ہے، محبت...... محبت...... محبت...... محبت کسی سے بھی ہو سکتی ہے ...... کبھی بھی...... کہیں بھی...... انسان سے...... جانور سے...... کسی یتیم بچے کی دھیمی سی مسکان سے، کسی ماں کے ممتا بھرے لمس سے، محبت کسی بات کے دست شفقت سے بھی ہو سکتی ہے، محبت کسی موسم سے، رنگ سے، خوشبو سے گیت سے غزل سے کسی کھانے سے کسی میخانے سے کسی جام یا پیمانے سے بھی ہو سکتی ہے، محبت کہیں بھی چھپتی ہو، کسی روپ میں بھی جھلکتی ہو، کسی کی بھی بانہوں میں بہکتی ہو، کسی کی بھی طرف چمکتی ہو، مگر یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اگر انسان اپنے رب سے اپنے خالق سے محبت کرتا ہے تبھی وہ اس رب کائنات کے بنائے گئے اس خوبصورت جذبے کو سچے دل سے قدر کر سکتا ہے، محبت امر بیل ہوتی ہے، ہمیشہ زندہ رہتی ہے، اس کے اظہار کے اقرار کے انداز بدل جاتے ہیں مگر جذبے کی صداقت میں رتی برابر بھی فرق نہیں آتا، محبتوں کے گلاب ہر موسم میں اور ہر رنگ میں کھلتے ہیں اور ہر کسی کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، وہ بھی ایسی ہی تھی اسے بولتی کتابوں سے محبت ہو گئی تھی، وہ ان سے باتیں کرتی تھی، ان کی باتیں سنتی تھی، انہیں محسوس کرتی تھی، وہ ام ہانی نواب، کتابوں کی دیوانی تھی، نت نئی کتابیں پڑھنا اور ان کو سینت سینت کر سنبھال سنبھال کر رکھنا اس کا سب سے محبوب مشغلہ تھا، ام ہانی نواب کی محبت بھی امر بیل کی مانند تھی ہر وقت ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی اور اس کے خواب بھی اسی قدر بڑھتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

"یہ تم کیا پڑھ رہی ہو؟" زارا نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

اخبار میں "بچوں کا صفحہ ہے وہ پڑھ رہی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا لطیفے پڑھ رہی ہو جو اس قدر مسکرا رہی ہو؟" زارا نے تعجب سے پوچھا، وہ ایک دم جھینپ گئی۔

"وہ...... دراصل...... آج میری پہلی کہانی چھپی ہے اس لئے مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔" اسے یہ بتاتے ہوئے ایک دم سے بہت زیادہ جوش اور خوشی سی محسوس ہوئی۔

"ارے واہ...... کہاں یار؟ دکھاؤ ناں۔" زارا نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا، زارا نہ صرف خود وہ کہانی دیکھی اور پڑھی اور بلکہ ساری کلاس کو بھی دکھائی اور پڑھائی سبھی نے اسے بہت سراہا، زارا نے جوش دوستی میں آ کر تمام استانیوں کو بھی اس کی کاوش دکھائی وہ سب بھی بہت زیادہ خوش تھیں کہ ان کی شاگردہ اس قدر قابل ہے کہ اخبار میں اس کی لکھی ہوئی کہانی شائع ہوئی ہے۔

وہ بھی بہت زیادہ خوش تھی، اتنی کہ زمین

پہ اس کے پاؤں نہیں ٹک رہے تھے، لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی یہ خوشی لحاتی ہے، وہ گھر پہنچی اور اس کے خوابوں کی محل کی جو پہلی اینٹ بنیاد کے طور پر اس نے اپنے ہاتھوں سے رکھی تھی، وہ بابا سائیں اور ادا سائیں کی ڈانٹ کی گھن گھرجتی توپوں کی بدولت اسی دن ڈھے گئی۔

اس کی چچا زاد مومل اس کے ساتھ ہی اسکول میں پڑھتی تھی، وہ گھر آتے ہی چیخ چیخ کر سب کو بتانے لگی۔

''بابا سائیں...... چاچا سائیں...... اماں سائیں...... احمد...... سہیل...... ناجیہ...... نویرا...... سی...... جلدی آؤ سب، ارے بابا سب لوگ خوشخبری سنو خوشخبری۔'' مومل کے جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے سب اس سے پوچھنے لگے۔

''ارے کیا ہو گیا، کیوں حویلی کو سر پر اٹھا رکھا ہے۔'' بابا سائیں صوفے پہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''سب خیریت ہے ناں؟ کہیں پیپروں میں پاس تو نہیں ہو گئیں۔'' ادا سائیں کو مذاق کی عادت تھی مگر وہ غصے کے بھی بہت زیادہ تیز تھے۔

''اوہو جلدی بتا چھوکری میں رلی چھوڑ آئی ہوں۔'' چاچی سائیں بہت مصروف رہا کرتی تھیں۔

''ارے رکو رکو بتاتی ہوں، ہماری ام ہانی کی کہانی اخبار میں شائع ہوئی ہے۔'' مومل نے مسکراتے ہوئے اخبار لہرایا تو ادا سائیں نے فوراً اخبار جھپٹ لیا، بابا سائیں صوفے پر سے جھٹکے سے کھڑے ہو گئے، چاچی سائیں اور اماں سائیں کا چہرہ فق ہو گیا، بچوں نے مسکرا کر خوشی کا اظہار کیا بڑوں کے چہروں کے تاثرات ایکدم ہی بدل گئے تھے، طوفان سے پہلے کی خاموشی ہال کمرے میں چھا گئی تھی، ام ہانی نواب کا نام اخبار میں پڑھ کر ادا سائیں نے غصے کے مارے اخبار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ام ہانی کا خون ادا سائیں کے تیور دیکھ کر ہی خشک ہو گیا۔

''تجھے اس لئے سکول بھیجا تھا بول؟'' ادا سائیں غیظ و غضب کی تصویر بن گئے، دس سالہ ام ہانی کا نرم و نازک بازو ادا سائیں کی مضبوط گرفت میں تھا اور وہ جیسے رگوں میں خون خشک ہو جانے کی وجہ سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادا سائیں کو دیکھتے دیکھتے حیرت کا بت بن چکی تھی، کہاں اسکول میں اسے ہر طرف سے شاباشی مل رہی تھی اور کہاں یہ عالم کہ گھر میں اسے لعنت و ملامت، ڈانٹ و پھٹکار مل رہی تھی۔

''کیا زمانہ آ گیا ہے، اب اس حویلی کی بہو بیٹیوں کا نام اخباروں کی زینت بنے گا، اف میرے خدا، یہ دن بھی دیکھنا باقی تھا۔'' بابا سائیں رنج و الم کی تصویر بنے بیٹھے تھے، ام ہانی کا خون خشک ہو چکا تھا، اسے اماں سائیں کے حوالے کر کے ادا سائیں نے درشت لہجے میں حکم صادر کیا۔

''اماں سائیں! ام ہانی کا کل سے اسکول جانا بند ہے، اسے اچھی طرح سمجھا دیں کہ حویلی کی عورتیں کتنی غیور ہوتی ہیں۔'' ادا سائیں نے وہاں سے جاتے جاتے ایسی قہر بار نظروں سے ام ہانی کو دیکھا کہ وہ کانپ کر رہ گئی۔

اماں سائیں نے اس کی کلائی تھامتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''چلو۔'' تو بابا سائیں کی گرج دار آواز نے ان کو رکنے پہ مجبور کر دیا۔

''زلیخا! دو دن تک ام ہانی کا کھانا پینا بند رہنا چاہیے، جن بچیوں پہ بے جا نرمی کی جاتی ہے وہ باغی ہو کر عزت کا جنازہ نکال دیتی ہیں، میں بالکل نہ سنوں کہ ہمارے گھر کی عورتیں کسی قسم کی بغاوت کریں، مجھے لفظ بغاوت سے نفرت ہے۔'' بابا سائیں کے پھنکارتے لہجے سے ام ہانی بری طرح ٹوٹ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ بند کمرے میں پچھلے کئی گھنٹوں سے بند تھی اور اس سونے کے پنجرے میں اس کا دم گھٹ رہا تھا، بھوک و پیاس کے سبب وہ نڈھال ہو رہی تھی، تھی تو معصوم بچی ہی ناں، اچانک اس کے کانوں سے احمد، سہیل، ناجیہ، نویرا، سی اور مومل کے کھیلنے کی آواز ٹکرائی۔

''ہرا سمندر، گوپی چندر، بول میری مچھلی کتنا پانی۔'' اس نے دھیرے دھیرے اپنے وجود میں موجود بچی کچھی توانائی کر یکجا کر کے اردگرد بکھرے اپنے وجود کے ٹکڑے جمع کیے اور کھڑکی سے کھڑے ہو کر باہر جھانکنے لگی، احمد، سہیل، ناجیہ، نویرا، سی اور مومل سب ہنسی خوشی بچپن کے رنگوں میں مگن کھیل کود میں منہمک تھے، ان میں سے کسی کو بھی وہ یاد نہیں تھی، وہ ام ہانی جو ان کے بچپن کے کسی بھی کھیل میں بھی ان کے ساتھ شامل نہیں رہی تھی تو اب بھلا اچانک ان کو یاد آ بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ سارا بچوں کا ٹولہ جب بھی کسی شرارت یا کھیل میں مصروف ہوتا ام ہانی ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب پڑھتی نظر آتی، سب اسے بہت کہتے تھے کہ ہمارے ساتھ کھیلو مگر وہ کتابوں کی دیوانی، لفظوں کی عقیدت و محبت میں اس بری طرح سے غرق رہتی تھی کہ اسے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہتا تھا، جبھی اس کی صحت باقی سب بچوں کے مقابلے میں کم تھی، مگر اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی وہ اپنی کتابوں کے ساتھ خوش رہتی تھی۔

ادا سائیں اور بابا سائیں اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ اس کے لئے رنگ برنگی کتابوں کے انبار لایا کرتے تھے، مگر اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس قدر غیرت کا مظاہرہ کریں گے، سوچتے سوچتے اب ام ہانی کے اعصاب شل ہو چکے تھے اس لئے وہ دھیرے سے سرک کر اپنے بستر تک آئی اور فوراً سے اس پہ گرتے ہی ڈھیر ہو گئی، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے کے بعد اسے بالکل ہوش نہیں رہا کہ وہ کہاں ہے۔

☆☆☆

دو دن بعد اس کی آنکھ کھلی تھی، اماں سائیں اس کے سرہانے موجود تھیں، اس کے ایک بازو پہ ڈرپ چڑھی ہوئی تھی، نقاہت کے مارے اس سے آنکھیں بھی نہیں کھولی جا رہی تھیں، اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی، اسکی آنکھوں کے گرد پھر سے اندھیرا چھانے لگا۔

دوسری بار جب اس کی آنکھ کھلی، اس نے اپنے اندر کچھ توانائی محسوس کی، اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی، اماں سائیں اس کے سرہانے بیٹھی تھیں اور مسلسل تسبیح کے دانے گرائے جا رہی تھیں، چاچی سائیں اور ادا سائیں سامنے کھڑے کچھ باتیں کر رہے تھے، ادا سائیں کے چہرے پہ فکر مندی کے آثار تھے، جبکہ چاچی سائیں ان کو کچھ دھیرے دھیرے سے

سمجھا رہی تھیں، بابا سائیں آرام دہ کرسی پہ بیٹھے اخبار کی ورق گردانی کر رہے تھے، اس نے تھکے تھکے انداز میں سوچا۔

"ہونہہ آئے میری فکر کرنے والے۔"

اس نے دھیرے سے آنکھیں موند لیں، اسی لمحے اماں سائیں کی نظر اس پہ پڑی اور انہوں نے اس کے سر کو نرمی سے سہلاتے ہوئے اسے پکارا۔

"ام ہانی...... ہانی...... دھی رانی...... آنکھیں کھولو بیٹا جانی۔" اماں سائیں کے پر حدت لمس کی وجہ سے اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں تو اماں سائیں نے اس کے ہاتھ کی پشت چوم لی، وہ خاموش رہی اس کے ساکت وجامد وجود میں صرف آنکھیں ہی تھیں جو حرکت کر رہی تھیں، ادا سائیں اور چاچی سائیں بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، بابا سائیں بھی اخبار کے پیچھے سے کرسی روک کر اسے دیکھ رہے تھے۔

"ہونہہ! سب اداکار ہیں، منجھے ہوئے اداکار۔" ام ہانی کے ننھے سے ذہن نے ایک بار پھر اسے خود پہ بیتنے والا ظلم یاد دلایا، اس نے پھر سے آنکھیں موند لیں، اب وہ سکون محسوس کر رہی تھی، اماں سائیں کے لمس نے اسے بہت ہمت دلائی تھی۔

☆☆☆

اماں سائیں کی مستقل دیکھ بھال کی بدولت وہ بہت تیزی سے صحت یاب ہو رہی تھی، دو ہفتوں بعد وہ بالکل ٹھیک تھی مگر خود پہ ہونے والے ظلم کو وہ کسی بھی طرح بھول نہیں پا رہی تھی، اسے ادا سائیں اور بابا سائیں کا چہرہ دیکھتے ہی وہ دو اذیت ناک دن یاد آتا جب اس کی ننھی سی جان پہ قیامت ڈھائی گئی، نہ آسمان رویا نہ اس کی حالت زار پہ زمین کانپی مگر اس کے وجود کے اس کی ذات کے پرخچے اڑا دیئے گئے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، اس کے ننھے سے ذہن میں جوار بھاٹا ابل رہا تھا، مگر وہ اپنے جذبات کا اظہار کسی کے بھی سامنے نہیں کر سکتی تھی کیونکہ پھر سے سزا ملنے کا اندیشہ تھا، سو وہ چپ رہی، مگر کب تک آخر ایک دن اس نے سب باتیں کہہ ڈالیں، اس کی کاپی کے صفحے سیاہ ہو گئے اور اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

☆☆☆

"وہ آئندہ ایسا کچھ بھی نہیں کرے گی ادا سائیں، میں گارنٹی دیتا ہوں۔" چاچا سائیں، بابا سائیں کو منانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"بس میں نے ایک بار فیصلہ کر لیا تو کر لیا، اب میں اس کے متعلق ایک بھی بات نہیں کرنا چاہتا۔" بابا سائیں جوش کے مارے کھڑے ہو گئے، ان کے کلف لگے کرتے کی کھڑ کھڑ بھی رعب طاری کر رہی تھی۔

"ادا سائیں! اتنا غصہ ٹھیک نہیں ہے اور ام ہانی تو آپ کی سب سے پیاری والی سوہنی دھی ہے ناں، اس نے خود کہا ہے مجھے کہ وہ آئندہ لکھنے کے بارے میں سوچے گی بھی نہیں، آپ اسے ایک موقع تو دیجئے۔" چاچا سائیں کے لہجے میں التجا تھا، بابا سائیں سوچ میں پڑ گئے۔

"کیا تم گارنٹی لیتے ہو؟" بابا سائیں پر سوچ انداز میں مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے چاچا سائیں سے پوچھنے گے تو وہ جلدی سے بولے۔

"ہاؤ بابا بالکل، میں گارنٹی دیتا ہوں ادا سائیں، وہ میری بھی بیٹی ہے اور میرے سہیل

کی بچپن کی منگ ہے میں بھلا اپنی بیٹی کا برا کیوں سوچوں گا۔" چاچا سائیں کے لہجے میں یقین تھا۔

"آئندہ کبھی اگر اس نے بغاوت کی تو؟" بابا سائیں نے رعونت سے پوچھا

"تو آپ کا حکم حتمی اور آخری ہو گا، ایک موقع تو جانی دشمنوں کو بھی دیا جاتا ہے ادا سائیں۔" چاچا سائیں نے کاری ضرب لگائی اور بابا سائیں نے ام ہانی کو واپس اسکول بھیجنے کا فیصلہ صادر کر دیا۔

☆☆☆

ام ہانی کے پسماندہ گاؤں میں جس کی آبادی محض چند لاکھ پر مشتمل تھی، کئی اسکول تھے، جہاں لڑکوں کو میٹرک تک تعلیم دی جاتی تھی، جبکہ لڑکے میٹرک کے بعد اکثر قریبی شہر منتقل ہو جاتے تھے، جبکہ لڑکیوں کے لئے واحد اسکول تھا، جہاں انہیں آٹھویں تک تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے بعد ان کی شادیاں کر دی جاتی تھیں اور گھر بٹھا لیا جاتا تھا مگر آگے نہیں پڑھنے دیا جاتا تھا، ام ہانی کو پڑھنے لکھنے کا شوق تھا مگر وہ اپنا مستقبل خوب اچھی طرح سے جانتی تھی، اس لئے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کرتی تھی، چاچا سائیں اور چاچی سائیں کی محنت اور کاوش کی بدولت اسے اسکول جانے کی اجازت تو مل گئی تھی مگر اب اس پہ گہری نظر بھی رکھی جانے لگی تھی، ام ہانی نے جب دوبارہ سے اسکول آنا شروع کیا تو وہ اپنے حالات پہ غور کرنے لگی، اسے کہیں پڑھی ہوئی بات شدت سے یاد آئی۔

"انسان اپنے لفظوں کا غلام ہوتا ہے۔"

اسے شدت سے اپنی غلطی کا اندازہ ہوا نہ وہ زارا کو بتاتی نہ زارا کسی کو بتاتی نہ بات پھیلتی نہ اسے اتنی بری سزا ملتی، پس اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کبھی کسی کو اپنے متعلق کچھ نہیں بتائے گی، اپنے کام سے کام رکھے گی بس۔

☆☆☆

حویلی میں زندگی اپنے گھسے پٹے اصولوں پہ قائم طریقوں پہ کئی سالوں سے رواں دواں تھی، سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف زندگی کی گاڑی کو گھسیٹ رہے تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ام ہانی کا قلم سے رشتہ مزید مضبوط ہو گیا تھا، وہ نہ صرف اچھی طرح سے منجھے ہوئے لکھاری کی طرح قلم کا حق ادا کر رہی تھی بلکہ اپنے گاؤں کی جہالت میں ڈوبی ہوئی زندگی کو بھی جھنجھوڑنے کی کوشش کر رہی تھی، وہ اپنے قلمی نام "حوا آدم" سے مختلف اخبارات و رسائل میں لکھ رہی تھی اور خود کو پس پردہ رکھنے میں بھی کامیاب رہی تھی، انہی دنوں اس نے اپنے گاؤں کے وڈیرے سسٹم یعنی نواب خاندان کے متعلق کافی کچھ لکھ ڈالا تھا، آج ناشتے کی میز پر ادا سائیں اس کا لکھا کالم پڑھ کر کھول کر رہ گئے، انہوں نے غصے سے اخبار کے کئی ٹکڑے کر ڈالے، سبھی کی خوفزدہ سی نظریں ادا سائیں کی طرف اٹھیں۔

"کیا ہو گیا بابا؟" بابا سائیں نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بابا سائیں اس حوا آدم نے ناک میں دم کر رکھا ہے، آج پھر کالم لکھا ہے اور صاف صاف نام لکھا ہے نواب خاندان کا، اس کا کچھ کرنا پڑے گا بابا سائیں۔" ادا سائیں نے مٹھیاں بھینچیں، بابا سائیں نے کن اکھیوں سے ام ہانی نواب کی طرف دیکھا مگر وہ ناشتے میں مصروف تھی۔

''بابا سانول، تو کچھ کرو ناں؟ تمہیں کب سے پوچھنے کی عادت پڑ گئی ہے؟'' بابا سائیں نے ام ہانی کی طرف دیکھتے ہوئے ادا سائیں سے کہا۔
''کروں گا تو تب ناں بابا سائیں جب اس کا کچھ پتہ چلے گا۔'' ادا سائیں کے لہجے میں شکستگی تھی۔
''کیا مطلب؟'' بابا سائیں نے چونک کر ادا سائیں کی طرف دیکھا۔
''بابا سائیں حوا آدم ایک گمنام رائٹر ہے، وہ شاداب نگر گاؤں سے اپنے تمام خط پوسٹ کرتی رہی ہے، مگر اس کا ایڈریس کسی کے بھی پاس نہیں ہے، میں نے اسے ٹریس کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر ہر بار ناکام رہا ہوں۔'' ادا سائیں کے لہجے میں بے بسی اور شکست کا دکھ نمایاں تھا۔
''اوہ۔'' بابا سائیں کی نظریں ایک بار پھر بھٹک کر ام ہانی کی طرف چلی گئیں۔
''تو چپہ چپہ چھان مارتے ہیں شاداب نگر گاؤں کا۔'' بابا سائیں نے ادا سائیں کو کہا۔
''کر چکا ہوں، ہر وہ کام کر کے دیکھ چکا ہوں جس سے وہ حوا آدم میرے ہاتھ لگ جائے مگر......'' ادا سائیں دھیمے پڑتے پڑتے بالکل خاموش ہو گئے۔
''مگر ہاتھ نہیں آئی...... ہے ناں؟'' بابا سائیں کی نظریں مسلسل ام ہانی پہ ٹکی تھیں جو خود کو بالکل نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
''جی بابا سائیں۔'' ادا سائیں نے بالکل مریل لہجے میں اپنی ہار کا اعتراف کیا۔
''تو بابا پریشان کیوں ہوتے ہو، شاداب نگر گاؤں جاؤ اور وہاں کی سب چھوریوں کو اٹھا کر لے آؤ۔'' ام ہانی کا ہاتھ لرز کر رہ گیا، اس کے چہرے پہ پریشانی اور تفکر کے گہرے سائے تھے اور بابا سائیں یہ سب دیکھ کر مسکرا دیے، ادا سائیں نے بابا سائیں کی طرف دیکھا تو بابا سائیں سفاک لہجے میں بولے۔
''کہاں تک چھپ کر بیٹھے گی بابا، آخر کو اپنے بل سے باہر آ ہی جائے گی۔'' ادا سائیں نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر باہر جانے لگے، ام ہانی نے وزیدہ نظروں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

☆☆☆

''یہ آپ نے کیا غضب کر دیا ادا سائیں۔'' چاچا سائیں نے بابا سائیں کو دہائی دی۔
''انصاف۔'' بابا سائیں پرسکون لہجے میں بولے۔
''اب میں اپنے سہیل سے کیا کہوں گا، وہ کس قدر محبت کرتا تھا ام ہانی سے...... یہ آپ نے اچھا نہیں کیا ادا سائیں۔'' چاچا سائیں نے بھیگے لہجے میں کہا، اگلے ماہ ان دونوں کی شادی تھی۔
بابا سائیں کرسی پر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
''تمہیں یاد ہے وحید جب میں نے پہلی بار ام ہانی کو بغاوت کرنے پہ سزا دی تھی تو تم ہی اس کے وکیل بن کر میرے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے تھے، تب تمہیں یاد ہے کہ تم نے کیا کہا تھا؟''
''جی ادا سائیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے کیا کہا تھا۔'' چاچا سائیں کے لہجے میں شکستگی تھی۔
''بس میں نے اسی حق کو استعمال کرتے ہوئے اپنا حتمی اور آخری فیصلہ سنایا تھا اور اس پہ اب تک میرا ہونہار سپوت عملدر آمد بھی کر چکا ہو گا۔'' بابا سائیں کے لہجے میں رعونت تھی، وہ زمین پہ فرعون کی طرح اکڑ کر کھڑے تھے۔
''میرا سہیل تو مر جائے گا جب اسے یہ پتہ چلے گا کہ اس کی بچپن کی منگ اس کی محبت، اسکی ام ہانی کو کاروکاری میں اسی کے سگے بھائی نے مار ڈالا، میرا سہیل مر جائے گا، ادا سائیں۔'' چاچا سائیں نڈھال ہو کر زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔
''اگر سہیل غیرت مند ہوا تو کبھی بھی نہیں مرے گا، اس کی رگوں میں بھی نواب خاندان کا غیرت مند خون دوڑ رہا ہے، ام ہانی کے نام سے بھی وہ نفرت کرے گا، دیکھ لینا۔'' بابا سائیں کا غرور دیکھنے لائق تھا۔
''میں نے تجھے پہلے بھی بتایا تھا کہ مجھے لفظ بغاوت سے نفرت ہے، شدید نفرت۔'' بابا سائیں نے ام ہانی کے تصور سے مخاطب ہو کر کہا۔

☆☆☆

میں ام ہانی نواب۔
سونے کے پنجرے میں قید ہوں
سچ بولنے کی پاداش میں
نمک لگے زخموں سے چور چور ہوں
میرے پنجرے کی سبھی دیواریں
جہالت کے اندھیرے سے رنگی ہیں
میرے سونے کے پنجرے میں
امارت کا فانوس روشن ہے
مگر مجھے آسمان سے محبت ہے
مجھے اس سونے کے پنجرے سے نفرت ہے
کاش میں کوئی بھی ہوتی
میں ام ہانی نواب نہ ہوتی
میں کچھ بھی ہوتی
بس!
ام ہانی نواب نہ ہوتی
کاش کہ میں!
صرف!
ام ہانی ہوتی
بس!
نواب نہ ہوتی
کاش!
کہ میں......!!!

چاچا سائیں ام ہانی کی ڈائری میں لکھی نظم پڑھتے بے ساختہ رو پڑے، وہ پیاری سی گڑیا جیسی لڑکی منوں مٹی تلے کبھی نہ جاگنے والی نیند سو چکی تھی جس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ قلم کی حرمت جان گئی تھی اور اس کا حق ادا کرنا چاہا تھا۔

☆☆☆

کچھ ناگزیر وجوہات کی بناء پر سندس جبیں کا ناولٹ ''کاسہ دل'' شائع نہیں کیا جا رہا، ادارہ حنا قارئین سے معذرت خواں ہے۔

عتیقہ ملک

شدید گرمیوں کی حبس بھری دوپہر تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے لو کے تھپیڑوں نے چرند پرند سب کو نڈھال کر رکھا تھا۔ آج تو گویا موسم کی شدت نے فضا میں سکوت پیدا کر دیا تھا، خلاف معمول کئی دنوں سے چلتی لو نے بھی گویا کہیں دبک کر خاموشی کی چادر اوڑھ لی تھی۔ ایسے میں نوراں کو کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے برآمدے میں پڑی چارپائی پر آن بیٹھتی، پھر اٹھ کر کسی کام میں دھیان لگانے کی کوشش کرتی۔ اور چند لمحے گزار کر دیوار کے پاس بنے تنور پر قدم جما کر چاردیواری کے پار جھانکتی۔ اسے بے حد بے چینی سے عبدل کا انتظار تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کے اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کی بار بھی اس کی نظریں گاؤں کی طرف آنے والے راستے میں جا کر ناکام لوٹی تھیں۔ کسی ذی روح کا نام ونشان نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ نہر کنارے آم اور شہتوت کے درختوں کی لمبی قطاریں سایہ کیئے ہوئے تھیں۔ جہاں سردار کی بھینسیں جگالی کر رہی تھیں۔ فضا میں گرمی کے شرارے لپک رہے تھے۔ نوراں کے گھر کے صحن میں لگے جامن کے گھنے درختوں کی شاخوں میں گرمی سے پناہ ڈھونڈتی چڑیوں کی ہلکی سی چہچہاہٹ سنائی دیتی جو حوض کے گدلے پانی میں اٹھکیلیاں کرتی، نہاتیں اور پھر پھدک کر جامن کی گھنی شاخوں میں روپوش ہو جاتی۔ فضا کا سکوت لو کی خاموشی، چڑیوں کی کوک بھید بھری تھی۔ شاید کسی طوفان کا پیش خیمہ...... مگر کیسے؟ آسمان پر بادل کا ہلکا سا ٹکڑا بھی تو نہ تھا۔

کچی سڑک پر سردار کی جیپ دھوپ اڑاتی چلی آ رہی تھی۔ جس کو اس کا قابل اعتماد ملازم عبدل چلا رہا تھا۔ اچانک موڑ مڑنے پر بکریوں کا ایک ریوڑ سامنے آ گیا۔ گاڑی کی آواز سن کر لڑکی نے مڑ کر دیکھا اور تیزی سے بکریوں کو ہنکانے کی کوشش کی مگر اگلے ہی لمحے ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہ زمین پر بیٹھ چکی تھی۔ دوسری طرف جیپ رک گئی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیور باہر نکل آیا تھا۔

"ارے لڑکی یوں بیچ راستے پر کیوں راستہ روک کر بیٹھ گئی ہو؟" وہ قدرے ترشی سے اس کے قریب آ کر کہہ رہا تھا۔ جواباً لڑکی نے تکلیف کی شدت سے آنسو بھری آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا تو عبدل ٹھٹک گیا تھا۔

"اری رو کیوں رہی ہو؟" عبدل کے پوچھنے پر اس نے پاؤں ذرا سا اوپر کیا جہاں سے خون کی لکیر راستہ بناتی جا رہی تھی۔

"اوہ تیرے تو کانٹا چبھ گیا۔" اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے پاؤں کو ایک ہاتھ سے تھام کر ایک جھٹکے سے کیکر کا کانٹا باہر کھینچا تھا۔

"لے بھئی کانٹا تو نکل گیا، تو گھر جا کر...... بلکہ تیرے گھر جانے تک تو بہت سا خون نکل جائے گا۔" اس نے اس بات کی تردید کی اور جا کر گاڑی سے ایک ٹیوب اور کپڑا نکال لایا۔ لڑکی اب تک لڑکھڑاتی ہوئی درخت کے نیچے جا کر بیٹھ چکی تھی۔

"شکریہ چاچا تم بہت اچھے ہو۔" اس کے ہاتھ سے ٹیوب اور کپڑا لے کر بہت معصوم اور سادہ سے انداز میں کہا تو عبدل کی شاطر آنکھیں چمک اٹھیں اور چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"تم کون ہو؟" اگرچہ اسے سردار کے کام سے جانے کی جلدی تھی مگر وقت کے ضیاع کو خاطر میں لائے بغیر وہ فرحت سے پوچھ رہا تھا۔

"میرا نام نمی ہے اور میں شیرو کی بیٹی ہوں۔" اس کے بھیگے رخساروں پر اٹکے ہوئے آنسو شبنم کے شفاف قطروں کی مانند دمک رہے تھے۔

☆☆☆

"ارے پپو بات سن ذرا۔" نوراں نے باہر نکل کر ادھر ادھر کچھ تلاشنے کی کوشش کی۔ تبھی گلی میں جاتے ایک بچے کو پہچان کر آواز دی۔

"بولو باجی۔" پپو اس کے پاس آ گیا۔

"مجھے دکان سے تھوڑا سا سودا لا دے۔" نوراں نے کچھ چیزوں کے نام گنوا کر پیسے اس کے ہاتھ میں پکڑائے اور اندر پلٹنے کو تھی کہ اس کی نظر نہر کنارے بیٹھے عبدل پر پڑی جو نہ جانے کس شخص کے ساتھ اطمینان سے باتیں کر رہا تھا۔ ان دونوں سے کچھ فاصلے پر ایک سولہ سترہ سال کی لڑکی مسلسل بکریوں کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ کبھی درخت کے پتے توڑ توڑ کر ایک بکری کو کھلاتی کبھی دوسری کے پیچھے بھاگتی۔ چراگاہ کے دوسرے سرے پر سردار آفتاب خان کا کاما فضلو بھینسوں کو ہانکتا ہوا باڑے کی طرف جا رہا تھا۔ نہر کے پار سردار آفتاب کی شاندار حویلی بڑے کروفر کے ساتھ ایستادہ تھی۔ اس کی تو شان ہی پورے

گاؤں سے علیحدہ تھی۔ شاید اسی لیے گاؤں س ہٹ کر تعمیر کی گئی تھی۔

نوراں کا خاوند عبدل سردار کی زمینوں اور باڑے کا تمام تر حساب کتاب بھی رکھتا تھا۔ سردر کی چراگاہ میں گاؤں کا کوئی شخص عبدل کی اجازت کے بغیر جانور لے جانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اب نہ جانے یہ کون لڑکی تھی جو بے فکری سے بکریاں چرا رہی تھی اور مرد جس سے عبدل باتیں کر رہا تھا۔ نوراں سوچتے ہوئے اندر آ گئی تھی۔

''نوراں...... او...... نوراں ۔'' عبدل دروازے سے آواز لگاتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

''میں ادھر ہوں۔'' نوراں نے کچن کی اکلوتی کھڑکی سے جھانک کر جواب دیا۔

''آج دن کے کھانے پر دو پروہنے ہوں گے کھانا ذرا زیادہ پکا لینا۔'' عبدل نے اندر آ کر اسے بتایا۔

''کون پروہنے سائیں؟ کوئی نام تو ہو گا؟'' نوراں نے خوشگوار موڈ میں پوچھا۔

''بس تو کھانے پر خود ہی دیکھ لینا۔'' عبدل نے اسے مبہم سا جواب دے کر باہر چلا گیا۔

''بسم اللہ...... بسم اللہ۔''

''آ لالہ بیٹھ۔'' کافی دیر عبدل کی پکار پر نوراں نے دیکھا۔ وہی شخص جس سے عبدل ندی کنارے گپ لگا رہا تھا اور بکریاں چرانے والی لڑکی بھی گاؤں کے دوسری طرف رہنے والا شیر اور اس کی بیٹی مکھی جو پکھی واسوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے عبدل کے نئے پروہنے تھے۔ نوراں سوچ میں پڑ گئی۔

عبدل نوراں کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ خاص شوقین مزاج بیگھے بھر زمین کا مالک، ساتھ وہ سردار آفتاب کی زمینوں کا رکھوالا بھی تھا۔ اگر وہ شوقین مزاج تھا تو نواں بھی ایک عیش پرست عورت تھی۔ وہ کھانے پینے اور اڑانے کی شوقین تھی۔ ہر سال عبدل اپنی زمین کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا بیچا کرتا جسے کچھ وہ اپنے مشغلوں میں اڑا دیتا اور کچھ نوراں کے ہاتھ پر رکھ دیتا۔ جسے وہ بے دردی سے خرچ کرتی۔ ان کی شادی کو تیرہ سال گزرنے کے باوجود اولاد نہ ہو سکی اس کی وجہ سے عبدل نے ایک دو مرتبہ شادی کا پروگرام بھی بنایا مگر نوراں ٹانگ اڑا کر کام بگاڑ دیتی۔

''بے وقوف عورت میری بات سن۔'' چند دن تو نوراں مکھی اور شیرو کے ساتھ عبدل کی گاڑی چھنتے دیکھتی رہی۔ آخر اس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا جسے عبدل ٹھنڈا کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

''میں بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہوں تو کن چکروں میں ہے اور ان کمی کمین پکھی والوں کے ساتھ یارانے کیوں جوڑ رہا ہے۔ مگر میں تجھے ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی۔''

''بات سن میری۔'' عبدل نے جھٹکا دے کر اسے اپنی طرف موڑا تھا۔

''یہ جو مکھی ہے نا سونے کی مرغی ہمارے ہاتھ لگی ہے جسے بیچ کر اگلے کئی سال ہم عیش کر سکتے ہیں۔''

''کیا کہہ رہا ہے عبدل تو......؟'' نوراں مارے حیرت کے یک دم خاموش ہو گئی۔

''میں اس لڑکی کے نوٹ کھرے کرنا چاہتا ہوں۔'' عبدل نے دونوں انگلیوں اور انگوٹھے سے نوٹ کھرے گننے کا اشارہ دیا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ مزید حیران

ہوئی۔

''تو اس کی فکر نہ کر میں اس لڑکی کو ایسا چکر دوں گا اور تو نے بھی میری مدد کرنی ہے ورنہ ان پکھی والوں کو میں نے اپنے سر کیوں چڑھائے رکھتا۔ میرا اصل مقصد تو یہی تھا۔''

''پر یہ ہو گا کیسے؟''

''اس کا باپ ہر وقت اس کا سایہ بنا رہتا ہے۔ میں کسی دن موقع نکال کر اسے سیر کرانے کے بہانے سردار کی گڈی میں بٹھاؤں گا اور پھر وہ ہے نا جندرو کا پہلوان اس سے میں نے پہلے ہی بات کر رکھی ہے آگے کا کام وہ جانے ہمیں تو نوٹ مل جائیں گے نوٹ۔'' اس نے نوراں کو آنکھ ماری۔

''بڑا بدمعاش ہے تو۔'' نوراں اسے سراہ کر رہ گئی۔

''سب سے پہلے تو کونے والے کمرے کی چھت ڈال کر اس کا دروازہ باہر سے نکلوانا ہے اور ایک فریج، دوسرا رنگین ٹی وی، کپڑے دھونے والی مشین اور وہ جو مصالحہ کوٹنے والی مشین وہ منگواؤں گا۔''

☆☆☆

''عبدل مجھے چھ تولے کے کنگن لا کر دے۔'' نوراں اپنی ہمسائی جمیلہ کو خوشی خوشی بتا رہی تھی۔

''تم لوگوں کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے؟ عبدل نے کوئی ٹکڑا تو نہیں بیچا؟'' جمیلہ حیران ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''پیسے بہت جمیلہ بہن ...... اللہ دینے والا ہے، پیسے کی ہمیں ابھی تنگی نہیں رہی۔''

پھر وہ دن آ ہی گیا جس کا عبدل کو انتظار تھا۔ اور عبدل کے ساتھ ساتھ نوراں کو بھی۔

''نوراں بہن مکھی تو نہیں آئی اس طرف؟''

''نہ بھرا ایک دفعہ تجھے بتایا تو ہے میرے پاس بھلا اس کا کیا کام۔'' اب کی بار وہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑی تھی اور پڑوس کی چھت سے کپڑے اتارتی جمیلہ کو شیرو پر بڑا ہی ترس آیا۔ پتہ نہیں نوراں اسے کیا چکر دے رہی ہے حالانکہ اس نے خود مکھی کو عبدل کی گڈی میں سوار ہوتے دیکھا تھا۔

گھر کے اندر بے چینی سے انتظار کی کٹھن گھڑیوں کو کاٹتی نوراں سوچ رہی تھی۔ فریج، مصالحہ پیسنے والی مشین، دل والا لاکٹ اور اگر قیمت اچھی مل گئی تو وہ کنگن...... نہیں نہیں...... شہر جا کر عبدل کے ساتھ سوہنی سوہنی چیزیں خرید کر لاؤں گی۔

گاڑی کی آواز پر شیرو نے سر اٹھا کر دیکھا جہاں زرتار جوڑے میں سجی مکھی عبدل کا ہاتھ تھامے اتر رہی تھی۔ عبدل کا دوست جندرو کا پہلوان اس کی نظر شیرو پر پڑی تو اس نے شیرو کو اشارے سے پاس بلایا اور عبدل مکھی کے پیچھے ہی وہ دونوں بھی اندر داخل ہوئے۔

''دیکھ بھرا شیرو تیری بیٹی اب عبدل کی ووہٹی ہے۔ اگر تو اپنی عزت بچانا چاہتا ہے تو گاؤں والوں کو بتا دے کہ تو نے خود ان دونوں کی شادی کرائی ہے۔'' پہلوان کے الفاظ نوراں اور شیرو دونوں پر ہی بجلی بن کر گرے۔ مگر تھوڑی ہی دیر جب پہلوان نے نوٹوں کی ایک گڈی شیرو کی جیب میں زبردستی ڈالی تو اس کے حواس کچھ بحال ہونے لگے تھے۔

''مگر نوراں ...... جو کسی عزت اور حرمت کا سودا کر کے مطمئن اور آسودہ زندگی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ اس کی اپنی چھت اس کے سر پر آن پڑی تھی۔''

☆☆☆

کتاب نگر

راجہ گدھ

بانو قدسیہ

تبصرہ: سیمیں کرن

''راجہ گدھ'' میری ان پسندیدہ کتب و ناولز میں سے ہے جسے میں نے کئی بار پڑھا اور ہر بار کچھ نیا اخذ کیا، روحانیت فلسفہ و انسانی نفسیات کے نئے در وا ہوئے مجھ پر اور مجھے محسوس ہوا کہ ہاں یہ کچھ ایسا ہے جو پچھلی دفعہ چھوٹ گیا تھا۔''

سیمی شاہ، آفتاب، قیوم اور پروفیسر سہیل ناول کے ایسے کردار ہیں، بظاہر ناول اپنی سمت ابتدائی ابواب میں ہی طے کر کے چلتا ہے مگر تجسس مزید آگے جاننے کی لگن تادم آخر قائم رہتی ہے، ہر جملہ ہر فقرہ اپنے اندر دانش کے بے بہا آبگینے لیتے ہوئے ہے۔

ناول کا آغاز ایم اے کی کلاس سے ہوتا ہے پروفیسر سہیل جیسا فطین پروفیسر تعارفی مراحل سے گزر رہا ہے۔

''پروفیسر سہیل نے نئی کار جیسی اس لڑکی کی طرف نظریں اٹھا کر سوال کیا ''اپنا تعارف کرایئے'' چولستانی ہرنی اٹھی، اس نے کرسی پر ایسے بازو رکھا جیسے موٹر سائیکل کے سہارے کھڑی ہو۔

سر میرا نام سیمی شاہ ہے میں نے کینیرڈ کالج سے بی اے کیا ہے اور میرے سبجیکٹ سائیکولوجی اور ہسٹری تھے۔''

پھر پروفیسر سہیل ہے، اس کا تعارف کرانے کے لئے یہ جملے کافی ہیں۔

''بلیک بورڈ پر تصویر بنانے والا پروفیسر ہم سے بمشکل پانچ چھ سال بڑا تھا لیکن کہیں اس کے پاس ایک ایسا ہنٹر موجود تھا جو شیروں کو سدھانے والے استعمال کرتے ہیں اسے کبھی کورس پڑھانا نہ آیا، لیکن وہ ذہنوں کا جوڈو کھیلنا جانتا تھا، نظریات کی کشتی کرانا اس کا محبوب مشغلہ تھا اپنے شاگردوں کی کھوپڑیاں کھولنا اور خالی پا کر انہیں جوں کی توں بند کر دینا، اسے جی سے پسند تھا، سلی ہوئی زبانیں آزاد کرا کے طوطے کی طرح باتیں کرانا اور ریڈیو کی مسلسل زبان بولنے والوں کو چپ کرانے کا فن بھی صرف اسے آتا تھا۔''

وہ پروفیسر سہیل جو کہتا ہے۔

''میں عمر اور تجربے میں آپ لوگوں سے بہت زیادہ بڑا نہیں ہوں لیکن چونکہ میری شادی نہیں ہوئی اس لئے مجھے پیار کرنے کے لئے صرف کتابیں ملی ہیں، ابھی تک میرا Passion کتابیں ہیں۔''

اور پھر آفتاب بٹ تھا جو بقول قیوم کے۔

''اگر میں گھاس ہوں تو آفتاب پھول تھا، گورا چٹا کشمیری جس کی شربتی آنکھیں براؤن بال اور بڑی چوڑی چکلی کاٹھی تھی، اس میں قد سے لے کر رنگ تک باتوں سے لے کر خاموشی تک عادتوں سے لے کر جبلی سرشت تک وہ سب کچھ تھا جس سے لڑکیاں پیار کرتی ہیں، وہ اس قدر سیر چشم آدمی تھا کہ نہ اسے دولت کی بھوک تھی نہ محبت کی نہ وہ شہرت کی تلاش میں تھا نہ ترقی کی وہ ان تمام نعمتوں میں ہر وقت رہتا تھا۔''

اور پھر سیمی شاہ تھی گلیمر معاشرے کی پیداوار اک با اعتماد مغربی روایات کی عکاس مگر اک مضبوط سوچ کی مضبوط لڑکی اک مضبوط عورت تخلیق کرنے کے لئے بانو قدسیہ جیسا مضبوط دماغ ہی درکار ہے وہ عورت کہ زیادہ مظلوم نہیں پینٹ کرتیں بلکہ معاشرے کی نار واردی سے جبلت کی مختلف برتوں کو کھولتی چلی جاتی ہیں۔

سیمی شاہ بظاہر اک ماڈرن لڑکی اس ناول کی ہیروئین، جس کے عشق میں ناول کے تینوں کردار مبتلا تھے اور سیمی شاہ کا اپنا عشق لاحاصل۔

قیوم جو اس ناول کا سب سے اہم کردار خود کو گدھ جاتی کی نمائندگی دیتا اس کلاس کا سب سے زہین اور فلسفی قابل شاگرد۔

ان چار کرداروں کے بعد اس ناول کی چوتھی سمت عشق لاحاصل یا پاگل پن ہے جہاں بانو آپا نے ناول کے تمام تر فلسفے کی سمیٹ دیا ہے۔

''اصل پاگل پن کی صرف ایک وجہ ہے وہ ہے عشق لاحاصل، پاگل پن ہمیشہ نا آسودہ آرزوؤں سے پیدا ہوتا ہے سر، اور نا آسودہ آرزوئیں ان Taboos سے جنم لیتی ہیں جو ہر کلچر میں موجود رہتی ہیں جس کلچر میں ماموں زاد بہن سے شادی نہیں ہو سکتی وہاں ماموں زاد بہن کے عشق لاحاصل سے دیوانگی پیدا ہو سکتی ہے۔''

اور پھر پاگل پن کی تقسیم دیکھیے۔

''پاگل پن دو قسم کا ہے ایک مثبت ایک منفی۔''

میں نے اپنے اک افسانے ''کھاتا'' میں لکھا تھا اک جملہ جو غالباً اسی مثبت پاگل پن پر تھا کہ یہ سارے سائنسدان، ولی، شہید، پیغمبر، عاشق ان سب کا قبیلہ ایک ہی ہے، سچ تو ہے اک قبیلے کی ہی درجہ بندی ہے۔

قیوم کا عشق لاحاصل اور پاگل پن مثبت پاگل پن میں ڈھلے گا؟ سیمی شاہ کا عشق لاحاصل کس طرح کے پاگل پن کو جنم دیتا ہے؟ وہ سیمی شاہ جو اپنی کلاس میں سوال اٹھاتی ہے۔

''سر آپ کا کیا خیال ہے اگر معاشرہ آئیڈیل ہو تو پھر کیا کوئی فرد بھی خودکشی کر سکتا ہے؟''

قیوم جو اس ناول کا سیمی شاہ کے بعد سب سے مضبوط کردار ہے۔ جس کی اپنی پیچ در پیچ ذات الجھی ہوئی ہے اور اس کا ذمہ دار اس نظام تعلیم اور اس کے ماسٹر غلام رسولوں کو ٹھہراتا ہے۔

''پروفیسر سہیل مختلف اور عجیب تھا، میری شخصیت پر کسی نہ کسی غلام رسول نے اپنی مہر لگا رکھی تھی، کاش میں بھی سادہ سلیٹ ہوتا، پچھلا لکھا ہوا مٹا سکتا اور پروفیسر سہیل کی دی ہوئی Assignment کو اسی تازگی سے لکھ سکتا جس کی وہ ہم سے توقع رکھ رہے تھے اور ان ماسٹر غلام رسولوں نے قیوم کو کن تضادات کا شکار کیا۔

''عام استاد عموماً اوسط درجے کا شخص ہوتا ہے، عام ترین ہوتے ہوئے وہ ایسے لوگوں کی تعلیم عام کرتا ہے جن کی سطح پر وہ سوچ بھی نہیں سکتا، اس کا اپنا کردار بچوں کو عام بنانے پر مصر رہتا ہے اور اس کی تعلیم بچوں کو خاص ہونے پر اکساتی ہے، اسی تضاد کے باعث میں عمر میں بڑھنے کے باوجود اندر سے نہ بڑھ سکا اور میری شخصیت اس درخت جیسی ہو گئی جسے زیبائش کے لئے جاپان میں پالا جاتا ہے جو سالوں پرانا ہوتا ہے لیکن جس کا قد ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔''

پھر اسی ناول کا وہ تخیلاتی و علامتی حصہ دیکھیے جہاں پرندوں کا اجلاس جاری ہے، پوٹھوہار کے اس علاقے میں جہاں کبھی سمندر ہوا کرتا تھا جہاں دنیا جہان کے پرندے شرکت کو آتے ہیں، ہر پرندہ مجھے تو یوں لگا کہ اللہ کی بنائی اس انسانی دنیا کا مظہر بن گیا، مور چنور پھیلائے تھا چیتے اسی

میں خوش کہ استقبالیہ کمیٹی میں ہیں کن سونیاں لیتے کوئے، مقامی چڑیا، مینا کوئل عوامی پرندے اجتماعی ووٹ کی نیابت میں اہم، سچ بتائیے کیا اسی طرح کے امکانات کے ساتھ انسان کو نہیں پیدا کیا گیا؟

اور وہ اجلاس جو سیمرغ کی سربراہی میں ہوا اور وہ سیمرغ جب چودہ سو سال پرانے بڑ کے درخت پر جا بیٹھا تو جانے کیوں مجھے عطار کی ''منطق الطائر'' یاد آ گئی، وہ اجلاس جہاں گدھ جاتی کے پاگل پن اور انسان کے پاگل پن پر تقابلی بحث جاری ہے اگر کہیں یہ گدھ جاتی بھی اپنے دیوانے پن کے باعث پرندوں کو نیست و نابود نہ کر دے اور نجد کی بلبل انسان کی دیوانگی کا راز کھولتی ہے۔

اور اسی اجلاس میں سیمرغ یہ نکتہ اٹھاتا ہے کہ یہ دیوانہ پن اگر تو سرشت ہے گدھ جاتی کی تو معاملہ خالق و مخلوق کا ہے اور اگلے اجلاس میں یہ بھید کھلتا ہے کہ یہ سرشت رزق حرام نے بدل دی۔

دیکھئے بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تو آپا نے؟ رزق حرام کیسے سرشت پر اثر انداز ہوتا ہے؟ مگر اک سوالات کی طویل شجر کاری ہے، گدھ جاتی اس کائنات کے خاکروب پرندے، ان کا وجود اسی طرح اہم جیسے خیر کے ساتھ شر کا؟ کیا شر کو ختم کیا جا سکتا ہے؟ مسئلہ کہاں سے اٹھا، قضا و قدر اور شیطان و خرمان کی حساس و ممنوعہ چوکھٹ میں داخل ہو گیا۔

عشق لاحاصل کی مختلف جہتیں نظر آئیں گی آپ کو ناول میں سیمی شاہ معاشرے کی پیداوار عشق لاحاصل اس کے وجدان کی وہ آنکھ کھول دیتا ہے کہ آفتاب سے متعلق ہر خبر اسے خود بخود ملتی ہے اور قیوم تحیر سے اس سے سوال کرتا ہے

''لیکن کیسے کیونکر؟ کیا تم Clairuouant ہو؟''

ناول اپنی کہانی کی تمام تر خوبصورتی اور بے مثال مکالموں و جملوں کے ساتھ آگے بڑھتا ہے یہ اک ایسی نادر شرنگ کا سفر ہے جہاں جا بجا خوبصورت فن پاروں کی طرح جملے ٹنکے ہیں جو امر ہو گئے ہیں محاورہ بن گئے ہیں اور آپ کو گدھ جاتی کے مختلف راجہ گدھوں سے ملنے کا اتفاق ہو گا۔

''میں نے پلٹ کر اپنے باپ کو دیکھا، وہ کسان نہیں تھا، ساندل بار کا سانڈ نہیں تھا وہ صرف راجہ گدھ تھا جو اک مری ہوئی عورت کے لاحاصل تصور میں اپنی زندگی کی ڈوری لٹکائے بیٹھا تھا۔''

آپ دیکھئے اس طرح کے بہت سے راجہ گدھ آپ کو اپنی سوسائٹی کی منڈیروں پر بیٹھے نظر آئیں گے وہ راجہ گدھ جن کی روح لاحاصل محبت کرتی ہے اور دیوانے پن سے ہمکنار ہوتی ہے۔

پھر ماسی الفت اور عزیز گاتن ہیں راجہ گدھ جاتی کے، ہمارے ننگے سٹراٹڈ معاشرے کی گندگی کو سمیٹے ہوئے اور ہاتھوں میں آئینہ تھامے، جو اس آئینے کو توڑو تو کرچیاں بددعائیں بن کر گلر بن کر گاؤں کو کھا جائیں۔

سیمی کا لاحاصل عشق اسے واجدان اور پھر موت کے منہ میں لے گیا اور سیمی سے قیوم کا عشق لاحاصل گدھا جاتی کا پاگل پن اسے کہاں کہاں کی خاک چھاننے پر مجبور کر گیا، عابدہ...... عابدہ کے بعد روشن اس کی بیوی، پاگل پن، عشق لاحاصل کی مختلف جہتوں، نسبتوں و رنگوں سے سجا یہ ناول ہر دفعہ سوچ کا نیا در وا کرتا ہے۔

☆☆☆

تحریم محمود

روزہ رکھنے کی فضیلت

سیدنا ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

''یوں تو بنی آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے، سوائے روزے کے، کہ وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور روزہ (گناہوں سے) سپر (ڈھال) ہے، پھر جب کسی کا روزہ ہو تو اس دن گالیاں نہ بکے اور آواز بلند نہ کرے، پھر اگر کوئی اسے گالی یا لڑنے کو آئے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں اور قسم ہے اس پروردگار کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جن اس کے ہاتھ میں ہے کہ بے شک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے آگے قیامت کے دن مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے اور روزہ دار کو دو خوشیاں ملتی ہیں جن سے وہ خوش ہوتا ہے، ایک تو وہ اپنے افطار سے خوش ہوتا ہے اور دوسرا وہ اس وقت خوش ہو گا جب وہ اپنے روزے کے سبب اپنے پروردگار سے ملے گا۔'' (صحیح مسلم)

سعدیہ جبار، ملتان

اے بندے

اے بندے جو ہوا، وہ اچھا ہوا، جو ہو رہا ہے، جو ہو گا وہ بھی اچھا ہو گا، تیرا کیا گیا جو تو روتا ہے، تو کیا لایا تھا جو تو نے کھو دیا۔

جو لیا یہیں سے لیا، جو دیا یہیں پر دیا، جو آج تیرا ہے پہلے کسی اور کا تھا اور کل کسی اور کا ہو گا، تبدیلی کائنات کا معمول ہے، بس تو وہ جمع کر جو تو ساتھ لے جانے والا ہے، وہ ہے نیک اعمال۔

فرح عامر، جہلم

آم

آپ جب ہیں مرے سگے ابا
عقل سے کام کیوں نہیں لیتے
بیر اور ککڑیاں کھلاتے ہیں
آپ یہ آم کیوں نہیں لیتے

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

آسمان

کیا خبر تھی اس قدر آٹا گراں ہو جائے گا
جو شکم رکھتے ہیں ان کا امتحاں ہو جائے گا
دیکھتے رہیے اب اس کے نرخ کی اونچی اڑان
ہم زمیں پر ہوں گے اور یہ آسمان ہو جائے گا

نعیم امین، کراچی

نمک حرام

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام فرعون کے پاس ایک فرمان لائے، جس کے مضمون تھا۔

''بادشاہ کا کیا حکم ہے، اپنے غلام کے حق میں، جس نے اپنے مالک کے مال و نعمت سے پرورش پائی، پھر اس کی ناشکری کی اور اس کے حق

میں منکر ہو گیا اور اپنے مولا کا مدعی بن گیا۔"

اس فرعون نے جواب میں لکھا۔

"جو نمک حرام غلام اپنے آقا کی نعمتوں کا انکار کرے اور اس کے مقابل آئے، اس کی سزا ہے کہ اسے سمندر میں ڈبو دیا جائے۔"

چنانچہ جب فرعون خود دریا میں ڈوبنے لگا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کا وہ فتویٰ اس کے سامنے کر دیا اور اس نے اس کو پہچان لیا۔

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

فرمائش

ایک صاحب نے ریستوران میں چرغے کا آرڈر دیا، چرغہ آیا تو اسے چکھنے کے بعد انہوں نے دوبارہ ویٹر کو بلایا اور پوچھا۔

"تمہارے ہاں چرغہ کس طرح تیار کیا جاتا ہے؟ گیس کے ذریعے یا کوئلوں پر؟"

"ہمارے ہوٹل میں چرغہ بجلی سے پکایا جاتا ہے جناب!" ویٹر نے فخر سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، تو پھر اسے بجلی کے دو، تین جھٹکے اور لگوا لاؤ۔"

ان صاحب نے چرغے کی پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہما رائے، کراچی

روشنی

حضرت ابراہیم تیمی نے موسیٰ بن میران کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے اللہ تعالیٰ کے سلوک کے بارے میں سوال کیا۔

انہوں نے دوبادیا۔

"جب سے مرا ہوں، امراء کی ضیافتوں کا جواب دے رہا ہوں اور ایک سوئی کے بدلے قید میں ہوں جو میں نے مستعار لی تھی اور واپس نہیں کی تھی۔"

پھر میں نے دریافت کیا۔

"کون سی قبروں میں روشنی ہے؟"

آپ نے فرمایا۔

"دنیا میں مصیبت زدگان کی قبروں میں روشنی ہے۔"

نازیہ کمال، حیدر آباد

لاجواب

خلیفہ ہارون الرشید بہت حاضر دماغ تھے، ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا۔

"آپ کبھی کسی بات پر لاجواب ہوئے ہیں؟"

انہوں نے کہا۔

"ہاں! تین مرتبہ ایسا ہوا کہ میں لاجواب ہو گیا، ایک مرتبہ ایک عورت کا بیٹا مر گیا اور وہ رونے لگی، میں نے اس سے کہا، آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھو اور مت رو، اس نے جواب دیا کہ میں اس بیٹے کے مرنے پر کیوں نہ روؤں جس کے بدلے خلیفہ میرا بیٹا بن گیا۔

دوسری مرتبہ مصر میں کسی شخص نے موسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعوا کیا، میں نے اسے بلوا کر کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تو اللہ کے دیے ہوئے معجزات تھے، اگر تو موسیٰ علیہ السلام ہے تو کوئی معجزہ دکھا، اس نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے تو اس وقت معجزہ دکھایا تھا جب فرعون نے خدائی کا دعوا کیا تھا، تو یہ دعوا کر تو میں معجزہ دکھاؤں گا۔

تیسری مرتبہ لوگ ایک گورنر کی غفلت اور کاہلی کی شکایت لے کر آئے، میں نے کہا کہ وہ شخص تو بہت شریف اور ایمان دار ہے، انہوں

نے جواب دیا تو پھر اپنی جگہ اسے خلیفہ بنا دیں، تا کہ اس کا فائدہ سب کو پہنچے۔

نبیہ آصف، قصور

سنہری باتیں

O اس پر تعجب ہے جو موت کا یقین رکھتا ہے اور قہقہے لگاتا ہے، تقدیر کا قائل ہے اور پھر جانے والی چیز کا غم کرتا ہے، شیطان کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور پھر اعمال میں اس کی پیروی کرتا ہے، دوزخ کا عقیدہ رکھتا ہے اور پھر بھی گناہ کرتا ہے۔ (حضرت عثمانؓ)

O اپنی سوچوں کو پانی کے قطروں سے زیادہ شفاف رکھو، کیونکہ جس طرح قطروں سے دریا بنتا ہے اسی طرح سوچوں سے ایمان بنتا ہے۔ (حضرت علیؓ)

O کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو، دنیا تم میں نہ رہے، کیونکہ کشتی جب تک پانی میں رہتی ہے خوب تیرتی ہے، لیکن جب پانی کشتی میں آ جاتا ہے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔ (حضرت علیؓ)

مریم رباب، خانیوال

ہم نوالہ

حضرت جنید بغدادیؒ جنگل میں بیٹھے تھے، سامنے پیالہ دھرا تھا، پیالے میں دودھ اور روٹی کے ٹکڑے تھے، ایک کتا پیالے میں منہ ڈال کر روٹی کھا رہا تھا اور آپ زار و قطار رو رہے تھے، ایک شخص نے ان کی حالت دیکھی، خیال کیا، شاید ظالم کتا ان سے زبردستی چھین کر کھا رہا ہے، قریب جا کر حال پوچھا، جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔

"میں اس لئے رو رہا ہوں، کہ اس دنیا میں تو میری اور کتے کی حالت یکساں ہے، ہم دونوں ہم نوالہ ہم پیالہ ہے، نہ جانے ہم میں سے اللہ تعالیٰ کی نظر میں کون بہتر ہے۔"

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

وغیرہ......وغیرہ

☆ مواقع نکل جاتے ہیں، مگر مواقع ختم نہیں ہوتے۔

☆ خاموشی اظہار نفرت کا بہترین ذریعہ ہے۔

☆ جڑیں سلامت ہوں تو ٹنڈ منڈ درختوں پر بھی موسم بدلتے ہی پھول آ جاتے ہیں۔

☆ اپنے اندر روگ مت پالیے، اس دنیا میں آپ ایک ہی تو ہیں۔

☆ نئی بنیادیں وہ لوگ بھر سکتے ہیں جو اس راز سے واقف ہوں کہ پرانی بنیادیں کیوں بیٹھ گئیں۔

☆ نا سے بات شروع ہو تو دامن ہی نہیں دل بھی تنگ ہو جاتا ہے، پھر نہ دل میں جگہ ملتی ہے، نہ دامن میں۔

☆ جو روگ دل کو لگ جائیں وہ کوڑھ کی طرح بڑھتے ہیں۔

☆ زخم لگتا ہے تو انسان تڑپ کر اپنی طرف مڑتا ہے، یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب کسی کو خود آگہی ودیعت کی جاتی ہے۔

☆ خواب زندگی کی دلیل ہیں، انہیں کبھی ہارنے مت دینا۔

اُم خدیجہ، شاہدرہ لاہور

بارش

بارش ہوئے تو ایک زمانہ ہوا سلیم
پانی ٹپک رہا ہے ابھی تک مکان سے

رمشہ ظفر، بہاول پور

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

ثمینہ رفیق ---- کورنگی کراچی

آج پھر ساون ٹوٹ کے برسا ہے
آج پھر کسی کے لہجے میں نمی ہے
پھر سے وحشتوں کے ہالے میں ہوں مقید
آج پھر یادوں کی محفل جمی ہے

......

لوگ یاد آتے ہیں بارشوں کے موسم میں
درد مسکراتے ہیں بارشوں کے موسم میں
زیر آب آ گئی ہیں بستیاں دل و جاں کی
بند ٹوٹ جاتے ہیں بارشوں کے موسم میں

......

وہ اک شخص جو آیا ہے آندھیاں لے کر
اسی سے اپنے دیے کی ضمانتیں مانگوں
سکون ملتا ہے رونے سے دل کو آذر
شدید ہو موسم تو بارشیں مانگوں

رمشہ ظفر ---- بہاولپور

کس سے کہوں اپنی تباہی کا ماجرا
جنگل ہرا بھرا تھا جسے آگ لگ گئی
سب یہ سمجھ رہے ہیں کہ موسم بدل گیا
انسان کی بے بسی پہ فلک آبدیدہ ہے

......

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں
ہر دھڑکتے پتھر کو لوگ دل سمجھتے ہیں
عمریں بیت جاتی ہیں دل کو دل بنانے میں

عاصمہ سرور ---- وہاڑی

بارش کی رم جھم میں جدائیوں کا موسم ہے
منتظر نگاہوں میں پانیوں کا موسم ہے
خواب بن کر نگاہوں میں کوئی نہیں آئے گا
ان جزیروں میں اب رتجگوں کا موسم ہے

......

پیار کا دیوتا مارے گا مجھے پہلا تیر
دوسرا تیر بھی پھر مجھ کو ہی کھانا ہو گا
کیسے بھولے گا تیرا پیار سے تپتا ہوا لمس
برف باری میں اکیلے جسے جانا ہو گا

......

بارش ہوئی تو پھولوں کے تن چاک ہو گئے
موسم کے ہاتھ بھیگ کے سفاک ہو گئے
بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہو گئے

رابعہ ارشد ---- فیصل آباد

وہ ہوا تو نہیں تھی لڑکی تھی
کس لئے اتنی سرپھری نکلی
تیرے لہجے میں کیا نہیں تھا مگر
صرف سچ کی ذرا کمی نکلی

......

کیوں یہ تکرار سی ہونے لگی میں کی جاناں
وہ جو ہم تم میں تھا اک ہم مجھے واپس کر دو

......

بھری پری میری دنیا میں اک مدت سے
کسی کی اتنی کمی ہے کہ کچھ نہ پوچھو تم
وہ زخم اب کے پایا ہے کہ کچھ نہ پوچھو تم
وہ مات اب کے ہوئی کہ کچھ نہ پوچھو تم

مسرت مصباح ---- لاڑکانہ

جانے کب طوفان بنے اور رستہ رستہ بجھ جائے
بند بنا کر سو مت جانا دریا آخر دریا ہے

......

سر محفل نگاہیں جن لوگوں کی مجھ پہ پڑتی ہیں
نگاہوں کے حوالے سے وہ چہرے یاد رکھتا ہوں
ذرا سا ہٹ کر چلتا ہوں زمانے کی روایت سے
کہ جن پر بوجھ ڈالوں وہ کندھے یاد رکھتا ہوں

......

کسی سے کہوں اپنی تباہی کا ماجرا
جنگل ہرا بھرا تھا جسے آگ لگ گئی

ثناء حیدر ---- سرگودھا

ہے اگر مجھ کو خطر تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

......

پیڑوں میں شب کو بھرتی ہے جب سسکیاں ہوا
لیتی ہے دل میں یاد بھی انگڑائیاں بہت
ہم سے بچھڑ کے وہ بھی حقیقت میں خوش نہیں
کرتا ہے یوں تو انجمن آرائیاں بہت

......

برس رہا ہے مگر تشنگی نہیں بجھتی
میں ریگزار ہوں اور وہ گھٹاؤں جیسا ہے
ترے خیال سے بچ کر بتا کہاں جاؤں
یہاں سکوت بھی تیری صداؤں جیسا ہے

در ثمن ---- میاں چنوں

کچھ بھی اس ترک مراسم کا سبب ہو لیکن
سچ کہو تم بھی مجھے کھو کر پشیمان ہو نا؟
غم کے اظہار کو میں ایسا سمجھتا ہوں کمال
بزم میں جیسے کسی شخص کا عریاں ہونا

......

پھر دوستوں سے ترک مراسم کا کیا خیال
کیا سوچنا کہ اس نے پکارا نہیں ہمیں
کچھ دن کی بات ہے کہ اسے جانتے نہ تھے
آج اس سے بڑھ کے کوئی پیارا نہیں ہمیں

......

محبت بھی کرنی عداوت بھی رکھنی
عجب بندگی ہے عجب تشنگی ہے

آسیہ وحید ---- لاہور

جہالتوں کے جزیرے میں ہو گیا مدفون
میں آگہی کے سمندر میں ڈوبنے والا
میں سن رہا ہوں کسی شخص بے نوا کی صدا
یہ کون ہے مرے لہجے میں بولنے والا

......

تھا سبھی کے لئے مسیحا وہ
بس مرا درد ہی نہ سمجھا وہ
مجھ میں تو خود بڑے سمندر ہیں
تھا کوئی اور ہی جزیرہ وہ

......

وفا کے راہرو کو کیوں سدا برباد دیکھا ہے
کیا طوفان میں گھر کر کوئی آباد دیکھا ہے
سنو کیسے محبت پر ہو ایمان پھر قائم
بتایا ایک پتھر کو بہت ناشاد دیکھا ہے

جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور

کرتے ہیں سب ہجوم مصائب میں بندگی
یاد خدا بغیر ضرورت بھی چاہیے

......

تو جو بدلا بدل گئے ہم بھی
پیار کرتے تھے بندگی تو نہیں
وقت کٹ جائے گا بہر صورت
تو کوئی شرط زندگی تو نہیں

......

مرا وجود مری ذات کو کھٹکتا ہے
میں آئینہ ہوں مگر جھوٹ بولنے والا

اب اس سے بڑھ کر مجھے کیا عذاب دے گا کوئی
کہ خود سے روٹھ گیا مجھ سے چھوٹنے والا
اُم ایمن ---- گوجرانوالہ

خواب ، صندل ، لکڑی
انتظار ، دیمک ، روگ
لگ جائے جن نینوں کو
اڑتے پھول بکھرے سوگ

....

وقت رخصت آ گیا دل پھر بھی گھبرایا نہیں
اس کو ہم کیا کھوئیں گے جس کو کبھی پایا نہیں

....

چلو یونہی انا گر آپ کی تسکین پاتی ہے
تو میں حق گوئی کا انمول گوہر بیچ دیتا ہوں
حیات چند روزہ کے سکون خام کی خاطر
میں اپنی دائمی قدروں کا پیکر بیچ دیتا ہوں
عابدہ سعید ---- گجرات

لوٹ کے گھر جانے کی مجبوری مجھے تو
تحمل کر ترے رستوں پہ بکھرنے نہیں دیتی
کیوں زیست مجھے رکھتی ہے مابین ہمیشہ
کیوں ٹھیک سے کچھ بھی مجھے کرنے نہیں دیتی

....

غیروں کی کیا جرأت مجھے محفل سے اٹھائیں
دیکھا جو اس کی طرف اس نے بھی اشارہ کر دیا

....

جنگل میں سانپ شہر میں بستے ہیں آدمی
سانپوں سے بچ کر آئیں تو ڈستے ہیں آدمی
تھی خاک سب سے قیمتی شے آسمان پر
اور اس زمین پر فلک سے سستے ہیں آدمی
سعدیہ جبار ---- ملتان

رتوں پہ بس نہ چلا ورنہ یہ دنیا والے
ہوائیں بیچتے نیلام رنگ و بو کرتے

....

بھڑکائیں میری پیاس کو اکثر تیری آنکھیں
صحرا میرا چہرا ہے سمندر تیری آنکھیں
بوجھل نظر آتی ہیں بظاہر مجھے لیکن
کھلتی ہیں بہت دل میں اتر کر تیری آنکھیں

....

چلو اچھا ہوا کام آ گئی دیوانگی اپنی
ورنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے
آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

کام ان سے آ پڑا ہے مقدر کی بات ہے
ہم جن سے گفتگو کے روا دار بھی نہ تھے

....

آنکھوں میں بسا لیتے ہیں روٹھے ہوئے منظر
جاتے ہوئے لوگوں کو پکارا نہیں کرتے
مر جائیں گے پر ہار نہ مانیں گے اپنی
ہم تو وہ ہیں جو مر کے بھی ہارا نہیں کرتے

....

دو چار لفظ کہہ کے میں خاموش ہو گیا
وہ مسکرا کر بولے بہت بولتے ہو تم
فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

دل میرا اک کتاب کی صورت
جس میں وہ ہے گلاب کی صورت
حسن کچے گھڑے کا شیدائی
عشق موج چناب کی صورت

....

خواب کی طرح بکھر جانے کو جی چاہتا ہے
ایسی تنہائی ہے کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے
وہی پیاں جو جی کو خوش آیا تھا بہت
اسی پیاں سے مکر جانے کو جی چاہتا ہے

....

شاد پھر آیا وہ گزرا ہوا ساون مجھ کو
پھر میری آنکھ نے رونے کا بہانہ چاہا

☆☆☆

بلقیس بھٹی

پوشیدہ ٹیکس

محمود نے سگریٹ کا آخری کش لیتے ہوئے سرفراز سے پوچھا۔
"اس دفعہ سگریٹوں کے دام کیوں بڑھا دیئے گئے ہیں؟"
سرفراز نے جواب دیا۔
"یہ ایک پوشیدہ ٹیکس ہے، اس نئے قبرستان کو ترقی دینے کے لئے، جو صرف سگریٹ نوشوں کے لئے مخصوص ہوگا۔"

ثناء حیدر، سرگودھا

خرابی

رمضان نے نئی گاڑی خریدی اور ابھی ڈرائیونگ سیکھ ہی رہے تھے کہ ایک روز شاہ جی کو اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر لے گئے، کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد رمضان نے گویا کان لگا کر سننے کے بعد شاہ جی کو مخاطب کیا۔
"آپ یہ ٹھک ٹھک کی آوازیں سن رہے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ اس گاڑی کے رنگ پسٹن خراب ہیں۔"
"یہ رنگ پسٹن کی نہیں، بار بار ڈیش بورڈ سے میرے گھٹنے ٹکرانے کی آواز ہے۔" شاہ جی نے ذرا ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

عاصمہ سرور، وہاڑی

دلیل

بیوی نے ایک خبر پڑھنے کے بعد اخبار سے نظریں ہٹا کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا، جو پینے پلانے کا شوقین واقع ہوا تھا، پھر وہ بولی۔
"ام الخبائث نے ایک اور انسان کی جان لے لی، ذرا یہ خبر پڑھو، کیماڑی سے ایک شخص منوڑہ کی سیر کے لئے لانچ میں بیٹھا، نشے میں ہونے کی وجہ سے وہ الٹی سیدھی حرکتیں کر رہا تھا، آخر کار سمندر میں گر پڑا اور ڈوب گیا، بدنصیب اگر شرابی نہ ہوتا تو آج زندہ ہوتا۔"
"سمندر میں گرنے تک وہ زندہ تھا نا؟" شوہر نے پوچھا۔
"ہاں۔" بیوی نے جواب دیا۔
"پانی میں ڈوبنے کے بعد مرا ہوگا؟" شوہر نے مزید تصدیق چاہی۔
"ہاں۔" بیوی کو تسلیم کرنا پڑا۔
"تو پھر یوں کہو نا کہ وہ پانی کی وجہ سے مرا، شراب کو کیوں الزام دے رہی ہو؟" شوہر برا سا منہ بنا کر بولا۔

درخشن، میاں چنوں

اظہار حیرت

بس میں ایک بچے نے اپنی ماں کی قمیض کھینچتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"امی...... امی...... دیکھیں اس آدمی کے سر پر بال ہی نہیں ہیں۔"
"ششش......" ماں نے جلدی سے اسے

چپ کراتے ہوئے نیچی آواز میں کہا۔
''وہ سن لے گا۔''
''تو کیا اسے یہ بات معلوم نہیں ہے؟''
بچے نے معصومیت سے پوچھا۔
آسیہ وحید، لاہور

جمہوریت

مینجنگ ڈائریکٹر نے اپنی کمپنی کے بورڈ آف ممبران کے اجلاس میں کسی منصوبے کے بارے میں اپنی کئی تجاویز پیش کیں اور کہا۔
''میں اپنی رائے کسی پر مسلط کرنا نہیں چاہتا، میری خواہش ہے کہ میں اس سلسلے میں آپ لوگوں سے ووٹ لے کر اس کام کا آغاز کروں۔''
بورڈ ممبروں نے نہایت پسندیدگی سے اپنے مینجنگ ڈائریکٹر کو دیکھا۔
تب ڈائریکٹر نے دوبارہ کہا۔
''ہاں تو اب وہ تمام ممبران جنہیں میری تجویز سے اتفاق نہ ہو، اس اعلان کے ساتھ اپنے ہاتھ بلند کر دیں، جو اس بات کا اشارہ ہو گا کہ وہ استعفیٰ دینا چاہتے ہیں۔''
جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

خفگی

ایک فیکٹری کا مزدور پاگل ہو گیا، اسے پاگل خانے میں داخل کر دیا گیا، چند دن بعد اس کا ایک ساتھی مزدور اس سے ملنے پاگل خانے پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد بولا۔
''اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟''
''بہت اچھا۔'' مزدور نے جواب دیا۔
''اس کا مطلب ہے کہ تم جلد ہی فیکٹری میں واپس آ جاؤ گے؟'' ساتھی مزدور نے پر امید لہجے میں کہا۔
''میں اتنے بہت سے کمروں اور باغیچوں والا گھر چھوڑ کر اس منحوس فیکٹری میں مزدوری کرنے واپس آ جاؤں؟ تم نے مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے کیا؟'' مزدور بگڑ کر بولا۔
رابعہ ارشد، فیصل آباد

میدان مار لیا

کسی گاؤں میں ایک کسان کے سرکش خچر نے اس کی ساس کے اتنی زور سے لات ماری کہ وہ بے چاری چلی بسی، جنازہ اٹھتے اٹھتے بہت ہجوم جمع ہو گیا۔
مولانا بولے۔
''معلوم ہوتا ہے کہ مرحومہ اس گاؤں میں کافی ہر دلعزیز تھیں، جبھی اتنے بہت سے لوگ اپنا کام چھوڑ کر جنازے میں شرکت کے لئے آئے ہیں۔''
کسان بولا۔
''اس کی وجہ مرحومہ کی ہر دلعزیزی نہیں ہے، یہ سب لوگ یہاں اس لئے آئے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص میرے خچر کو خریدنے کے لئے بے تاب ہے۔''
مسرت مصباح، لاڑکانہ

معیار میرٹ

ایک دفعہ ایک وزیر صاحب عوام کی شکایت سن رہے تھے، مجمع میں سے ایک لڑکی آگے بڑھی اور ایک درخواست وزیر موصوف کو دیتے ہوئے بولی۔
''سر! میں ایم اے پاس ہوں اور مجھے نوکری چاہیے۔''
وزیر موصوف لڑکی سے درخواست و اسناد

وغیرہ لینے کے بعد بولے۔
''میں وزیر اعلیٰ سے گزارش کروں گا۔''
جب وزیر صاحب، وزیر اعلیٰ سے ملے، ان سے نوکری کی بات کی اور ساتھ ہی درخواست بھی دی تو وزیر اعلیٰ صاحب بولے۔
''نوکریاں صرف میرٹ کی بنیاد پر دی جائیں گی۔''
وزیر صاحب غصے سے بولے۔
''میرٹ...... کیسا میرٹ؟ میں ان پڑھ ہوں اور وزیر ہوں، آپ مڈل پاس ہیں اور وزیر اعلیٰ ہیں، جو بی اے ہے، وہ وزیر اعظم ہے، مگر جو ایم اے ہے، وہ کچھ بھی نہیں، پھر میرٹ کیسا؟''
اُم ایمن، گوجرانوالہ

قسمت مہربان ہو گئی

ایک صاحب کشتی میں بیٹھ کر مچھلی کے شکار کو گئے، شام تک ایک مچھلی بھی ان کے ہاتھ نہ لگی، واپسی میں ان کی نظر قریب سے گزرتی ہوئی ایک اور کشتی پر پڑی، جس میں ایک نوجوان لڑکا اور ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔
ان صاحب نے لڑکے سے پوچھا۔
''کہیے...... آپ پر قسمت مہربان ہوئی؟''
لڑکے نے چہک کر جواب دیا۔
''بہت زیادہ۔''
ان صاحب نے رشک بھرے لہجے میں کہا۔
''مبارک ہو، یہ تو بتایئے کہ آپ نے کانٹوں پر چارہ کون سا لگایا تھا؟''
نوجوان نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔
''ہم مچھلی کے شکار کو نہیں نکلے تھے۔''
عابدہ سعید، گجرات

شیطان

مرزا غالب رمضان کے مہینے میں دہلی کے محلے قاسم جان کی ایک کوٹھری میں پچیسی کھیل رہے تھے، میرٹھ سے ان کے شاگرد مفتی شیفتہ دہلی آئے، تو مرزا صاحب سے ملنے گلی قاسم جان آئے، انہوں نے دیکھا کہ رمضان کے متبرک مہینے میں مرزا پچیسی کھیل رہے تھے، انہوں نے اعتراض کیا۔
''مرزا صاحب ہم نے سنا ہے کہ رمضان میں شیطان بند کر دیا جاتا ہے۔''
مرزا غالب نے جواب دیا۔
''مفتی صاحب آپ نے ٹھیک سنا ہے شیطان جہاں قید کیا جاتا ہے، وہ کوٹھری یہی ہے۔''
سعدیہ جبار، ملتان

ماڈل

ایک مشہور معروف سرجن کی گاڑی راستے میں خراب ہو گئی، وہ کسی نہ کسی طرح اسے دھکیل کر مکینک کے پاس لے گئے اور کوئی آدھ گھنٹے میں مکینک نے ٹھوک بجا کر اسے چلنے کے قابل بنا دیا، جب وہ چلنے لگے تو مکینک نے ہاتھ میں بل تھما دیا۔
''آدھ گھنٹے کے کام کا اتنا معاوضہ؟'' وہ حیران ہو کر چیخے۔
''اتنا لمبا چوڑا بل تو ہم ڈاکٹر بھی نہیں بناتے۔''
''ڈاکٹر صاحب! مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہمارا واسطہ ہر سال ایک نئے ماڈل سے پڑتا ہے، جبکہ آپ لوگ صدیوں سے ایک ہی پرانے ماڈل پر کام کیے جا رہے ہیں۔'' مکینک نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔
آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

☆☆☆

صائمہ محمود

ذرعہ امین: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''کسی نے سچ کہا ہے یہ!''

محبت اور کہانی میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا
مگر میری محبت تو
کہانی ہی کہانی ہے۔
محبت کی کہانی ہے
کوئی راجہ نہ رانی ہے
نہ شہزادہ نہ شہزادی
محبت کی کہانی تو
مسافت ہی مسافت ہے
محبت کی مسافت اور
ضرورت کی مسافت میں
مسافر واپسی کے سارے امکان پاس رکھتا ہے
محبت کی مسافت میں
مسافر کے پلٹنے کا کوئی رستہ نہیں ہوتا
وہ ساری کشتیاں اپنی
جلا دیتے ہیں ساحل پر
کہ ناامید ہونے پر
پلٹنا بھی اگر چاہیں
تو واپس جا نہیں پائیں
وہیں غرقاب ہو جائیں
محبت کی کہانی میں مسافت کی بشارت تھی
مسافت طے ہوئی تو پھر
جلا ڈالی تھیں میں نے بھی
وہیں سب کشتیاں اپنی
جہاں پہلا پڑاؤ تھا
شکستہ جسم تھا میرا
میرے سینے میں گھاؤ تھا
بھڑکتا اک الاؤ تھا
کسی کی چاہ میں سب کچھ لٹا کر
آ گیا تھا میں
کہاں پر آ گیا تھا میں؟
جہاں پہچان کا اپنی
حوالہ ہی نہیں ملتا
حوادث کے تھپیڑوں سے
سنبھالا ہی نہ ملتا تھا
شب تیرہ سے نکلا تھا
اجالوں کی تمنا میں
مگر مجھ کو کسی جانب
اجالا ہی نہ ملتا تھا
مگر ہمت نہیں ہاری
یہاں تک آ گیا ہوں میں
جب ہر سو اجالا ہے
میری پہچان ہے اپنی، وطن میرا حوالہ ہے
مجھے اس نے سنبھالا ہے
اسے میں نے سنبھالا ہے
یہی میرا حوالہ ہے

نازیہ کمال: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

تمام عمر عذابوں کا سلسلہ تو رہا
یہ کم نہیں ہمیں جینے کا حوصلہ تو رہا
گزر ہی آئے کسی طرح تیرے دیوانے
قدم قدم پہ کوئی سخت مرحلہ تو رہا
چلو نہ عشق ہی جیتا نہ عقل ہار سکی
تمام وقت مزے کا مقابلہ تو رہا

میں تیری ذات میں گم ہو سکا نہ تو مجھ میں
بہت قریب تھے ہم پھر بھی فاصلہ تو رہا
یہ اور بات کی ہر چھیڑ لا ابالی تھی
تری نظر کا دلوں سے معاملہ تو رہا

مریم رباب: کی ڈائری سے کی نظم
''صبح آزادی''

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شب سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینہ غم دل
جواں لہو کی پراسرار شاہراہوں سے
چلے جو یار تو دامن پہ کتنے ہاتھ پڑے
دیار حسن کی بے صبر خواب گاہوں سے
پکارتی رہیں بانہیں، بدن بلاتے رہے
بہت عزیز تھی لیکن رخ سحر کی لگن
بہت قریں تھا حسینان نور کا دامن
سبک سبک تھی تمنا، دبی دبی تھی تھکن
سنا ہے ہو بھی چکا ہے فراق ظلمت و نور
سنا ہے ہو بھی چکا ہے وصال منزل و گام
بدل چکا ہے بہت اہل درد کا دستور
نشاط وصل حلال و عذاب ہجر حرام
جگر کی آگ، نظر کی امنگ، دل کی جلن
کسی پہ چارۂ ہجراں کا کچھ اثر ہی نہیں
کہاں سے آئی نگار صبا، کدھر کو گئی
ابھی چراغ سر راہ کو کچھ خبر ہی نہیں
ابھی گرانی شب میں کمی نہیں آئی
نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

اُم خدیجہ: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

سینہ دہک رہا ہو تو کیا چپ رہے کوئی
کیوں نہ چیخ چیخ کر گلا چھیل لے کوئی
ثابت ہوا سکون دل و جاں کہیں نہیں
رشتوں میں ڈھونڈتا ہے تو ڈھونڈا کرے کوئی
میں خود یہ چاہتا ہوں کہ حالات ہوں خراب
میرے خلاف زہر اگلتا پھرے کوئی
ہاں میں اپنی انا کا مریض ہوں
آخر میرے مزاج میں کیوں دخل دے کوئی

فرح عامر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''بادل، میں اور تم''

بادل کے اور بحر کے رشتے عجیب ہیں
کالی گھٹا کے دوش پہ برفوں کا ہے درخت
جتنے زمین پہ بہتے ہیں دریا بھی کا رخ
ایک بحر بے کنار کی منزل کی سمت ہے
خوابوں میں ایک بھیگی ہوئی خوش دلی کے ساتھ
ملتی ہے آشنا سے کوئی اجنبی سی سوچ
بادل بھنور کے ہاتھ سے لیتے ہیں اپنا ذوق
پھر اس کو بانٹتے ہیں عجب بے رخی کے ساتھ
جنگل ہیں صحن باغ میں شہروں میں دشت میں
چشموں میں، آبشاروں میں جھیلوں کے طشت میں
گاہے یہ اوس بن کے سنورتے ہیں برگ برگ
گاہے کسی کی آنکھ میں رہتے ہیں اس طرح
آنسو کی ایک بوند میں دجلہ دکھائی دے
اور دوسرے ہی پل میں جو دیکھو تو دور تک
ریگ رواں میں درد کا صحرا دکھائی دے
بادل کے اور بحر کے جتنے ہیں سلسلے
مجھ سے بھی تیری آنکھ کے رشتے وہی تو ہیں

فائزہ قاسم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''بارش کی دعا''

اے داتا بادل برسا دے
فصلوں کے پرچم لہرا دے
دیس کی دولت دیس کے پیارے

سوکھ رہے ہیں کھیت ہمارے
ان کھیتوں کی پیاس بجھادے
اے داتا بادل برسادے
یوں برسیں رحمت کی گھٹائیں
داغ پرانے سب دھل جائیں
اب کے برس وہ رنگ جمادے
اے داتا بادل برسادے
کھیتوں کو دانوں سے بھر دے
مردہ زمیں کو زندہ کر دے
کیاری کیاری پھول کھلادے
اے داتا بادل برسادے
تو سنتا ہے سب کی دعائیں
داتا ہم کیوں خالی جائیں
ہم کو بھی محنت کا صلہ دے
اے داتا بادل برسادے

نعیم امین: کی ڈائری سے ایک نظم

کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں
جو دور افق پر رہتے ہیں
وہ لوگ جو میرے اپنے تھے
کیوں ہنستے ہنستے روٹھ گئے
تڑپاتے ہیں، سسکاتے ہیں
کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں
اک روز میں یونہی شام ڈھلے
بس تنہا تنہا بیٹھا تھا
تب چاند مجھے الجھا سا لگا
مجھ سے آخر یہ کہنے لگا
معلوم ہے کچھ تم کو آخر
وہ لوگ جو میرے اپنے تھے
کیوں مجھ سے آخر روٹھ گئے
میں ہر شب ڈھونڈتا رہتا ہوں
پر مشکل ہے
تڑپاتے ہیں، سسکاتے ہیں
کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

ہمارائے: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

خیال و خواب ہوئی ہیں محبتیں کیسی
لہو میں ناچ رہی ہیں یہ وحشتیں کیسی
نہ شب کو چاند ہی اچھا نہ دن کو مہر اچھا
یہ ہم پہ بیت رہی ہیں قیامتیں کیسی
ہو کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہوا سے شکایتیں کیسی
جو بے خبر کوئی گزرا تو یہ صدا دی ہے
میں سنگ راہ ہوں مجھ پر عنایتیں کیسی
نہیں کہ حسن ہی نیرنگیوں میں طاق نہیں
جنوں بھی کھیل رہا ہے سیاستیں کیسی
نہ صاحبان جنوں ہیں نہ اہل کشف و کمال
ہمارے عہد میں آئیں کثافتیں کیسی
یہ دور بے ہنراں ہے بچا رکھو خود کو
یہاں صداقتیں کیسی کرامتیں کیسی

نبیہ آصف: کی ڈائری سے ایک غزل

دل ہے ہیرے کی کنی جس گلابوں والا
میرا محبوب دراصل ہے کتابوں والا
حسن ہے رنگ ہے شوخی ہے ادا ہے اس میں
اک ہی جام مگر کتنی شرابوں والا
یار آئینہ ہوا کرتے ہیں یاروں کے لئے
تیرا چہرہ تو ابھی تک ہے حجابوں والا
مجھ سے ہو گی نہیں دنیا یہ تجارت دل کی
میں کروں کیا کہ میرا ذہن ہے خوابوں والا
تو رہے نہ رہے تیرے ظلم رہیں گے باقی
دن تو آنا ہے کسی روز حسابوں والا
حسن بے باک سے ہو جاتی ہیں آنکھیں روشن
دل میں اترا ہے مگر روپ حجابوں والا
جو نظر آتا ہے حاصل نہیں ہوتا منظر
زندگی کا بھی سفر ہے سرابوں والا

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

سعدیہ جبار ----- ملتان

س: عین غین جی کیا کر رہے ہیں؟
ج: تم کیا کر رہی ہو۔
س: لو یہ کیا بات ہوئی الٹا ہم سے سوال؟
ج: چلو بتا ہی دیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔
س: اب بتا بھی دیں؟
ج: مجھے بے صبرے لوگ پسند نہیں ہیں صبر سے کام لو۔
س: آپ شب رات میں کیا پسند کرتے ہیں؟
ج: سب کچھ پسند ہے آپ مرضی جو بھیج دیں۔
س: ہم تو حلوہ پوریاں بنائیں گے کیسے بھیجوں مشکل ہو جائے گی۔
ج: ویسے ہی کہہ دیں تمہاری نیت نہیں ہے بہانے نہ بناؤ۔
س: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں؟
ج: میں خود آجاؤں کھا بھی لوں گا اور مل بھی لوں گا۔

آنسہ ممتاز ----- رحیم یار خان

س: ہوں دیکھیں عین غین جی آپ تو حد سے بڑھ گئے، آپ کو انگلی پکڑائی آپ ہاتھ پکڑنے لگے۔
ج: توبہ توبہ ہوش کے ناخن لو میں بھلا تمہارا ہاتھ کیوں پکڑنے لگا میرے لئے کوئی کمی ہے۔
س: دل میں بسنے والوں سے ماہانہ کرایہ وصول کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: اسے دل کے ساتھ اپنی آنکھوں میں بھی بسا لیں۔

س: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے اٹ پٹے جوابات پڑھ کر اب حنا کے قارئین کیا سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں؟
ج: کیا غضب کے جواب دیتا ہے یہ بندہ۔
س: چلیں آج جلدی سے اپنی فیورٹ ڈش اور مشروب کا نام بتا دیں؟
ج: پی جا ایام کی تلخی کو ہنس کے ناصر۔
س: آپس کی بات ہے، آپ وہی عین غین ہیں ناں جو تین سال پہلے......؟
ج: ہاں ہاں وہی ہوں جس نے تمہیں قرض خواہوں سے بچایا تھا۔
س: میرا دل آج کل بے حد اداس ہے، اگر میرے سوالوں کے سیدھے منہ جوا نہ دیئے تو میں......؟ آگے آپ خود سمجھدار ہیں؟
ج: پہلے یہ بتاؤ دل اداس کیوں ہے اور وہ بھی آج کل۔

نعمان امین ----- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: وقت طوفان کب اٹھاتا ہے؟
ج: جب تم کسی گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو اور ”گرل“ کا بھائی آجائے۔
س: کیا وقت کے ساتھ چلنا ضروری ہے؟
ج: بہت ضروری ہے ورنہ۔
س: سکون کی تلاش؟
ج: اپنے اندر تلاش کرو۔
س: کیا دنیا میں صرف غم ہی غم ہیں؟
ج: کون کہتا ہے۔
س: زندگی میں سکون کب ملتا ہے؟

ج: جب بیوی میکے ہو۔
س: آپ اتنی زیادہ ذہین کیوں ہیں؟
ج: یہی بات کل تم طارق ٹیڈی سے بھی کہہ رہے تھے۔

نازیہ کمال ---- حیدرآباد
س: اب کیا ہوگا؟
ج: وہی جو ہم چاہتے ہیں۔
س: جدائی کی رات بہت طویل اور کربناک کیوں ہوتی ہے؟
ج: اکیلے میں ڈر جو لگتا ہے۔
س: وفا کی راہ میں آج میں اکیلی ہوں؟
ج: تیں سی لائی بے قدراں نال یاری۔
س: کیا گئے ہوئے لمحات واپس آسکتے ہیں؟
ج: گیا وقت پھر کب ہاتھ آتا ہے۔
س: کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ ہمارے آس پاس کوئی نہ ہو؟
ج: تاکہ گزری ہوئی باتوں پر کبھی خوش کبھی رنجیدہ ہوسکیں۔
س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟
ج: دل آنے کے ڈھنگ ہیں۔

مریم رباب ---- خانیوال
س: آپ کو پھول اچھے لگتے ہیں یا کلیاں؟
ج: کلیاں کیوں کہ انہیں ابھی کھلنا ہوتا ہے۔
س: آپ کو بھینس کے آگے بین بجانا کیسا لگتا ہے؟
ج: مجھے تو چین کی صرف بنسری بجانی آتی ہے۔
س: سلجھی ہوئی حسینوں اور الجھی ہوئی حسینوں میں کیا فرق ہے؟
ج: جو ایک سمجھدار انسان اور ایک ناسمجھ انسان میں ہے۔
س: انسان جیتے جی کب مرتا ہے؟
ج: جب اس کی عقل کام نہ کرے۔

س: عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس بات کی تمنا کرتی ہے؟
ج: نئے ماڈل کی کار، وسیع و عریض بنگلہ اور دولت مند شوہر۔
س: اگر میں تمہاری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھوں کہ بوجھو تو؟
ج: بوجھ لیں گے۔

فرح عامر ---- جہلم
س: ہم تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں کئی دنوں سے؟
ج: اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔
س: ایک ڈال پر طوطا بیٹھا، ایک ڈال پر مینا ع غ جی کیا کہنا؟
ج: دونوں کو صحیح جگہوں پر رہنا چاہیے۔
س: اگر خواب صرف خواب ہی رہیں تو؟
ج: خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔
س: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ اپنی جان کو روتے ہیں؟
ج: شادی بور کے لڈو ہیں جس نے کھائے وہ بھی پچھتائے جس نے نہیں کھائے وہ بھی پچھتائے۔
س: عورت اپنی عمر اور مرد اپنی آمدنی کیوں چھپاتے ہیں؟
ج: یہی چیز تو فساد کی جڑ ہے۔
س: لوگ کہتے ہیں عشق خلل ہے دماغ کا؟
ج: کبھی تو عاشقوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

فائزہ قاسم ---- سکھر
س: اب کے سال کچھ ایسا کرنا؟
ج: آٹھ ماہ گزر گئے، بقیہ چار ماہ میں کیا کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

خبرنامہ

عبداللہ

کیٹ فائٹ

یوں محسوس ہوتا ہے کہ عمیمہ ملک پر فلمی رنگ کچھ زیادہ ہی چڑھ گیا ہے، تبھی تو میرا جی جیسی سپرسٹار سے لکس ایوارڈز ہی نہیں چھینا بلکہ پاپولر فلمی برانڈ ایڈ بھی مس ملک لے اڑی تو پھر بتائیں بھلا وہ میرا کو کیوں اچھی لگے گی صرف یہی وجہ نہیں بلکہ بول گرل سے نفرت کی ایک وجہ عمیمہ کا وہ بیان ہے جس میں مس ملک نے کہا کہ میرا اور اس جیسی دوسری سینئر اداکارئیں، بولتی زیادہ ہیں کام کم کرتی ہیں، لیکن اب وقت بدل چکا ہے اب صرف کام بولے گا، ایسے ہر اٹیک پر جواباً بیان دے کر میرا پبلسٹی کا چانس مس نہیں کیا کرتی۔

تو اس نے فرمایا کہ بس صرف ایک بول کے علاوہ عمیمہ کے پاس بولنے کو اور ہے ہی کیا؟ جبکہ میں (میرا) تمہیں ایک دنیا بولتی ہے کہ پاکستان فلم انڈسٹری میں اگر کسی نے کام کیا ہے تو وہ میرا ہے۔

ابھی یہ کیٹ فائٹ جاری ہے دیکھتے ہیں آگے کیا کچھ دونوں طرف سے سننے کو ملتا ہے۔

کامیابی کا دارومدار؟

کیوٹ اینڈ سدابہار احسن خان کو آٹھ سال بعد بڑی اسکرین پر آنے کا دوبارہ موقع ملا، "گھر کب آؤ گے" کی کامیابی کے باوجود سحر انگیز آنکھوں والے خان کو صرف چھوٹی اسکرین تک ہی محدود ہونا پڑا تھا تاہم اب عید پر ریلیز ہونے والی "عشق خدا" کے ذریعے فلم نگری کا سفر دوبارہ شروع ہوا ہے، فلم ریلیز ہونے سے پہلے وہ ڈبل مائنڈڈ سا تھا کہ نہ جانے کیسے رسپانس ملے گا

شائقین کا، مگر فلم ہٹ ہو جانے کے باوجود وہ بھی اپنے فلمی مستقبل سے زیادہ پر امید نہ ہونے کی وجہ عمران عباس کی بولی ووڈ میں انٹری ہے، عمران عباس جو احسن خان کے بہت بعد میں آیا اور اس کو پیچھے چھوڑ گیا ایک ہی جست میں بالی ووڈ جا کر اس ہاٹ ہیروئین بپاشا کا ہیرو بن بیٹھا، ایسے میں بیچارہ احسن خان گرے بھی تو کیا، عمران عباس بالی ووڈ میں ناکام بھی ہو جائے تو لالی ووڈ کے دروازے اس پر کھل ہی جائیں گے انڈین فلم انڈسٹری میں کام کرنا لالی ووڈ والوں کے اس کے مستند ایکٹر ہونے کو مانا جائے گا چاہے وہ ناکام ہی کیوں نہ ہو ایسے میں احسن خان بیچارہ کو کون پوچھے گا؟

کہیں دیر نہ ہو جائے کہیں

ریما خان کو ماما کہنے والے بابا یا بے بی دونوں کا ابھی کوئی امکان نہیں، اس بات کا انکشاف ریما خان نے خود ہی عید پر ایک شو کے دوران کیا، ریما رمضان میں پاکستان آئی تھیں ایسے وقت جب سب چاہنے والے ان کی خوش خبری کی توقع کر رہے تھے ریما نے صاف صاف بتا کر انہیں مایوس کر دیا، ریما کا کہنا ہے کہ خوشی کی اس خبر کا اسے بھی بڑی بے چینی سے انتظار ہے مگر اللہ پاک نے ابھی تک اس کے لئے صبر کرنے کا لکھ چھوڑا ہے، ایک سوال کے جواب میں ریما نے ذرا دل بڑا کر کے کہہ دیا کہ شادی تو دیر سے ہوئی مگر اس کے ماں بننے میں ابھی دیر نہیں ہوئی، ریما جی آپ کے لئے ہم دعا گو ہیں کہ خوشی کی خبر اب آپ کو مل جائے، ورنہ کہیں دیر نہ ہو جائے دیر نہ ہو جائے۔

اے جذبہ جنوں

کچھ عرصہ پہلے تک میرا کی انگلش ایک اچھی خاصی کامیڈی فلم کے برابر ہے، لیکن یہ بات کل کی ہے، آج کی نہیں میرا نے کینیڈا کی سٹیزن شپ سے تو ہاتھ دھو لئے تاہم وہاں رہ کر انگریزی کا کوئی ایسا کورس ضرور کیا ہے جس کی بناء پر فر فر تو نہیں مگر ٹھہر ٹھہر کر درست انگلش بولنے کے قابل ہو گئی ہے، حال میں جب ایک ایوارڈ تقریب میں میرا نے انگلش میں بات کر رہی تھی تو وہ تمام لوگ جو اس کی بدیسی زبان میں انٹرسٹ لے کر مذاق اڑانے کے خواہش مند تھے خاصے مایوس دکھائی دیئے، کیونکہ بہر حال اس مرتبہ میرا نے کینیڈا میں "پاس" کیے گے کورس کا مکمل پاس رکھا اور بے اختیار دوسروں کے یہ گنگنانے پر مجبور کر دیا۔

اے جذبہ اے جنون ، تو ہمت نہ ہار

☆☆☆

حنا کا دستر خوان

افراح طارق

چکن شیزان

اشیاء

چکن	آدھا کلو
ٹماٹر	ایک پاؤ
ہری پیاز	ایک پاؤ
تیل	آدھا کپ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
سفید مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
سویا سوس	آدھا چائے کا چمچہ
چائنیز نمک	چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چکن میں چلی گارلک سوس، نمک، سفید مرچ، سویا سوس، چائنیز نمک ڈال کر آدھا گھنٹہ رکھیں، تیل گرم کریں، اس میں چکن ڈالیں اور پانچ منٹ مل لیں، ڈھک کر پکائیں، مرغی گل جائے تو ہری پیاز اور ٹماٹر ڈالیں، اس کے بعد کارن فلور پانی میں حل کر کے ڈالیں، پانچ منٹ پکائیں، ٹماٹر پک جائے اور چکن تیار ہو جائے تو چولہے سے اتار لیں، ابلے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

پین کیک آملیٹ

اشیاء

انڈے	چھ عدد
مچھلی یا مرغی آدھا کپ کے گوشت کا قیمہ چار اونس	
مشروم کٹے ہوئے	دو اونس
ادرک باریک کٹی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
سویا سوس	ایک چائے کا چمچہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
نمک و سیاہ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

انڈے پھینٹ کر نمک و سیاہ مرچ ملا دیں، قیمہ میں مشروم، ادرک، چینی، سویا سوس، نمک و سیاہ مرچ ملا دیں، چھوٹے سے فرائی پین میں ایک چائے کا چمچہ تیل ڈال کر گرم کریں اور انڈوں کا تھوڑا سا مرکب ڈال کر روٹی سی پھیلا دیں، نیچے سے سیٹ ہو جائے تو آملیٹ کو دہرا کر کے دھیمی آنچ پر پکائیں، تاکہ قیمہ اندر سے پک جائے، اسی طرح سارے پین کیک آملیٹ تل تل کر پلیٹ میں رکھتے جائیں اور گرم گرم پیش کریں، مزے دار پین کیک آملیٹ تیار ہے۔

چکن چلیز پکوڑا

اشیاء

مرغی کا گوشت بون لیس	1/2 کلو
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچوں کا پیسٹ	1/2 چائے کا چمچہ
چائنیز نمک	ایک چٹکی
سفید مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
چلی سوس	1/2 چائے کا چمچہ

سویا ساس	1/2 چائے کا چمچ
چلی گارلک سوس	1/2 چائے کا چمچ
انڈے	دو عدد
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
کارن فلیکس	1/4 کپ
بریڈ کرمز	1/4 کپ
اسپائسی چپس	1/2 کپ
پیپریکا پاؤڈر	1/2 کپ

ترکیب

گوشت کو ایک پیالے میں ڈالیں، اس میں سیاہ مرچ پاؤڈر، چلی گارلک سوس، سفید مرچ پاؤڈر، پیپریکا، لال مرچوں کا پیسٹ، نمک، چائنیز نمک، سویا سوس اور چلی سوس ڈالیں اور 30 منٹ کے لئے میرنیٹ کریں۔

ایک اور پیالے میں کارن فلیکس، بریڈ کرمز اور اسپائسی چپس مکس کریں اور موٹا موٹا کوٹ لیں، انڈوں میں نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر بیٹر سے پھینٹ لیں، کڑاہی میں تیل ڈال کر گرم کریں اور گوشت کو انڈے میں ڈپ کریں اور بریڈ کرمز میں کوٹ کریں اور فرائی کریں، گولڈن براؤن ہونے کے بعد نکال لیں اور چلی گارلک سوس اور فرنچ فرائیز کے ساتھ سرو کریں۔

منفرد چنے، حلوہ پوری اور آلو

اشیاء

چنے کے لئے

سفید چنے رات کو بھگو دیں	آدھا کلو
پیاز درمیانی	دو عدد
ٹماٹر باریک کاٹ لیں	دو سے تین عدد
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ کٹی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن پیسٹ	ڈیڑھ چائے کا چمچ
سفید زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
تیل	حسب ضرورت
سبز الائچی	چھ عدد
کشمش	تین کھانے کے چمچے
بادام بھگو لیں	دس عدد
گرم مصالحہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
دال مسور بھگو دیں	تین کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا، ہری مرچیں	حسب ضرورت

ترکیب

چنے کو ابال لیں، پیاز کو کاٹ کر ابال کر پیس لیں، دیگچی میں تیل گرم کریں الائچی ڈال کر کڑکڑائیں اب اس میں پیاز کو ڈال کر بھونیں، جب پیاز اچھی طرح بھن جائے تو اس میں ادرک، لہسن پیسٹ اور ٹماٹر ڈال کر بھونیں، جب بھن جائے تو نمک لال مرچ، زیرہ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر ڈالیں اور ایک منٹ تک بھونیں، جب بھن جائے تو بادام چھیل کر ثابت ہی ڈال دیں، ساتھ دال، کشمش اور دو کپ پانی ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں، جب دال گل کر مصالحے کی طرح بن جائے اور تیل اوپر آ جائے تو گرم مصالحہ پاؤڈر، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال دیں اور سرو کریں، نہایت مزے دار چنے تیار ہیں۔

حلوے کے لئے:۔

سوجی	آدھا کپ
چینی	آدھا کپ
گھی	آدھا کپ
کھویا	آدھا کپ
ناریل پسا ہوا	آدھا کپ
پستہ کٹا ہوا	دو کھانے کے چمچے
پانی	دو کپ
کیوڑا	چند قطرے

چاندی کے ورق	حسب ضرورت
انڈے	دو عدد

ترکیب

پانی میں چینی ڈال کر اتنی دیر پکائیں کہ شیرہ تیار ہو جائے دوسرے پین میں گھی گرم کریں اور سوجی کی رنگت گولڈن ہونے تک فرائی کریں، جب سوجی گولڈن ہو جائے تو شیرہ ڈال کر پکائیں، ایک الگ پین میں انڈے پھینٹ کر فرائی کریں، جب شیرہ خشک ہو جائے تو کھویا، ناریل اور فرائی انڈے ڈال دیں اور بھونیں، جب بھن کر گھی الگ ہو جائے اور حلوہ پیندہ چھوڑنے لگے تو پستے اور کیوڑہ ڈال دیں اور اتار لیں، سرونگ ڈش میں نکالیں اور چاندی کے ورق لگائیں۔

آلو کے لئے:۔

آلو چھیل کر گول سلائس کر لیں	تین عدد
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
ثابت زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
کلونجی	آدھا چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	ایک عدد

ترکیب

سوس پین میں تیل گرم کر کے اس میں زیرہ ڈال کر کڑکڑائیں، آلو کے سلائس ڈال کر فرائی کریں، چار سے پانچ منٹ بعد نمک، کٹی ہوئی لال مرچ، ہلدی پاؤڈر اور کلونجی ڈال دیں اور بھونیں، جب بھن جائے تو پانی کا چھینٹا دے کر ہلکی آنچ پر دم پر لگائیں، جب آلو گل جائیں لیکن سلائس گول ہی رہیں ٹوٹیں نا تو لیموں کا رس ڈال دیں، سرونگ ڈش میں نکال کر گرم مصالحہ چھڑک دیں۔

پوری کے لئے:۔

میدہ	آدھا کلو
گھی	چوتھائی کپ
نمک	حسب ذائقہ
چینی	1/2 چائے کا چمچ
تیل فرائی کے لئے	حسب ضرورت

ترکیب

میدے میں گھی، نمک اور چینی ملا کر گوندھ لیں اب اس میں چھوٹے پیڑے بنا کر بیلیں، توے پر تیل گرم کر کے اس میں بیلے ہوئے پراٹھے ڈال کر گولڈن فرائی کریں، گوندھتے وقت حسب ضرورت دودھ کا استعمال کریں منفرد چنے، حلوہ، آلو اور پوریوں کو ایک خوب صورت سرونگ ڈش میں نکالیں اور گرم گرم سرو کریں۔

سادہ پراٹھا

اشیاء

آٹا	دو کپ
میدہ	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
گھی	حسب ذائقہ

ترکیب

آٹے میں میدہ، نمک اور تھوڑا گھی ملا لیں، حسب ضرورت پانی ڈال کر گوندھ لیں، ایک مناسب سائز کا پیڑا بنا لیں اور اسے بیل کر اس پر گھی لگا دیں، اب دوبارہ سے اس کو لپیٹ کر رول بنا کر پراٹھے کی طرح بیل لیں۔

پہلے سے گرم کیے ہوئے توے پر ڈال کر کناروں سے ہلکا گھی ٹپکاتے ہوئے سنہری ہونے تک سینک لیں سرونگ ڈش میں نکال کر اچار اور رائتے وغیرہ کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ کی عافیت، سلامتی اور خوشیوں کی دعاؤں کے ساتھ۔

ہر لمحہ کچھ ہو جانے کے خوف میں گھرے ہوئے کرب اور بے بسی کی کیفیت میں مبتلا، زیادتی نا انصافی مہنگائی اور دہشت گردی جس نے ہمیں معاشرتی زوال کی ایک اندوہ ناک کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے، یہ سب مسائل تو تھے ہی کہ سیلاب کی آفت ناگہانی اور اس کی تباہ کاریاں۔

قدرتی آفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوتی ہیں، کہ ہم اپنی اصلاح کریں اور اپنی خرابیوں کو دور کر کے انصاف اور دیانت کے اصولوں پر زندگی استوار کریں، لیکن اسے کیا کہیں کہ اتنی بڑی تباہ کاری سے گزرنے کے باوجود ہمیں کہیں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی، وہی بم دھماکے دہشت گردی اور روشنیوں کا کہلائے جانے والے شہر کراچی میں ٹارگٹ کلنگ بھی اسی تسلسل سے جاری ہے۔

جو حالات ہمیں اس وقت درپیش ہیں، جن مسائل کا ہمیں سامنا ہے اور جو کچھ ہمارے اردگرد ہو رہا ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم ان قوتوں کو پہچانیں جو ان حالات کے پس پشت کارفرما ہیں اور ایک جہت اور متحد ہو کر ان کا مقابلہ کریں، اے پاک وطن کے رہنے والوں آیئے ہم سب مل کر اپنے اس پیارے وطن کے تابناک مستقبل کے لئے امید کی کرن بن جائیں، ہم اور آپ مل کر اپنے اپنے حصے کا کام کریں۔

سیلاب کی زد میں آئے یہ خانماں برباد لوگ ہمارے اپنے ہیں اور اپنوں کے لئے کچھ کرنا درحقیقت اپنے لئے کرنا ہے اور جو کچھ ہم اپنے لئے کرتے ہیں وہ کسی پر احسان نہیں ہوتا کسی پر ترس یا ہمدردی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر آزمائش سے سرخرو ہو کر نکالے اور آپ کو اور پیارے وطن میں بسنے والے ہر ذی نفس کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں یہ پہلا خط ہمیں سرگودھا سے زوبیہ نور کا ملا ہے وہ لکھتی ہیں۔

اگست کا شمارہ خوبصورت ٹائٹل سے سجا پانچ تاریخ کو ہی مل گیا گویا ہماری عید سے پہلے ہی عید ہو گئی، انکل سردار کی باتوں پر سر ہلاتے ہم آگے بڑھے اور ہم حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے مستفید ہوئے، انشاء جی ہمیشہ موقع کی مناسبت اپنا اپنا چاند، لے کر آئے پڑھ کر مزہ آیا، انٹرویو کارنر میں ام حبیبہ سے ملاقات تشنہ رہی، جبکہ عید سروے پڑھ کر تو مزہ آ گیا، فوزیہ آپی کے سوالات جتنے اچھے تھے مصنفین کے جوابات بھی اتنے ہی پیارے لگے، یقیناً اکتوبر کے شمارے میں بقیہ مصنفات سے بھی اس کالم کے ذریعے ملاقات ہو گی، سلسلے وار ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' فوزیہ غزل ہمیشہ کی طرح چھائی رہی بڑی خوبصورتی سے وہ واقعات و حالات کو لے کر آگے بڑھ رہی ہیں، ارے یہ کیا ام مریم کا مکمل ناول، کیا بات آپی ام مریم کی دو تحریریں کیوں؟ ایک ناول تو ان کا سلسلے وار چل ہی رہا تو پھر اس ناول کی کیا ضرورت تھی یہ تو بقیہ لوگوں کے ساتھ نا انصافی والی بات ہوئی نہ؟ اور پھر یہ تحریر کوئی ایسی خاص بھی نہ تھی کہ اسے اسپیشل ایڈیشن میں جگہ دی جاتی، عید کے حوالے سے دوسرا ناول صبا جاوید کا ''نیلے چاند کی رات'' بے حد پسند آیا، ہماری طرف سے صبا کو مبارک باد، سمیرا حمید نے ''اسے عید کہتے ہیں'' لکھ کر ہمیں اس ماضی میں پہنچا دیا جس کی کہانیاں ہماری دادی، نانی سناتی تھی، تحریر پڑھ کر بہت انجوائے کیا، خالص اور محبتوں سے لبریز، سمیرا جی آپ ہماری فیورٹ رائٹر بنتی جا رہی ہیں، پلیز یونہی اپنی تحریروں کے ساتھ حنا میں حاضری لگواتی رہیے گا، سندس جبیں کا ناولٹ ''کاسہ دل'' بوریت کا شکار ہو رہا ہے، سندس معذرت کے ساتھ آپ کی تحریر میں بہت سے واقعات حالات حتیٰ کہ کہیں کہیں ڈائیلاگ بھی دوسری مصنفات کی تحریروں سے لئے ہوئے ہوتے ہیں، افسانوں میں عید کے رنگ، مصباح نوشین اور نسرین خالد کی تحریر قابل تعریف ہے قرۃ العین رائے بھی بہتر لکھا، مستقل سلسلوں میں ''کتاب نگر'' کی تو کیا ہی بات ہے، یہی جی ہر ماہ اچھی چوائس کے ساتھ سامنے آتی ہیں، حاصل مطالعہ میں تمام ساتھی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوششوں میں نظر آئے، جبکہ رنگ حنا اور حنا کی محفل نے لبوں پر مسکراہٹوں کے پھول بکھیر دیے، بیاض اور میری ڈائری قارئین کے ذوق کی منہ بولتی تصویر تھی، مہندی کے ڈیزائن بھی اچھے لگے دستر خوان ہمیشہ کی طرح نرالا اور مزے دار، کس قیامت کے یہ نامے پر اس مرتبہ فوزیہ آپی خاصی مہربان نظر آئیں تبھی تو کافی دوستوں کو جگہ دی، آپی میرا خط مکمل شائع کیجئے گا۔

زوبیہ نور کیسی ہو؟ اتنا عرصہ کہاں غائب رہی ہو، عید نمبر کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی رائے کے کچھ حصے ہم نے حذف کیے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو، جتنا مناسب تھا وہ شائع کیا۔

جہاں تک بات ہے ام مریم کی عید کے حوالے سے تحریر کی، تو ام مریم نے یہ تحریر اسپیشل حنا کے لئے لکھی اور گفٹ کی اور آپ جانتی ہیں کہ گفٹ سے انکار ناشکرا پن میں شامل ہوتا ہے جو ہم سے ہو نہ سکا، آپ کی رائے محبتوں کا بے حد شکریہ آئندہ بھی اس محفل میں آپ کی رائے اور چاہتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

سارا نعمان: منڈی بہاول دین سے لکھتی ہیں۔

شدید گرمی اور لوڈ شیڈنگ کے موسم میں حنا کا ٹائٹل بڑا کول لگا، عید کے حوالے سجی سنوری ماڈل، لائٹ پنک کلر اور ہلکے پھلکے زیورات، آنکھوں کو بہت بھلے لگے، اسلامیات کا حصہ ہمیشہ کی طرح ایمان افروز اور معلومات بھرپور تھا، انشاء جی کے ساتھ مل کر ہم نے بھی اپنا چاند ڈھونڈا مگر جناب وہ چاند ہی کیا جو عید کے موقع پر فلک پر سجا نظر آ جائے ام حبیبہ نعت گوئی کی ایک منفرد اور میٹھی آواز، ان سے ملاقات اچھی رہی، آگے بڑھے تو فوزیہ آپی بنا بہار رت ہلال عید گنگناتی نظر آئیں کیا خوبصورت عنوان دیا، آپی آپ نے مصنفین سے ملاقات کو، تمام مصنفین نے سروے کے مزے کے جواب دیے ہاں صرف سباس گل کا گفٹ والا واقعہ خاصا افسانوی سا لگا، عشاء بھٹی آپ کی رس ملائی کی ترکیب خاصی آسان تھی میں نے اسے عید پر ٹرائے کیا اور گھر والوں سے داد پائی، کنول ریاض آپ کے جوابات سے لگا آپ بڑی سویٹ ہو فوزیہ غزل پلیز اب آپ جلدی سے ناول کا اختتام کریں

کیوں بیچاری سعیہ اور اریبہ کو آپ نے کن مشکلات میں ڈالا ہوا ہے اور پلیز قارئین میں سے اگر کسی کا سامنا وہاج سے ہو جائے تو میری طرف سے اسے زبردست سی ڈانٹ ضرور پلائیں تاکہ اس کو اپنی اوقات یاد آ جائے، ام مریم کا مکمل ناول دیکھ کر ہم جلدی سے واپس فہرست کی طرف بھاگے کہ کیا مریم نے سلسلے وار ناول کی قسط نہیں لکھی، لیکن فہرست میں آخری جز یہ پرنٹ ہوا دیکھ کر بے اختیار ایک آسودہ سانس لی کہ شکر ہے لکھی ہے ورنہ دو ماہ میں پرنیاں اور معاذ کے لئے اندازے ہی لگاتے رہتے تھے کہ یہ ہوا ہوگا وہ ہوا ہوگا، لگے ہاتھوں ہم نے اسے پڑھ ہی لیا اگرچہ افطاری میں بہت کم ٹائم رہ گیا تھا، ام مریم بہت سی محبتیں آپ کے لئے، سمیرا حمید کا مکمل ناول بالکل بھی پسند نہیں آیا، آپی کیا یہ وہی سمیرا حمید ہیں جو شعاع وغیرہ میں لکھتی ہیں، یہ تحریر پڑھ کر تو نہیں لگتا، اچھی خاصی مضحکہ خیز بونگی سی تحریر تھی، صباء جاوید اور ام مریم کی ناول عید کے حوالے سے واقعی بہترین تھے بس یہاں اعتراض ہے مجھے تو ام مریم کے ناول شروع میں لکھے فقرے سے کہ "کتنے عرصے بعد، بہن بھائی بنتے ہیں میاں بیوی شادی کے بعد، ام مریم دعا کریں آپ کا یہ جملہ کسی مفتی کی نظر نہ گزرے ورنہ تو؟؟؟

"کاسہ دل" اس مرتبہ اچھا لگا واقعات آگے بڑھتے محسوس ہوئے، افسانوں میں سب اچھا افسانہ نسرین خالد کا لگا، ویل ڈن نسرین وطن کی محبت میں آپ نے اچھا لکھا، قرۃ العین رائے اور مصباح نوشین کی تحریریں بھی پسند آئیں۔

مستقل سلسلے چونکہ ابھی پڑھے نہیں اسے لئے کوئی رائے نہیں دے سکتے۔

فوزیہ آپی میں اگر آپ سے بات کرنا چاہوں تو کیسے کروں، پلیز اگر ہو سکے تو اپنا موبائل نمبر بتا دیں شکریہ۔

سارا نعمان اس محفل میں خوش آمدید، اگست کا شمارہ آپ کے ذوق پر پورا اترا یہ جان کر ہمیں خوشی ہوئی، تعریف و تنقید دونوں آپ کا حق ہیں ہم کسی بات کا برا نہیں مانتے آپ کا خط جوں کا توں شائع کیا جا رہا ہے، اب آپ خوش، آپ کا تبصرہ ہمیں بھی پسند آیا، ہم سے بات کرنے کے لئے آپ آفس کے نمبر 042-37321690-37310797 پر گیارہ سے لے کر چار بجے تک کال کر لیں، آپ کی محبتوں کا ایک بار پھر شکریہ اپنا خیال رکھیئے گا اور اس محفل کی رونق کو دوبالا کرنے کے لئے آتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

ظل ہما: فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔

حنا کی بزم میں آج پہلی بار حاضر ہیں، امید ہے ہماری آمد سب کو پسند آئے گی۔

سب سے پہلے خط لکھنے کی وجہ عشناء بھٹی کا اگست میں شائع کردہ خط بنا، عشناء بھٹی یاد رکھنے کا بہت بہت شکریہ، حنا اور اس کی محفل میں پذیرائی یقیناً میری اوقات سے بڑھ کر ہوئی ہے ورنہ بھلا دو افسانوں کی سوچ ہی کیا ہے، پہچان کے لئے، ان تمام دوستوں کا بھی شکریہ جنہوں نے میری تحریروں کو پسند کیا تھا، اب یہ کہہ کر شرمندہ مت کیجئے گا کہ اتنے ماہ بعد یاد آیا کہ شکریہ بھی کہنا ہے، میری زندگی بہت مصروف ہے کچھ میری اپنی پیدا کردہ مصروفیات ایسی ہیں کہ وقت نہیں مل پاتا، پہلے گھر پر فارغ تھی تو سب کی مصروفیت کی ضد میں، میں نے بھی جاب شروع کر دی، ایک کیمبرج سسٹم میں جاب کے ساتھ سٹڈی اور پھر گھر، سب نے مجھے گھما کر رکھ ڈالا ہے۔

ارے ارے اگر آپ کو میرا تعارف چاہیے

تو ابھی بتا دیتی ہوں، نام ظل ہما ہے، تعلیم ایم اے پولیٹیکل سائنس ایم ایڈ اسپیشل ایجوکیشن ہے، ایم اے انگلش اور ایم فل اسپیشل ایجوکیشن جاری ہے، میری ماما بھی ورکنگ وومین ہیں سو اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے گھر سنبھالنا بھی میری ذمہ داری ہے سو میری مصروفیت کو آپ سمجھ گئے ہونگے، ابھی بھی میں رات ایک بجے یہ لیٹر لکھ رہی ہوں مجھے دن میں اسلام آباد کے لئے روانہ ہونا جہاں میری ایم فل کلاسز میرے انتظار میں ہیں اور میں جانے سے پہلے کچھ نہ کچھ لکھ کر حنا کو بھجوانا چاہتی تھی، پلٹتے ہیں حنا کی تحریروں کی طرف تو ام مریم اور فوزیہ دونوں کافی اچھا لکھ رہی ہیں، سندس جبیں میں تو آپ کی پکی فین بن گئی ہوں، آپ سے بہت دیر میں تعارف ہوا، مگر خوب ہوا۔

باقی سب بھی اچھا لکھ رہے ہیں اور ہاں عائی ناز ویلڈن یارا، بہت اچھا لکھتی ہو، اگر ہو سکے تو مجھ سے رابطہ کرو اور فرینڈز کچھ وجوہات کی بناء پر نیکسٹ میں اپنے رئیل نیم یعنی ظل ہما کے نام سے نہیں لکھوں گی، در نجف سیال کے نام سے آپ میری تحریریں دیکھ سکیں گے۔

ظل ہما اس محفل میں خوش آمدید، آپ کی مصروفیت بارے میں جان کر ہم یہی کہیں گے، اسی کا نام زندگی ہے، آپ در نجف کے نام سے لکھیں یا ظل ہما کے نام سے ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہیں، ہمارے لئے تو آپ کی تحریر ہی اہم ہے، آپ لکھیں چاہے جس بھی نام سے لکھیں، حنا کی تحریروں کو پسند کرنے کے لئے شکریہ۔

فرزانہ سرور فرح: میاں چنوں سے لکھتی ہیں۔

اگست کا شمارہ میرے ہاتھوں میں ہے اور میری مسکراہٹ ہائے اوئے ربا، بہت خوشی اپنا نام حنا میں دیکھ کر پہلی بار تو، آپ نے میرا مان رکھ لیا، اب کی بار کچھ کہہ نہیں سکتی، اف میرے خدایا ام مریم، یہ معاذ کو کیا ہو گیا ہے قسم سے یہ لڑکا تو میرے فیورٹ ہیروز کی لسٹ میں شامل ہوتا جا رہا ہے، اگر یہ ناول قارئین شوق سے پڑھتے ہیں تو معاذ اور پرنیاں کی وجہ سے ویسے راز کی بات ہے مجھے سارے کردار ہی اچھے لگتے ہیں، "کہو نا محبت ہے" ہاں کہہ دیا محبت ہے مگر حنا سے، کہیں کچھ اور ہی نہ سمجھ لینا، مذاق نہیں کر رہی واقعے ناول بہت، بہت اچھا لگا وہ کیا ہے نا کہ مردوں کے بارے میں میری بھی رائے کچھ ایسی ہی ہے، بالکل ایسا ہی ہے جب تک محبت سے دوری رہی مرد بے چین بے قرار رہتا ہے، مگر جب شادی ہو جاتی ہے بیوی کو باندی ہی سمجھتا ہے مجال ہے جو کبھی بنا مطلب کہ مسکرا بھی دے، فوزیہ غزل، کیسی ہو مجھے عید سروے میں سب سے اچھی آمد آپ ہی کی لگی، "وہ ستارہ صبح امید کا" زبردست جا رہا ہے، شاعری بھی بیسٹ تھی اریبہ بیچاری بہت برے حالات سے گزر رہی ہے، امید ہے سب اچھا ہی ہو گا، سعیہ کا کردار بھی اچھا لگتا ہے، صباء جاوید "نیلے چاند کی رات" مجھے زرش کا چاند رات مبارک کہنا بہت بھلا لگا اور پھر محبت کا اظہار اور وہ بھی اتنے آسان الفاظ میں بہت اچھا لگا، علینہ احمر مغل، "کاسہ دل" سندس جبیں تینوں کتنے اچھے لگتے ہیں نہ ساتھ ساتھ، ہم ساتھ ساتھ ہیں، کی طرح نہیں، مصباح نوشین، تمہاری عید کی رنگ تو نرالے ہی ہیں بہت پیارے لگے بالکل آپ کی طرح، "پچھلے تین سال سے ہر عید تمہاری روتے ہوئے گزری ہے، نازی" مجھے یہ جملہ حد سے زیادہ اچھا لگا، دوبارہ کب حاضر ہوں گی، نسرین خالد، "یہ وطن ہمارا ہے" بالکل ٹھیک کہا بھئی ہمارا ہی تو ہے اور کسی کی کیا مجال کہ کوئی کچھ کہے اسے، میری ڈائری میں عابدہ سعید کی غزل تو سیدھے ہمارے دل پر جا لگی، بہت اچھی غزل

تھی، رمشہ ظفر، کی دوری اچھی رہی اتنی مختصر چلو کوئی بات ہے، عاصمہ سرور، کا چاند تو مجھے دن میں ہی نظر آنے لگا، مہندی کے ڈیزائن بھی پیارے تھے، ابھی ٹرائی نہیں کیئے، مگر سوچ رہی ہوں۔

"حنا کا دستر خوان" میں مجھے سویوں کی بارش خوب بھائی اتنی سویاں مزا آ گیا، حنا کی محفل میں، زوبی ناصر، بشریٰ رشید اور رضا سلمیٰ کے سوال اچھے لگے اور جواب پڑھ کر تو مزا ہی آ گیا۔

فرزانہ سرور خوش ہو جائیں ایک بار پھر آپ اس محفل میں شامل ہیں، عید کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ یاد رکھو امید ہمیشہ اچھی رکھنی چاہیے اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا، شکریہ۔

ثمینہ بٹ:۔ لاہور سے لکھتی ہیں۔

اگست کے شمارے میں سردار محمود صاحب کی "کچھ باتیں ہماریاں" ہمیشہ کی طرح بے مثال تھیں، اسلامیات والا حصہ حسب معمول شاندار رہا اور خاص طور سے میرے پسندیدہ شاعر "امجد اسلام امجد" صاحب کا کلام، واہ مزہ آ گیا، "پیارے نبی کی پیاری باتیں" تو ہوتی ہی بہت پیاری ہیں اور بہت معلومات افزاء بھی۔

انشاء جی کا "اپنا اپنا چاند" بے مثال، لاجواب، شاندار اور کیا کہوں، الفاظ ہی نہیں ہیں میرے پاس، کاشف صاحب نے "اُم حبیبہ" سے بہت اچھی ملاقات کروائی، مگر کچھ تشنگی رہ گئی باقی، "عید سروے" میں شامل تمام بہنوں کے جوابات بہت مزے کے اور اچھے لگے، "کتاب نگر" میں اس بار یسیٰ کرن، اے خیام کی "سراب منزل" سے متعارف کروا رہی تھیں، کچھ تو یسیٰ کا انداز بیان اور کچھ اے خیام کا انداز تحریر بے مثال تھا، لگتا ہے ناول پڑھنا ہی پڑے گا اور ضرور پڑھوں گی بھی، باقی کے تمام سلسلے بھی حسب روایت شاندار تھے، افسانوں میں قرۃ العین رائے کا "عید منائی اپنوں کے سنگ" بہت خوب تھا، مزہ آیا پڑھنے کا، نسرین خالد کا "یہ وطن ہمارا ہے" بھی اچھی کاوش تھی اور مصباح نوشین کی "عید کے سنگ" نے بھی خوب رنگ لگایا۔

ناولز تینوں بہت خوب تھے، سمیرا حمید نے ایک بار پھر بہت اچھا لکھا اور "نیلے چاند کی رات" بھی بے مثال تھی، "کہو ناں محبت ہے" میں اُم مریم نے محبت اور انا کے بارے میں اچھا لکھا، واقعی جہاں محبت ہو وہاں انا نہیں ہوتی اور جہاں انا آ جائے گی، محبت وہاں سے رخصت ہو جائے گی۔

ناولٹ اس بار صرف ایک ہی تھا، سندس جبیں کا "کاسہ دل" اور وہ بہت اچھا جا رہا ہے، سلسلے وار ناولز بھی اچھے تھے، اور آل اگست کا حنا لاجواب رہا۔

ثمینہ بٹ صاحبہ خوش آمدید، اگست کا شمارہ پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی رائے ہمارے لئے بہت اہم ہے، آپ کی تحریریں چونکہ لیٹ موصول ہوئی ہیں اس لئے اگلے ماہ شامل اشاعت ہوں گی، اپنا خیال رکھئے گا شکریہ۔